OSMANIA UNIVERSITY

جامعۂ عثمانیہ

الملل والنحل

جلد سوّم

سلسلۂ نصابات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

نشان ۳۵۴

الملل والنحل

جلد سوم امامہ

(مطبوعۂ مصر سنہ ۱۳۴۷ھ)

ابو محمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی

مترجمہ

مولانا عبداللہ عمادی صاحب

(سابق رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ)

سنہ ۱۳۶۴ھ م سنہ ۱۳۵۴ف سنہ ۱۹۴۵ء

مطبوعہ

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

ملل ونحل جلد سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ عدۃ للقائہ

تحقیق امامت و مفاضلت صحابہؓ

تمام اہل سنت اور تمام مرجیہ اور تمام شیعہ اور تمام خوارج وجوب امامت پر متفق ہیں کہ امت پر ایک ایسے امام عادل کی اطاعت واجب ہے جو اُن میں اللہ تعالےٰ کے احکام کو قائم کرے اور اُن کی سیاست اُن احکام شریعت کے مطابق کرے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ بجز خوارج کی جماعت نجدات کے۔ کیونکہ ان لوگوں نے کہا ہے کہ لوگوں کو امامت کا فرض لازم نہیں ہے۔ ان پر صرف یہی لازم ہے کہ یہ آپس میں حق کی تلقین کرتے رہیں۔ یہ وہ فرقہ ہے کہ ہمارے خیال میں تو ان میں سے اب کوئی باقی نہیں ہے۔ یہ لوگ نجدۃ بن عمیر الحنفی کی طرف منسوب ہیں جو یمامہ میں رہتا تھا۔

اس فرقے کا قول ساقط ہے، اس کے رد و ابطال کے لئے وہ اجماع کافی ہے جو ہم نے اس کے بطلان پر بیان کیا ہے، قرآن و حدیث بھی امام کے ضروری ہونے کے متعلق وارد ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے، "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" (اللہ کی اطاعت کرو

اور رسول و صاحبِ حکومت کی اطاعت کرو) اس کے ساتھ ہی بکثرت صحیح احادیث ہیں جو ائمہ کی اطاعت اور امامت کے ضروری ہونے پر دال ہیں۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لایکلف اللہ نفسًا الا وسعھا "(اللہ تعالیٰ جس کو تکلیف دیتا ہے اس کی وسعت کے اندر ہی دیتا ہے)۔ لہٰذا اس کا یقین واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایسی تکلیف نہیں دیتا جو ان کی فطرت میں نہ ہو اور ان کی برداشت کے قابل نہ ہو۔

بداہت عقل سے معلوم ہے کہ لوگوں کا اموال و جنایات و دماء و نکاح و طلاق اور بقیہ تمام احکام اور ظالم کے روکنے اور مظلوم کے انصاف کرنے اور قصاص لینے کے وہ احکام جو اللہ نے ان پر واجب کئے ہیں ان کا قائم کرنا باوجود ان کے اطراف کے دور و دراز ہونے کے اور ان کے مختلف مشاغل کے اور ایسے شخص کے دشوار ہونے سے جو ان سب میں لائق ہو، ممتنع و غیر ممکن ہے۔ کیونکہ کبھی ایک شخص یا جماعت یہ چاہتی ہے کہ ایک انسان ان کا فیصلہ کرے، دوسرا شخص یا دوسری جماعت یہ چاہتی ہے کہ وہ شخص ان کا فیصلہ نہ کرے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ یا اپنے اجتہاد میں اس جماعت کی رائے ان لوگوں کے خلاف ہوتی ہے یا صرف ان سے اختلاف ہی ہوتا ہے۔ یہ وہ امر ہے جو بدیہی ہے۔ ان شہروں میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے جن میں کوئی رئیس نہیں ہوتا۔ اس مقام پر نہ کوئی حکمِ حق قائم ہوتا ہے اور نہ کوئی حد (یعنی شرعی سزا) یہاں تک کہ ایسے اکثر مقامات میں دین رخصت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دین کا قیام بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ کسی ایک یا ایک سے زاید کے سپرد کیا جائے۔ چونکہ ان دو وجوہ میں سے ایک ضروری ہے تو دو یا دو سے زائد کے درمیان وہی صورت ہوگی جو ہم نے بیان کی (یعنی اختلاف رائے) تو کوئی امر مکمل نہ ہوگا۔ لہٰذا سوائے اس کے کوئی ایسی وجہ نہیں رہی جس سے انجام امور کے لیے ناچار ضرورت پڑے گی۔ کہ کسی ایک فاضل، عالم، ماہر سیاست، اور نفاذِ احکام کی قوت رکھنے والے کے سپرد کر دیا جائے۔ سوائے اس کے کہ وہ شخص ان صفات کے

خلاف ہو جو ہم نے بیان کیں تو ظلم اور شریعت کا بیکار کرنا جتنا ایک شخص کے ساتھ
ہوگا تو وہ بہ نسبت اس ایک شخص کے دو یا زائد اشخاص کے ساتھ کم ہوگا۔
اور چونکہ یہ اس طرح ہے لہٰذا ہر شخص پر فرض و لازم ہے کہ وہ حتی الامکان
ظلم کو روکے۔ اگر وہ پورے ظلم کے روکنے پر قادر ہوں تو انھیں یہی لازم ہے۔ ۲۳
ورنہ جتنے مظالم اور بے تدبیریاں اس ایک سے ہوں گی ان سے کہیں زیادہ
دو یا زائد کریں گے۔ اس بنا پر تمام لوگوں کے لیے لازم ہے کہ بقدر امکان
ظلم سے بچیں، اگر تمام مظالم سے بچنا ممکن ہو تو سب سے بچیں ورنہ جس قدر
ہو سکے، چاہے ایک ہی معاملے میں دفع ظلم کر سکیں۔

جو امامت کو فرض سمجھتے ہیں وہ اس پر متفق ہیں کہ عالم میں ایک وقت
میں دو اماموں کا ہونا جائز نہیں۔ مگر محمد بن کرام السجستانی و ابو الصباح السمرقندی
اور ان کے اصحاب نے وقت واحد میں دو اور دو سے زائد آئمہ کا ہونا جائز
رکھا ہے۔ ان لوگوں نے اس قول سے استدلال کیا ہے جو بعض انصار نے
سقیفہ کی گفتگو کے روز مہاجرین سے کہا تھا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک
امیر تم میں سے ہو۔ اس امر سے بھی استدلال کیا ہے جو علی و حسن رضی اللہ عنہما
کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گزرا تھا۔

اس میں ان لوگوں کے لئے کچھ بھی حجت نہیں اس لئے کہ انصار رضی اللہ عنہم
کا قول مذکور صواب نہ تھا بلکہ خطا تھا۔ یہ بات انھوں نے بر بنائے خطائے
اجتہادی کہی تھی مگر مہاجرین نے اس باب میں ان سے اختلاف کیا تھا۔ جب
دو کہنے والے دو قولوں میں اختلاف کریں جو باہم منافی ہوں تو ضروری ہے کہ
دو میں سے ایک حق ہو اور دوسرا خطا ہو۔ چونکہ یہ ایسا ہے لہٰذا واجب ہے کہ
جس امر میں وہ نزاع کریں اسے اس چیز کی طرف رجوع کریں جس کی طرف
رجوع کرنے کو بحالت اختلاف اللہ تعالے نے فرض کیا ہے۔ وہ فرماتا ہے
"فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون
باللہ والیوم الآخر" (پھر اگر تم لوگ کسی چیز میں باہم اختلاف کرو تو اسے
اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔)

ہم نے اس میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ "اذا بویع لامامین فاقتلوا الآخر منھما (جب دو اماموں سے بیعت
کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کردو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولا تکونوا
کالذین تفرقوا واختلفوا" (تم لوگ ان لوگوں کے مثل نہ ہو جانا جو
متفرق و مختلف ہو گئے)۔ اور فرمایا ہے "ولا تنازعوا فتفشلوا و
تذھب ریحکم" (اور آپس میں نزاع نہ کرنا کیونکہ تم کمزور ہو جاؤ گے
اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی)۔ اللہ تعالےٰ نے تفرق و تنازع کو حرام
کر دیا۔ جب دو امام ہوں گے تو وہ تفرق پیدا ہو جائے گا جو حرام ہے
پھر تنازع پایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی معصیت واقع ہو گی۔ اور ہم نے
وہی کہا ہے جو ہمارے لیے حلال نہیں ہے۔

غور و تدبر و مصلحت کے رو سے بھی اگر یہ جائز ہو کہ عالم میں دو امام
ہوں تو یہ بھی جائز ہو گا کہ اس میں تین یا چار ہوں اور زیادہ ہوں۔ اگر
کوئی منع کرنے والا اس کو منع کرے تو وہ بدون برہان کے حکم دینے
والا اور بے دلیل کے دعویٰ کرنے والا ہے۔ اور یہ وہ باطل ہے جس سے
کوئی بھی عاجز نہیں۔ اگر وہ اسے جائز رکھے تو حکومت بڑھ جائے گی یہاں تک
کہ عالم میں ایک امام ہو گا، یا ہر شہر میں ایک امام ہو گا، یا ہر گاؤں میں
ایک امام ہو گا، یا ہر شخص اپنے گھر میں امام و خلیفہ ہو گا، اور یہ فساد محض
اور دین و دنیا کی ہلاکت ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ انصار رضی اللہ عنہم کا قول غلط و
خطا تھا جس سے انھوں نے حق کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالےٰ نے
انھیں اس پر باقی رہنے سے بچا دیا۔

رہا علی و حسن و معاویہ رضی اللہ عنہم کا معاملہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثابت ہے کہ آپ نے امت کے دو گروہوں میں سے ایک جماعت کے
نکلنے کی پیشین گوئی فرمائی تھی جن کو دونوں گروہوں میں سے حق کے قریب تر
گروہ قتل کرے گا۔ اس گروہ کے قتل کرنے والے علی رضی اللہ عنہ تھے،
لہذا بلاشک وہ صاحب حق تھے۔

اسی طرح حضرت رضؓ نے یہ پیشین گوئی فرمائی تھی کہ عمارؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ علیؓ ہی صاحب حق تھے اور علیؓ ہی پہلے امام ہوگئے تھے۔ ان کے صاحب امامت ہونے کے بعد جو اس میں نزاع کرے خطاوار ہے۔ لہذا معاویہ رضی اللہ عنہ خطاوار اور ایک اجر کے مستحق ہیں اس لئے کہ وہ مجتہد ہیں۔ مجتہد کی خطا میں کسی کے لئے حجت و دلیل نہیں ہوتی لہذا اس گروہ کا قول باطل ہوگیا۔

انصار رضی اللہ عنہم کا یہ قول کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر آپ لوگوں میں سے ہو اس طور پر ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ ان میں سے ایک والی ہو جائے پھر جب وہ مر جائے تو مہاجرین میں سے دوسرا والی ہو جائے، اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہے، نہ یہ کہ ایک ہی وقت میں دو امام ہوں ان کے کلام سے یہی زیادہ ظاہر ہے۔

علی و معاویہ رضی اللہ عنہما میں سے ایک نے دوسرے کو کبھی تسلیم نہیں کیا بلکہ ان دونوں میں ہر ایک اس کا مدعی تھا کہ وہی صاحب حق ہے۔ اسی طرح حسن رضی اللہ عنہ بھی تھے یہاں تک کہ پوری حکومت معاویہ کے سپرد کردی گئی۔ چونکہ یہ ایسا ہے لہذا ابن کرام و ابی الصباح کے قول کے بطلان پر اجماع ثابت ہوگیا۔ اور کسی شئے سے بھی ان کا تعلق ہونا باطل ہوگیا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

وجوب امامت کے قائلین نے قریش پر اختلاف کیا ہے۔ اہل سنت اور تمام شیعہ اور بعض معتزلہ اور اکثر مرجیہ کا مذہب یہ ہے کہ امامت صرف انھیں قریش میں جائز ہے جو فہر بن مالک کی اولاد میں ہوں۔ ان لوگوں میں جائز نہیں جن کے باپ بنی فہر بن مالک میں سے نہ ہوں اگرچہ ان کی ماں قریش میں سے ہو۔ نہ امامت حلیف قریش میں جائز ہے نہ مولائے قریش میں۔

تمام خوارج اور اکثر معتزلہ اور بعض مرجیہ کا مذہب یہ ہے کہ خلافت ہر ایسے شخص میں جائز ہے جو کتاب و سنت کو قائم کرے خواہ وہ قرشی ہو یا عربی

یا غلام کی اولاد۔ ضرار بن عمرو الغطفانی نے کہا ہے کہ جب کہ قرشی وحبشی دونوں اکٹھا کتاب وسنت کے قائم کرنے والے ہوں تو واجب یہ ہے کہ حبشی کو مقدم کیا جائے اس لئے کہ جب وہ جادۂ حق سے ہٹے گا تو اُس کا معزول کرنا زیادہ آسان ہوگا۔

خاص اولاد فہر بن مالک میں وجوب امامت کے ہم سبھی قائل ہیں۔ اس لیے کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص ہے کہ آئمہ قریش سے ہوں۔ اور اُس پر کہ امامت قریش میں ہو۔ یہ وہ روایت ہے جو تواتر کے طور پر آئی ہے اور اسے انس بن مالک وعبداللہ بن عمرؓ بن الخطاب ومعاویہؓ نے روایت کیا ہے۔ جابر بن عبداللہ وجابر بن سمرہ وعبادۃ بن الصامت نے اس کے معنی روایت کئے ہیں۔ جو چیز اس روایت کی صحت پر دلالت کرتی ہے وہ یوم سقیفہ میں انصار رضی اللہ عنہم کا مان لینا ہے۔ حالانکہ وہ لوگ صاحب وطن، صاحب قوت وحفاظت، وصاحب تعداد کثیر تھے اور انھیں اسلام میں تقدم بھی حاصل تھا۔ یہ محال ہے کہ وہ دوسروں کے اجتہاد کے لئے اپنا اجتہاد ترک کر دیتے اگر ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص سے حجت قائم نہ ہوتی کہ اس امر میں حق اَوروں کے لئے ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ آئمہ قریش میں سے ہوں۔ حلیف ومولی وفرزند خواہر (بھانجے) بھی داخل ہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مولائے قوم انھیں میں سے ہے اور قوم کی بہن کا لڑکا بھی انھیں میں سے ہے۔ بتوفیق الٰہی اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر اجماع یقینی وصحیح ہے کہ حلیف ومولی وخواہرزادہ کا حکم ایسا ہی ہے جیسا اُس شخص کا حکم ہے جس کا حلیف ومولی وخواہرزادہ ہو۔ جو شخص امامت کو ان لوگوں کے غیر میں جائز رکھتا ہے وہ ان لوگوں میں بھی جائز رکھتا ہے اور جو اسے غیر قریش سے روکتا ہے وہ اسے حلیف ومولیٰ وخواہرزادے سے بھی روکتا ہے جب برہان سے یہ ثابت ہوگیا کہ امام قریش ہی میں سے ہوگا نہ کہ غیر قرشی تو اجماع سے ثابت ہوگیا کہ قریش کا حلیف ومولیٰ وخواہرزادہ

اُسی شخص کے حکم میں ہے جو قرشی نہ ہو۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق
ایک قوم نے کہا ہے کہ امامت کا اسم کبھی فقیہ و عالم اور مسجد کی نماز کے متولی پر بھی واقع ہوتا ہے۔ ہم کہیں گے کہ ہاں، واقع تو ہوتا ہے مگر بغیر اضافت کے اور علی الاطلاق واقع نہیں ہوتا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص دین میں امام ہے اور فلاں شخص فلاں خاندان کا امام ہے۔ امت میں سے بغیر کسی اختلاف کے اسم امامت کا اطلاق صرف اسی شخص پر ہوتا ہے جو تمام امور اہل اسلام کا متولی ہو۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ امیر کا اسم تو بغیر کسی کے اختلاف کے اس شخص پر واقع ہوتا ہے جو مسلمین کی کسی سمت کا والی بنایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمین کی کسی سمت پر یا سریے یا لشکر پر جس کسی کو والی بنایا تو آپ نے اُسے امیر کے نام سے نامزد فرمایا ہے۔ اور یہ سب مومنین تھے۔ تو اس سے کون امر مانع ہے کہ ہر شخص پر امیر المومنین کا اسم واقع کیا جائے۔ بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ بغیر کسی کے اختلاف کے کذب حرام ہے۔ جن کو ہم نے بیان کیا ہے وہ بعض مومنین کے امیر تھے نہ کہ کل مومنین کے اگر ہر ایک کا نام امیر المومنین رکھا جائے تو اس نام سے نامزد کرنے والا کاذب ہوگا۔ کیونکہ یہ لفظ (امیر المومنین) تمام مومنین کے عموم کو چاہتا ہے اور وہ ایسا نہیں ہے۔ وہ تو صرف بعض مومنین کا امیر ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ اسم امامت و اسم امیر المومنین کا مطلقاً اطلاق سوائے قرشی کے جو تمام امور مومنین کا متولی ہو یا اُس کے لئے یہ واجب ہو کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ اگرچہ بکثرت مومنین اس قرشی کی نافرمانی کریں اور اُس کی جو اطاعت اُن پر واجب ہے اس سے اور اس کی بیعت سے جو اُن پر فرض ہے نکل جائیں۔ اور اس کی وجہ سے باغی گروہ میں ہو جائیں اور اُن سے جنگ وقتال حلال ہو جائے۔ اسی طرح علی الاطلاق اسم خلافت کا اطلاق بھی صرف اُسی کے لئے جائز ہے جس کی صفت یہی ہو۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔
اُن لوگوں میں اختلاف ہوا ہے جو اس کے قائل ہیں کہ خلافت صرف

قریش کے ہی خاندان میں ہونا چاہیئے۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ صرف فہر بن مالک کی تمام اولاد میں جائز ہے۔ یہ قول اہل سنت کا اور تمام مرجیہ کا اور بعض معتزلہ کا ہے۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ خلافت صرف عباسؓ بن عبدالمطلب کی اولاد میں جائز ہے یہ قول راوندیہ کا ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ خلافت صرف علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں جائز ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اسے عبداللہ بن معاویہؓ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔

ہمیں بعض اولاد حارث بن عبدالمطلب کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ خلافت صرف اولاد عبدالمطلب میں جائز ہے، وہ خلافت کو تمام اولاد عبدالمطلب میں جائز سمجھتے تھے۔ اور اولاد عبدالمطلب یہ لوگ تھے۔ ابو طالب۔ ابولہب۔ حارث۔ عباسؓ۔

ایک شخص کے متعلق معلوم ہوا جو اردن میں تھا کہ خلافت صرف بنی امیہ بن عبد شمس میں جائز ہے اور اس مضمون میں اس کی ایک تالیف بھی تھی۔

ہم سے ایک کتاب کی روایت کی گئی ہے جو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک شخص کی تالیف تھی جس میں انھوں نے استدلال کیا ہے کہ خلافت صرف اولاد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما میں ہو سکتی ہے۔

ہم نے ان چاروں فرقوں کے سوائے بے وجہ جھوٹے دعاوی کے اور کوئی ایسا شبہہ بھی نہیں پایا جو اس کا مستحق ہو کہ اس کے ساتھ توجہ کی جائے۔ البتہ کلام ان لوگوں کے ساتھ ہے جو خلافت کو صرف اولاد عباسؓ یا اولاد علیؓ کا حق سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی تعداد کثیر ہے۔

جن کا مذہب یہ ہے کہ خلافت صرف اولاد عباسؓ کا حق ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ ان کی اولاد میں خلفاء ہیں۔ اور لیکن ان میں جو خلفاء نہیں ہیں اور انھیں علم سے حصہ ملا ہے وہ اسے پسند نہیں کرتے اور نہ

اس کے قائل ہیں اس گروہ نے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ عباس رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصبہ و وارث تھے جب یہ ایسا ہے تو وہی آپ کی جگہ کے وارث تھے۔

یہ کوئی چیز نہیں۔ اس لئے کہ اگر عباس رضی اللہ عنہ کے لئے میراث واجب بھی ہوتی تو یہ صرف مال میں ہوتی۔ مرتبے کے متعلق مذاہب میں ہرگز نہیں آیا ہے کہ یہ چیز میراث میں ملتی ہے۔ لہٰذا یہ طمع کاری بالکل باطل ہوگئی۔ وللہ الحمد۔ اگر مراتب کا میراث میں ملنا جائز ہوتا تو ضرور ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو کسی مقام کا والی بنایا تھا جب وہ مر گئے تو واجب تھا کہ ان کا عصبہ و وارث اس ولایت کا وارث ہوتا۔ خود یہ لوگ بھی اس کے قائل نہیں۔ اور یہ کیونکر ہوسکتا ہے حالانکہ سوائے روافض کے تمام اہل قبلہ کے اجماع سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لا نورث ما ترکناہ صدقۃ" (ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے)۔

اگر کوئی معترض اس کلام الٰہی سے اعتراض کرے کہ "وورث
٧٦ سلیمان داؤد" (اور سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوئے)۔ اور اس کلام الٰہی سے جو اس نے زکریا علیہ السلام کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا کہ "فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعلہ رب رضیا" (پھر مجھے اپنے پاس سے ایسا جانشین عطا فرما جو میرا اور آل یعقوبؑ کا وارث ہو اور اے میرے رب اسے پسندیدہ بنانا)

اس میں کوئی بھی حجت نہیں ہے اس لئے کہ تمام راوی اور حاملان اخبار اور تمام تواریخ قدیمہ اور بنی اسرائیل کے تمام گروہ بغیر کسی اختلاف کے اس طور پر روایت کرتے ہیں جس سے یقین آجاتا ہے کہ علاوہ سلیمان علیہ السلام کے حضرت داؤد علیہ السلام کے اور بھی متعدد بیٹے تھے، لہٰذا ثابت ہوگیا کہ حضرت سلیمانؑ نبوت کے وارث ہوئے تھے۔ برہان یہ ہے کہ ان تمام مؤرخین وغیرہم کا اس پر اجماع ہے کہ سلیمان علیہ السلام بارہ برس کے بھی نہ تھے

جب اپنے والد کے قائم مقام ہوئے تھے۔ حالانکہ داؤد علیہ السلام کے سب چھوٹے بڑے چوبیس بیٹے تھے۔

یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کی میراث میں بھی اسی طرح کا کلام ہے۔ اور نص آیت میں خود زکریا علیہ السلام کا یہ قول کہ "یرثنی ویرث من آل یعقوب" (وہ میرا وارث ہو اور آل یعقوبؑ کا وارث ہو)۔ حالانکہ وہ (آل یعقوبؑ) لاکھوں تھے۔ یہ برہان ہے کہ وہ صرف اُن سے نبوت کے وارث ہوئے تھے۔

محال ہے کہ زکریا علیہ السلام اپنی اولاد کے بارے میں ایسی دعا کریں جو ان کے عصبہ کو میراث سے روک دے۔ کیونکہ ایسے امر کی تو دنیا اور اُس کے ساز و سامان کی حرص رکھنے والا ہی رغبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو جو ان کی کفالت میں تھیں بہ سبب معجزات کے ذریعے منزہ و پاک کیا ہے۔ فرمایا ہے "کلما دخل علیہا زکریا المحراب وجد عندھا رزقا۔ قال یامریم انی لک ھذا۔ قالت ھو من عند اللہ۔ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔ ھنالک دعا زکریا ربہ۔ قال رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ۔ انک سمیع الدعاء" (جب کبھی زکریاؑ مریمؑ کے پاس محراب میں جاتے تھے تو اُن کے پاس رزق پاتے تھے۔ تو فرماتے تھے کہ اے مریمؑ یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے آیا۔ وہ کہتی تھیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ اسی وقت زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی۔ اور کہا کہ اے میرے رب مجھے اپنے پاس پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ بیشک تو دعا کا بہت سننے والا ہے)۔ حضرت زکریاؑ نے اس معنی کے مطابق یہ دعا کی کہ "ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔ واجعلہ رب رضیا" (مجھے اپنے پاس سے جانشین عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا (روحانی) وارث ہو۔ اور اے میرے رب اُسے پسندیدہ بنا)۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے اس قول اپنے دھوکے میں ہو جواہے زکریا علیہ السلام کی حکایت کے طور پر فرمایا کہ انھوں نے کہا تھا کہ "انی خفت الموالی من ورائی" (اور مجھے اپنے بعد اپنے اہل وعیال کا اندیشہ ہے)۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ اس گمان کا بطلان یہ ہے کہ حضرت زکریاؑ کو ایسا بیٹا ہی نہیں دیا تھا جس کے پس ماندہ ہوتے اور ان کی میراث کا سلسلہ جاری ہوتا۔ بلکہ انھیں ایسا بیٹا دیا تھا جو حصور (تارک لذات) تھا کہ عورتوں کے قریب نہ جاتا تھا اللہ تعالے نے فرمایا ہے "وسیدا وحصورا ونبیا من الصالحین" (وہ سردار اور حضور یعنی تارکِ لذات اور نبی اور نہایت نیک ہوں گے) لہذا بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے محض ایسے بیٹے کی دعا کی تھی جو نبی ہو نہ کہ ایسے بیٹے کی جو مال کا وارث ہو۔

حضرت عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری میراث کے احاطہ کرنے والے بھی نہ تھے۔ میراث ہوتی بھی تو ان کے لیے کل متروکہ میں سے صرف تین ثمن ہوتے (یعنی کل متروکہ میں سے نصف یعنی چار ثمن تو صاحبزادی کے ہوتے، بقیہ نصف یعنی چار ثمن میں سے ایک ثمن یعنی آٹھواں حصہ ازواج مطہرات کا ہوتا اور بقیہ تین ثمن یعنے چھ آنے حضرت عباسؓ کے ہوتے)

مرتبے کی میراث، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو عباسؓ رضی اللہ عنہ زندہ موجود تھے مگر انھوں نے نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد کبھی بھی اس میں اپنے کسی حق کا مطالبہ نہیں کیا۔ جب شوریٰ قائم ہوا ہے تو اس میں بھی انہوں نے ذکر نہیں کیا اور خود انھوں نے اور نہ کسی اور نے شوریٰ میں ان کے ذکر نہ کرنے کو برا بھی نہیں جانا، لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ رائے فاسد و نوایجاد ہے۔ جس میں توجہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور ان کی اولاد میں سے خلفاء اور وہ غیر خلفاء جو بزرگ و فاضل تھے وہ اس دعوے کو اس کے کہنہ و غیر معتبر ہونے کی وجہ سے اپنے لئے مناسب نہیں سمجھتے تھے اور خود کو اس سے بالاتر سمجھتے تھے، وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

وہ لوگ جو اس کے قائل ہیں کہ امامت صرف اولاد علیؓ ہی میں ہو سکتی ہے۔

وہ دو قسموں پر تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ آپ کے بعد علیؓ بن ابی طالب خلیفہ ہونگے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ علیؓ پر ظلم کرنے پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کے چھپانے پر متفق ہو گئے۔ یہ مسلمان لوگ روافض ہیں۔

ایک گروہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کے لئے تصریح نہیں فرمائی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ سب لوگوں سے افضل اور حکومت کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ یہ لوگ زیدیہ ہیں جو زید بن علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب کی طرف منسوب ہیں۔

زیدیہ کے چند فرقے ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ صحابہ نے علیؓ پر ظلم کیا اور جن صحابہ نے علیؓ کی مخالفت کی وہ کافر ہو گئے۔ یہ لوگ جارودیہ ہیں۔

دوسرے گروہ نے کہا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے علیؓ پر ظلم نہیں کیا۔ علیؓ نے خوشدلی سے اپنا حق ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سپرد کر دیا۔ اصل میں وہی امام برحق تھے۔ ان میں بعض نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں توقف کیا ہے۔ اور بعض ان سے محبت کرتے ہیں۔ ایک گروہ نے بیان کیا ہے کہ یہ فقیہ حسن بن صالح بن حی الہمدانی کا مذہب ہے۔

یہ غلط ہے۔ میں نے ہشام بن حکم رافضی کوفی کی ایک کتاب میں جس کا نام میزان تھا دیکھا ہے۔ اس نے حسن بن حی کا ذکر کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ ان کا مذہب یہی تھا کہ امامت فہر بن مالک کی تمام اولاد میں ہے۔

یہی وہ امر ہے جس کے سوا حسن بن حی کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بھی ایک امام دین تھے۔ ہشام بن الحکم ان سے بہ نسبت اس کے زیادہ واقف ہے جس نے ان کی طرف اس کے سوا دوسرے قول کو منسوب کیا ہے۔ اس لئے کہ ہشام کوفے میں ان کا ہمسایہ تھا اور سب سے زیادہ ان سے واقف تھا۔ اس نے ان کا زمانہ پایا تھا اور ان کا مشاہدہ کیا تھا۔

حسن بن حی، معاویہ اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے استدلال کیا کرتے تھے اور یہ بات ان کی کتابوں میں اور ان کی ان تمام روایات میں مشہور ہے جو اُن سے کی گئی ہیں۔

زیدیہ اس امر میں اختلاف نہیں کرتے کہ امامت تمام اولادِ علیؓ بن ابی طالب میں ہے۔ ان میں سے جو شخص کتاب وسنت کی دعوت کے لئے نکلے اس کے ہمراہ تلوار سونتنا واجب ہے۔

روافض نے کہا ہے کہ علیؓ کے لئے نص ہونے کی وجہ سے امامت صرف انھیں کے لئے ہے، ان کے بعد حسنؓ کے لئے اُن کے بعد حسینؓ ہیں ان دونوں کے لیے روافض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور نص کا دعوی کیا ہے۔ حسینؓ کے بعد علی بن حسینؓ کے لئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "و اولو الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب اللہ" (اور اللہ کی کتاب میں بعض رشتہ دار بعض سے اولی و مقدم ہوتے ہیں)۔ لہذا حسینؓ کی اولاد حسینؓ کے بھائی سے زیادہ مستحق ہوئی۔ اُن کے بعد محمد بن علیؓ بن الحسینؓ ان کے بعد جعفر بن محمد بن علیؓ بن حسینؓ ہیں۔ ان کے تمام متکلمین کا یہ مذہب ہے۔ جیسے ہشام بن الحکم وہشام الجوالیقی و داؤد الحواری و داؤد الرقی و علی بن منصور و علی بن ہیثم و ابو علی السکاک شاگرد ہشام بن الحکم و محمد بن جعفر بن النعمان جو شیطان الطاق کہا جاتا تھا۔ اور ابو ملک الحضرمی وغیرہم۔ اس کے بعد مذکورہ بالا متکلمین اور جعفر بن محمد کے مرنے کے بعد روافض میں اختلاف ہوگیا۔ ایک گروہ اسماعیل بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا اور ایک گروہ محمد بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا۔ یہ بہت کم لوگ ہیں (جو محمد بن جعفر کی امامت کے قائل ہیں) ایک گروہ نے کہا کہ جعفر زندہ ہیں۔ مرے نہیں۔ جمہور و اکثر روافض ان کے بیٹے موسیٰ بن جعفر کی امامت کے قائل ہیں۔ اُن کے بعد علی بن موسیٰ کے اُن کے بعد محمد بن علی بن موسیٰ کے ان کے بعد علی بن محمد بن علی بن موسیٰ کے۔ ان کے بعد حسن بن علیؓ کے،

حسنؓ بغیر کوئی پس ماندہ چھوڑے مر گئے تو روافض کے چند فرقے ہو گئے اور
ان کے جمہور و اکثر اس پر قائم ہیں کہ حسن بن علیؓ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا
مگر انھوں نے اسے پوشیدہ رکھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسنؓ کی وفات کے بعد
اُن کے یہاں ان کی ایک کنیز سے جس کا نام صقیل تھا ایک لڑکا پیدا ہوا۔
اور یہ بہت مشہور ہے۔ بعض روافض نے کہا کہ صقیل سے نہیں بلکہ اُن کی
ایک اور کنیز سے پیدا ہوا جس کا نام سوسن تھا۔ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ
اُس کا نام صقیل تھا۔ اس لئے کہ اسی صقیل نے اپنے آقا حسن بن علیؓ
کی وفات کے بعد حمل کا دعویٰ کیا تھا۔ اسی وجہ سے سات برس تک حسنؓ
کی میراث کو روکا گیا۔ اس معاملے میں اس کنیز سے حسنؓ کے بھائی جعفر بن علیؓ
نے جھگڑا کیا تھا۔ اور ارباب دولت کی ایک جماعت اس کنیز کی مددگار
تھی اور دوسرے لوگ جعفر کے مددگار تھے۔ اس کے بعد وہ حمل پچک
گیا اور جھوٹا ہو گیا اور حسنؓ کے بھائی جعفر نے میراث لے لی۔ ان حسن کی
وفات ۲۶۰ھ میں ہوئی۔ روافض کا فتنہ صقیل کی وجہ سے اور بڑھ گیا۔
روافض صقیل کو یہاں تک چھوڑے رہے کہ اس کے آقا کی وفات کے
انتیس ۲۹ برس بعد اسے خلیفہ معتضد نے قید کر دیا۔ معتضد کو اُس کے متعلق
یہ غیرت دلائی گئی تھی کہ وہ حسن بن جعفر النوبختی کاتب کے مکان میں ہے۔ ۸۷
چنانچہ وہ اس مکان میں پائی گئی۔ اُسے قصر معتضد میں لایا گیا۔ وہ وہیں
رہی۔ یہاں تک کہ خلیفہ مقتدر کے زمانے میں اسی قصر میں مر گئی۔ روافض
ایک سو اسی برس سے آج تک ایک کھوئی ہوئی چیز کے منتظر ہیں۔

ایک اور قدیم گروہ تھا جو ہلاک ہو گیا جن کے رئیس مختار بن ابی عبید
و ابو عمرہ کیسان وغیرہم تھے۔ ان کا مذہب یہ تھا کہ حسینؓ کے بعد اُن کے
بھائی محمد ابن الحنفیہ تھے اور سید الحمیری و کثیر شاعر اسی گروہ سے
تھے۔ یہ لوگ اس کے قائل تھے کہ محمد ابن الحنفیہ کوہ رضوی میں زندہ
ہیں۔ ان کی اس قدر بدحواسی ہے کہ جس سے دفتر بھی تنگ ہیں۔

ان تمام فرقوں نے استدلال میں جس چیز پر اعتماد کیا ہے وہ

بنائی ہوئی اور جھوٹی احادیث ہیں کہ ان جیسی احادیث کے پیدا کرنے سے کوئی بیدین و بیحیا عاجز نہیں ہے۔

ہم اپنی روایات سے اُن کے مقابلے میں استدلال کریں تو اس کے کوئی معنیٰ نہ ہوں گے کیونکہ وہ ہماری تصدیق نہیں کرتے۔ ان کا ہمارے خلاف اپنی روایات سے استدلال کرنا، اس کے بھی کوئی معنی نہیں کیونکہ ہم ان روایات کی تصدیق نہیں کرتے۔ صرف یہی ضروری ہے کہ باہم مقابلہ کرنے والے ایک دوسرے کے مقابلے میں ایسی دلیل سے استدلال کریں جس کی وہ شخص تصدیق کرتا ہو جس پر حجت قائم کی جاتی ہے، خواہ یہ استدلال کرنے والا اس کی تصدیق کرے یا نہ کرے۔ اس لئے کہ جو شخص کسی شئے کی تصدیق کرے گا اسے اس کا قائل ہونا پڑے گا۔ یا یہ کیا جائے کہ ایسی دلیل سے استدلال کیا جائے جو علم بدیہی کو واجب کر دیتی ہو، اس وقت ہمارا مقابل اگر اپنی ہی بات پر قائم رہا تو مشاہدے کا مخالف اور لاجواب ہو جائے گا۔ مگر بعض امور جن سے یہ لوگ فریب دہی کرتے ہیں صحیح احادیث بھی ہیں جن کی صحت پر ہم بھی اُن سے اتفاق کرتے ہیں منجملہ ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علی رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا ہے کہ "انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی" (تمھارا مجھ سے وہی تعلق ہے جو ہارون کا موسیٰ سے تھا۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)۔

یہ حدیث دوسرے صحابہ پر حضرت علیؓ کی فضیلت کو ثابت نہیں کرتی اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُن کے استحقاق خلافت و امامت کو۔ اس لئے کہ حضرت ہارون نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت نہیں پائی۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون صاحب حکومت ہوئے جو موسیٰ علیہ السلام کے خادم اور وہ ساتھی تھے کہ حضرت خضرؑ کی تلاش میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سفر کیا تھا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے وہ یارِ غار

صاحبِ حکومت ہوئے جنھوں نے آپ کے ہمراہ مدینے تک سفر کیا تھا۔ جب کہ علی رضی اللہ عنہ حضرتِ ہارون علیہ السلام کی طرح نبی نہ تھے اور نہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل پر خلیفہ ہوئے تو ثابت ہوگیا کہ حضرت علیؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس منزلت میں ہونا جس میں ہارون موسیٰ علیہما السلام کے ساتھ تھے یہ صرف قرابت و رشتہ داری میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات اس وقت فرمائے تھے جب آپ نے غزوۂ تبوک کے وقت انھیں مدینے پر اپنا خلیفہ و جانشین بنایا تھا۔ منافقین نے کہا کہ آپ نے انھیں حقیر سمجھا اس لئے چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور آپ سے اس کی شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ان سے یہ فرمایا کہ "انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ" جس سے مراد یہ تھی کہ آپ نے محض نائب بنانے ہی کے ارادے سے انھیں مدینے پر قائم مقام بنایا جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنانے ہی کے ارادے سے خلیفہ بنایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفروں کے وقت تبوک سے پہلے بھی اور بعد بھی مدینے پر علی رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے اشخاص کو نائب بنایا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ اس سے علیؓ کی دوسروں پر کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور نہ آپ کے بعد آپ کی خلافت کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ علیؓ کے سوا دوسرے جانشینوں کے لئے اس سے کوئی فضیلت و خلافت ثابت نہیں ہوتی۔

سب سے عمدہ دلیل جس سے امامیہ نے استدلال کیا ہے یہ ہے کہ ایک امام معصوم کا ہونا ضروری ہے (یعنی معصوم وہ ہے جو ہر صغیرہ و کبیرہ بلکہ ان کے یہاں خطا و نسیان سے بھی بری ہو) جس کے پاس شریعت کا پورا علم ہو کہ احکام دین میں لوگ اس کی طرف رجوع کریں کہ جن احکام میں وہ اس کی اطاعت کریں وہ یقینی رہوں۔

یہ وہ امر ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ ہستی اپنی واضح براہین وعلامات معجزہ ونشانات روشن کی وجہ سے معروف ومشہور ہے۔ وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اللہ کے رسول ہو کر ہماری طرف آئے ہیں اور آپ کا وہ دین جس کا آپ نے ہمیں پابند بنایا ہے نہایت واضح ہے۔ آپ کا کلام، آپ کے عہود اللہ تعالےٰ کا وہ کلام جو آپ نے پہنچایا، حجتِ نافذہ ہے اور ہر آفت سے معصوم ومحفوظ ہے جو ان تمام جن وانس کے لئے ہے کہ آپ کے پاس حاضر تھے اور ان کے لئے بھی ہے جو آپ کی بارگاہ سے غائب تھے مگر آپ کی حیات میں تھے۔ اور ان کے لئے بھی ہے جو آپ کی وفات کے بعد قیامت تک آتے رہیں گے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء" (اسی کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا۔ اور اس کے سوا دوستوں کی پیروی نہ کرو) یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کے اتباع کا ابطال ہے۔ ہمیں امامت کے مقرر کرنے کی ضرورت محض اس لئے ہے کہ امام اللہ تعالیٰ کے اُن احکام کو جو ہماری طرف وارد ہوئے ہیں ان لوگوں پر نافذ کرے جو لوگ اُس کے مُعاند ومخالف ہیں۔ نہ اس لئے ہے کہ لوگ اُس دین کی معرفت میں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ کام کریں جس کو وہ نہیں چاہتے۔ ہم یہ امر پاتے ہیں کہ جب علی رضی اللہ عنہ کو (جنگ صفین میں) قرآن کو حَکم بنانے کی دعوت دی گئی ہے تو انھوں نے قبول کر لی کہ قرآن کو حَکم بنانا صحیح وحق ہے۔ اگر علی رضؓ نے اچھا کیا تو یہی ہمارا قول ہے۔ اگر انھوں نے امر باطل کو قبول کر لیا تو یہ اُن کی صفت کے خلاف ہے (اللہ اُن سے راضی رہے) اگر امام کے ہوتے ہوئے اور اُس کے سامنے قرآن کا حَکم بنانا جائز نہ ہوتا تو اُس زمانے میں حضرت علیؓ ضرور یہ کہتے کہ تم لوگ قرآن کے حَکم بنانے کا مطالبہ کیسے کرتے ہو حالانکہ میں امام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مبلغ ہوں۔

اگر یہ کہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تو اب ایسے امام کی ضرورت ہے جو دین کی تبلیغ کرے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ باطل اور دعویٰ بلا برہان اور ایسا قول ہے جس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ چیز جس کے لوگ محتاج ہیں وہ صرف آپ کا بیان اور آپ کی تبلیغ ہے۔ اس میں سب برابر ہیں، خواہ وہ ہوں جو آپ کے حضور میں ہوں، خواہ وہ ہوں جو آپ سے غائب ہوں، اور خواہ وہ ہوں جو آپ کے بعد آئیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک کلام نہ فرمائیں خود آپ کے چہرۂ مبارک میں دین کی کسی چیز کا بیان نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی جو چیز مطلوب و مراد ہے وہ آپ کا ہمیشہ باقی رہنے والا کلام ہے جو اہل زمین کو پہنچایا گیا ہے

اگر ان کے کہنے کے مطابق امام موجود کی ہمیشہ حاجت ہوتی تو ان کا یہ قاعدہ اُس شخص سے ٹوٹ جائے گا کہ امام کے سامنے سے غائب ہو جو ملک کے اطراف میں ہو۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ تمام اہل زمین جو مشرق و مغرب میں ہوں، جو فقیر و ضعیف اور عورت اور مریض ہوں، جو اپنی ایسی معاش میں مشغول ہوں کہ اگر اُس سے غفلت کریں تو وہ ضائع ہو جائے، امام کا مشاہدہ کر سکیں۔ لامحالہ امام کی طرف سے تبلیغ ہی ہوگی، جو تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو وہ زیادہ لائق اتباع ہے بہ نسبت اُس تبلیغ کے اتباع کے جو آپ سے کمتر ہو۔ یہ وہ سوال ہے جس سے یہ لوگ کبھی عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔

خاص کر ان کے وہ تمام ائمہ جو علی و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے بعد ہوئے ہیں۔ کہ انھوں نے بجز اپنے سکونتی مکانات کے اور کہیں کبھی حکم نہیں دیا اور نہ کبھی انھوں نے ایک گاؤں یا اس سے بھی کم پر حکومت نہیں کی پھر ان لوگوں کی کیا حاجت ہے خاص کر ایک سو اسی برس سے تو یہ لوگ ایک ایسے کھوئے ہوئے امام کا دعویٰ کرتے ہیں جو عنقائے مغرب کی طرح پیدا نہیں ہوا۔ یہ لوگ فحش و بے شرمی و بہتان

اور جھوٹے دعوے کر رہے ہیں کہ اس قسم کے امور سے کوئی بھی عاجز نہیں۔

امام کا معصوم ہونا یا تو صرف ایسے معجزے سے معلوم ہو سکتا ہے جو اس سے ظاہر ہو' یا ایسی نص سے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے علماء نقل کریں کہ ہر امام پر اس کی ذات واسم ونسب کے متعلق ہو' ورنہ یہ بھی ایسا ہی دعویٰ ہے جس قسم کے دعوے سے کوئی بھی خود اپنے لئے یا اس کے لئے جسے وہ چاہے عاجز نہیں۔ ہر صاحب عقل سلیم کو یہ لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس جہل سے جو فاسد' بیہودہ' اور سست ہے' اور جس سے بچوں کی عقلیں بھی بلند ہیں' بچائے ہماری توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

ایک اور برہان بدیہی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سوائے ان کے جو اطراف وجوانب میں تھے' لوگوں کو دین کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی حضرت علیؓ کی طرف کسی ایسے کلمے سے اشارہ نہ کیا جس میں یہ ذکر کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کی امامت کے متعلق تصریح فرمائی ہے اور نہ حضرت علیؓ ہی نے اس کا کبھی دعویٰ کیا۔ نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد۔ نہ کسی اور نے ان کے لئے اس کا دعویٰ کیا' نہ اس وقت نہ اس کے بعد۔ یہ محال اور ممتنع اور قطعاً غیر ممکن اور ناجائز ہے کہ ایسے بیس ہزار سے زائد انسان جن کے مقاصد بھی جداگانہ ہوں' نیتیں بھی الگ الگ ہوں' نسب وخاندان بھی مختلف ہوں' اور ان میں اکثر ایسے ہوں جنھیں زمانۂ جاہلیت کے اپنے ساتھی کے خون کا انتقام نہ ملا ہو۔ یہ لوگ کسی ایسے عہد کے ترک کرنے پر اتفاق کریں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لیا ہو۔

اس نص کے متعلق جس کا دعویٰ کیا گیا ہے ہم نے کسی سے بھی کوئی روایت نہیں پائی بجز ایک واہی روایت کے جو چند مجہول لوگوں سے شروع ہو کر ایک مجہول شخص ابو حمراء پر ختم ہو گئی ہے' اس کو کوئی بھی نہیں پہنچا نتا کہ

یہ شخص مخلوق میں کون ہے۔ ہم نے علی رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت پائی کہ انھوں نے حضرت صدیق رضؓ کی بیعت سے چند مہینے تاخیر کی مگر ابو بکرؓ نے انھیں اپنی بیعت پر مجبور نہیں کیا یہاں تک کہ انھوں نے رجوع کر کے خوشی خوشی بغیر جبر و اکراہ کے ان کی بیعت کی۔ پھر ان کمینوں کے نزدیک علی رضی اللہ عنہ کے لیے کیونکر حلال ہو گیا کہ وہ بخوشی و رغبت ایسے شخص کی بیعت کر لیں جو یا تو کافر ہے یا فاسق، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کی نافرمانی کرنے والا ہے۔ کیسے حلال ہو گیا کہ وہ ایسے شخص کی اس کے کام میں مدد کریں، مجالس میں اس کے ساتھ بیٹھیں اور اس کی وفات تک اس سے دوستی رکھیں۔ اس کے بعد عمرؓ بن الخطاب سے از خود سبقت کر کے بغیر ایک ساعت یا اس سے بھی کم کے تردد کے بغیر کسی جبر و اکراہ کے بخوشی و رغبت بیعت کر لیں۔ ان کی صحبت میں رہیں، ان کے کام میں ان کی مدد کریں، اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کر دیں، اس کے بعد چھ اشخاص کے شوریٰ میں اپنا داخل کرنا قبول کر لیں۔ ان جہلاء کے نزدیک علیؓ کے لیے یہ کیونکر حلال ہو گیا کہ وہ گمراہ شوریٰ اور کفر میں اپنے آپ کو شریک کر کے امت کو اس طرح کا دھوکا دیں۔ اسی امر نے ابو کامل کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تکفیر تک پہنچا دیا۔ اس لیے کہ اس کے گمان میں علیؓ نے کفار کی ان کے کفر میں اعانت کی، دین کے چھپانے میں ان کی تائید کی، اور اس چیز کے پوشیدہ کرنے میں ان کی مدد کی جس کے بغیر دین کمل نہیں ہوتا۔

یہ ناممکن ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ گمان کیا جائے کہ وہ اپنے متعلق نص کے بیان کرنے سے موت کے خوف سے باز رہے۔ حالانکہ وہ شجاعت کے اعتبار سے شیر تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بارہا اپنے آپ کو موت کے لئے پیش کیا تھا۔ جنگ جمل و صفین میں موت کا مقابلہ کیا تھا۔

وہ کونسی چیز تھی جس نے انھیں ان دونوں حالتوں میں (یعنی حضرت صدیقؓ و فاروقؓ کی خلافت میں) بزدل بنا دیا تھا،

وہ کیا چیز تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک لوگوں کی عقلوں کو علیؓ کے حق کے چھپانے پر اور اُس شخص کے روکنے پر جو اُس کا سب سے زیادہ مستحق تھا متفق رکھا۔

وہ کونسی چیز تھی جس نے ان لوگوں کی عقلوں سے پردہ اُٹھا کر ان کو علیؓ کا مددگار بنا دیا جب علیؓ نے انھیں خود اپنی بیعت کی دعوت دی۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کے بڑے بڑے گروہ اٹھ کھڑے ہوئے، ان کے پیچھے اپنی جانیں نثار کر دیں، اُس شخص کے مقابلے میں جس نے اُن سے جھگڑا کیا تھا اُس وقت انھوں نے علیؓ کو صاحب حکومت اور حق کے قریب تر سمجھا۔

وہ کونسی چیز تھی جس نے علیؓ کو اور ان مسلمان کو اُس نص کے ظاہر کرنے اور کلام کرنے سے روکا جس کا یہ کذاب لوگ دعویٰ کرتے ہیں۔ اُس وقت جب عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور لوگ تین روز تک بغیر کسی رئیس کے رہے۔ یا یوم سقیفہ میں۔

زیادہ ستم ظریفی یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ چھ مہینے تک ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے رُکے رہتے ہیں، اُن سے نہ اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے، نہ انھیں اُس پر مجبور کیا جاتا ہے نہ تکلیف دی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ انھیں لوگوں میں رہ کر اپنے معاملات میں مشغول رہتے ہیں۔ اگر علیؓ کی رائے میں حق اس میں نہ ہوتا، انھوں نے اپنے معاملے کو سمجھ نہ لیا ہوتا اور انھیں بیعت کرنے سے اپنے حصۂ دین کی طلب اور حق کی طرف رجوع مقصود نہ ہوتا تو وہ ہرگز بیعت نہ کرتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے چھ مہینے کے بعد باطل کی طرف رجوع کرنے کو مناسب سمجھا تو درحقیقت خود یہی خیال باطل ہے نہ کہ علی رضی اللہ عنہ کا فعل۔ اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ رضی اللہ عنہم کے احکام میں سے کسی حکم کو نہیں بدلا اور نہ ان کے عہود میں سے

کسی عہد کو باطل کیا۔ اگر یہ اُن کے نزدیک باطل ہوتا تو اس کی گنجائش ۸۱
نہ ہوتی کہ وہ باطل کو جاری رکھیں اور اس کو نافذ رہنے دیں حالانکہ اُن سے
(بوجہ اپنی خلافت کے) تقیہ بھی اُٹھ چکا تھا۔

انصار رضی اللہ عنہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کیا تھا انھوں نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی دعوت دی تھی، مہاجرین رضی اللہ عنہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی دعوت دی تھی۔ علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھے رہے، نہ اِدھر گئے نہ اُدھر گئے۔ ان کے ہمراہ سوائے زبیر بن عوام کے کوئی نہ تھا۔ زبیر رضی اللہ عنہ پر حق واضح ہو گیا تو انھوں نے فوراً بیعت کر لی۔ علیؓ اس طرح تنہا رہ گئے کہ نہ تو ان کی نگرانی کی جاتی تھی، نہ انھیں لوگوں کی ملاقات سے روکا جاتا تھا اور نہ کسی کو اُن کی ملاقات سے روکا جاتا تھا۔

تمام انصار کا ابو بکرؓ کی بیعت کی طرف رجوع کرنا ان امور سے خالی نہیں کہ یا تو یہ غلبے کی وجہ سے ہو۔ یا اُن کے نزدیک ابو بکرؓ کا حق ظاہر ہو گیا ہو۔ اور اس نے انھیں ابو بکرؓ کی بیعت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہو یا انھوں نے اس کو محض بے معنی دل لگی کے طور پر کیا ہو۔ کوئی چوتھی قسم کسی طور پر بھی نہیں ہو سکتی۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ انصار نے غلبے کی وجہ سے ابو بکرؓ کی بیعت کر لی، تو یہ جھوٹے ہیں اس لئے کہ وہاں نہ جنگ تھی نہ اُن کی مار پیٹ، نہ گالی گلوچ، نہ کوئی دھمکی۔ نہ اتنا طویل وقت تھا جو دھمکی کے لئے کافی ہوتا اور نہ کوئی ہتھیار لیا گیا تھا۔ محال ہے کہ دو ہزار سے زائد سواروں کو ترک کر دیا جائے جو نہایت دلیر اور بڑے بہادر اور سب کے سب ایک ہی قبیلے کے ہوں جن کی شجاعت ایسی ظاہر ہو چکی ہو جس کے بعد کوئی شکست پیش نہ کی گئی ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ مسلسل آٹھ برس تک اپنے وطن کے اطراف میں تمام عرب سے جنگ کرتے رہے موت پر آمادہ رہے، ساتھ ہی قیصر و روم سے اور بصریٰ میں اہل فارس سے

بھی غذا کے ساتھ اور بغیر غذا کے جنگ کی چھیڑ چھاڑ کرتے رہے جس کو مخاطب کرتے اُس کو اتباع اسلام کی دعوت دیتے کہ وہ بھی انھیں کے ایسا ہو جائے۔

یہ انصار کی وہ صفت تھی جس کا سوائے اس احمق بے حیا کے کوئی انکار نہ کرے گا جو علانیہ کذب اختیار کرنے والا ہو۔ لہذا یہ محال وممتنع ہے کہ انصار ابو بکرؓ اور صرف اُن دو شخصوں سے ڈر گئے ہوں جو ابو بکرؓ کے ہمراہ تھے۔ ابو بکرؓ کی مدد پر نہ تو کوئی بڑا خاندان تھا، نہ احباب، نہ کنبے والے، نہ مال، کہ انصار نے ابو بکرؓ کی طرف رجوع کیا، حالانکہ اُن کے نزدیک وہ ایک باطل کا ارتکاب کر رہے ہوں اور انھوں نے بلا تردد بغیر تطویل کے اُن سے بیعت کر لی ہو۔

یہ بھی باطل ہے کہ انصار بغیر حق ظاہر ہوئے اپنے قول سے رجوع کریں اور اس سے رجوع کریں جو انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ حق تو انھیں لوگوں کا ہے اور وہ اپنے چچازاد بھائی کی بیعت سے بخوشی بلا کسی خوف کے باز آجائیں، محال ہے کہ اتنی بڑی تعداد کے خیالات ایسی چیز پر متفق ہو جائیں جس کو وہ باطل سمجھتے ہوں حالانکہ نہ تو کوئی ایسا خوف ہو جو انھیں اس پر مجبور کرے اور نہ کوئی جاہ ومال کا طمع ہو جو انھیں فوراً ملنے والا ہے۔

انصار جدھر جا رہے تھے اس میں دنیا وعزت وریاست کا ترک تھا اور یہ چیزیں ایک ایسے شخص کے حوالے کرنا پڑتی تھیں جس کا نہ تو کوئی قبیلہ تھا، نہ حفاظت، نہ چوبدار، نہ اس کے دروازے پر کوئی دربان، نہ کوئی قصر نہ احباب، نہ مال، اس وقت علیؓ کہاں تھے حالانکہ وہ ایسے شخص تھے کہ شجاعت میں کوئی ان کا نظیر نہ تھا، ان کے ساتھ بنی ہاشم وبنی المطلب کی جماعت بھی تھی کہ اس بوڑھے کو جو اُن کے نزدیک ظالم ہوتا اور جس کا کوئی بچانے والا اور اس کی طرف سے علیؓ کا روکنے والا اور ملامت کرنے والا بھی نہ تھا، ضرور قتل کر سکتے تھے۔

واللہ علی رضی اللہ عنہ نے جان لیا تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور

ان کا مخالف باطل پر۔ لغزش کے بعد انھوں نے حق کو مان لیا اسی طرح انصار رضی اللہ عنہم نے بھی کیا۔

ان مدعیوں کے سب دعوے جب باطل نکلے تو اب یہی ایک صورت رہ گئی کہ علیؓ وانصار رضی اللہ عنہم نے محض اس لیے بیعت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا کہ ان سب کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایک حقیقی برہان سے ثابت ہو گیا تھا۔ اس لئے نہیں کہ یہ ان لوگوں کے اجتہاد کا سا اجتہاد تھا۔ یا اُن لوگوں کے گمانوں کا سا گمان تھا۔ یہ تو باطل ہو چکا تھا کہ حکومت وخلافت انصار میں ہو، اور اُن سے ریاست زائل ہو چکی تھی، تو پھر وہ کونسی چیز تھی جس نے شروع سے آخر تک تمام انصار کو اس پر آمادہ کر دیا کہ وہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نص کی نافرمانی پر متفق ہو جائیں جو علیؓ کی امامت کے متعلق تھی۔

یہ محال ہے کہ تمام انصار کی رائیں اُس شخص کی اعانت پر متفق ہو جائیں جس نے اُن پر ظلم کیا ہو اور اُن کے حق کو غصب کیا ہو۔ سوائے اُس کے کہ روافض یہ دعویٰ کریں کہ اتفاق سے وہ سب لوگ اس عہد کو بھول گئے تھے تو یہ ایک اعجوبہ ومحال وغیر ممکن ہے۔ اگر یہ ممکن ہو تو پھر ہر شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ جو کچھ چاہتا ہے اس کے بارے میں اسی قسم کے محال کا دعویٰ کرے کہ ایسا ہوا ہے اور سب لوگ اس کو بھول گئے ہیں۔ اس صورت میں تمام حقائق کا ابطال لازم آئے گا۔

اگر تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نص کے نہ ماننے اور چھپانے پر اتفاق کر لیا تھا اور ان سب کی طبیعتیں اس کے بھول جانے پر متفق ہو گئی تھیں تو پھر روافض کو اس کا حال کہاں سے معلوم ہوا اور کس نے اس واقعے کو اُن تک پہنچایا۔ یہ سب محض نفس پرستی اور محال ہے۔ لہذا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نص کا دعویٰ تو یقیناً اس طرح باطل ہو گیا کہ اس میں کوئی اشکال نہیں رہا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اصحاب کے اقارب کو قتل کیا تھا
اس لئے صحابہؓ کی ایک جماعت کے دلوں میں اس کی وجہ سے کینہ پیدا ہوگیا تھا
اور اسی لیے وہ علیؓ سے منحرف ہو گئے تھے۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ یہ بہت
کمزور اور جھوٹی طمع کاری ہے۔ اس لئے کہ اگر تمھارے لئے اس کی گنجائش ہے تو
بنی عبد شمس و بنی مخزوم و بنی عبد الدار و بنی عامر میں ہے کہ ان قبائل میں
سے ہر قبیلے کے ایک یا چند اشخاص کو انھوں نے قتل کیا ہے۔ بنی عامر
بن لوئی میں سے صرف ایک شخص کو قتل کیا اور وہ عمرو بن ود تھا۔ بنی مخزوم
و بنی عبد الدار کے چند آدمی قتل کیے۔ اور بلا شک بنی عبد شمس میں سے
ولید بن عقبہ و عاص ابن سہل کو اور عتبہ بن ربیعہ کے قتل میں شریک
رہے۔ کہا جاتا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے قتل کیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ
اسے کسی اور نے قتل کیا اور وہ عاصم بن ثابت الانصاری تھے۔ اور
اس سے زیادہ نہیں کیا۔ جسے تاریخ کا ذرا سا بھی علم ہے وہ جانتا ہے کہ
یوم السقیفہ میں ان قبائل کے کسی شخص کو بھی نہ حل تھا نہ عقد، نہ رائے تھی
نہ امر تھا یا اللہ۔ مگر اس وقت میں بھی ابو سفیان بن حرب بن امیہ محض
قرابت کے تعصب سے نہ کہ تدین سے علیؓ ہی کی طرف مائل تھے اور ان
کے بیٹے یزید اور خالد بن سعید بن العاص و حارث بن ہشام بن المغیرۃ المخزومی
تدین سے انصار کی طرف مائل تھے حالانکہ انصار نے حارث بن ہشام کے
حقیقی بھائی ابو جہل کو قتل کیا تھا۔ اور محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ
(جن کے دادا عتبہ بن ربیعہ کے قتل میں حضرت علیؓ شریک تھے) حضرت عثمانؓ
کے قصے کے وقت اور اس کے بعد بھی حضرت علیؓ کی طرف بے حد میلان
رکھتے تھے یہاں تک کہ اسی پر معاویہؓ نے انھیں قتل کر دیا۔ تو ہمیں بتاؤ
کہ علیؓ نے بنی تیم بن مرہ میں سے کسے قتل کیا یا بنی عدی بن کعب میں سے
کسے قتل کیا (یہی لوگ یوم السقیفہ میں حضرت صدیقؓ کی خلافت کے
مؤید تھے) کہ یہ بھی لوگ یہ گمان کر سکیں کہ ان دونوں (قبیلے والوں) کو
علیؓ سے کینہ تھا۔

ہمیں بتاؤ کہ علیؓ نے انصار میں سے کسے قتل کیا تھا یا کس کو زخمی کیا تھا یا کس کو اذیت پہنچائی تھی۔ کیا یہ انصار تمام مشاہد و مقامات جہاد میں علیؓ کے ہمراہ اس طرح نہ تھے کہ بعض تو علیؓ سے بڑھے ہوئے تھے اور بعض ان کے مساوی تھے اور بعض ان سے پیچھے تھے۔ پھر انصار کے دلوں میں علیؓ کے لئے کونسا کینہ تھا کہ ان سب نے علیؓ سے متعلق جو نص تھی اُس کے نہ ماننے پر اتفاق کر لیا، وہ سب اُن کے حق کے باطل کرنے، ان کے نام کا ذکر بالکل ترک کرنے، سعد بن عبادہ کے ان پر ترجیح دینے، سعد کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کو علیؓ پر ترجیح دینے، علیؓ کو چھوڑ کے فوراً ابوبکرؓ کی بیعت پر سبقت کرنے پر متفق ہو گئے۔ حالانکہ علیؓ انھیں کے ساتھ اور انھی میں رہتے تھے، وہ لوگ رات دن اُن کو دیکھا کرتے تھے علیؓ اور ان کے درمیان میں کوئی حائل بھی نہ تھا۔

بتاؤ کہ علیؓ نے عرب مہاجرین کی اولاد میں سے یعنی مضر و قضاعہ و مین ربیعہ میں سے کس کو قتل کیا تھا کہ اُن سب نے ان کی ولایت و حکومت کے ناپسند کرنے پر اتفاق و اجماع کر لیا اور ان کے متعلق جو نص تھی سب کے سب اُس کے خلاف پر متفق ہو گئے۔ یہ سب ایسے عجائب ہیں کہ عالم میں اس قسم کے عجائب کا اتفاق ناممکن ہے۔ طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص سے بھی مشرکین کا اتنا ہی قتل ہوا تھا جتنا علیؓ سے ہوا تھا وہ کونسی چیز تھی جس نے علیؓ کی طرف سے تو دلوں میں کینہ پیدا کر دیا اور ان لوگوں کی طرف سے نہیں۔

اسلام کی دعوت دینے کی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ ورحمۃ اللہ علیہ سے قریش کی اس قدر مخالفت تھی جو حضرت علیؓ سے ہرگز نہ تھی مگر اس مخالفت نے انھیں ابوبکرؓ کی بیعت سے نہ روکا حالانکہ کفار قریش میں سب سے برا اثر انھیں کا تھا۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے کفار قریش سے مقابلہ کرنے اور ان لوگوں کی امید کے خلاف حضرت عمرؓ کے اسلام کا اعلان کرنے کی وجہ سے ان سے اور کفار قریش سے جو مخالفت تھی وہ حضرت علیؓ سے ہرگز نہ تھی۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کونسی چیز تھی جو اس امر کی

موجب ہوئی کہ یہ لوگ ان کے گذشتہ واقعات کو تو فراموش کر دیں اور ان سب میں سے صرف علیؓ سے عداوت کریں۔ کاش روافض میں اتنی بے حیائی و بے شرمی نہ ہوتی کہ اس حالت نے انھیں یہاں تک پہنچا دیا کہ سعد بن ابی وقاص۔ ابن عمرؓ۔ اسامہ بن زید مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رافع بن خدیج الانصاری۔ محمد بن مسلمۃ الانصاری۔ زید بن ثابت الانصاری ابو ہریرہ۔ ابو الدرداء اور دوسرے مہاجرین پر جب علیؓ کے خلیفہ ہونے پر انھوں نے اُن سے بیعت نہیں کی، معاویہؓ سے بیعت کی، اور جس نے اُن کے بیٹے یزید کا زمانہ پایا یزید سے بیعت کی، تو روافض نے ان پر یہ حملہ کر دیا کہ انھیں کینوں نے ان حضرات کو اس پر آمادہ کیا۔

روافض کی حماقت اور ان کے جہل کی شدید تاریکی اور بے حیائی اور رسوائیوں سے بے پروائی، انھیں ہلاکت بربادی اور ذلت اور دوزخ میں گرانے والی ہے۔ اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ ان سب لوگوں سے اور علیؓ سے یا ان میں سے کسی ایک سے اور علیؓ سے وہ کونسی سخت کلامی ہوئی تھی۔ حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ یہ لوگ اور جو لوگ ان کے طریقے پر چلتے تھے فرقہ بندی کی حالت میں بیعت کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ پھر جب تمام مسلمان ایک چیز پر متفق ہو گئے خواہ وہ کچھ بھی تھی تو سب لوگ جماعت میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح اُن لوگوں نے بھی کیا جنھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مروان بن الحکم کا زمانہ پایا تھا۔ یہ لوگ ان دونوں سے الگ بیٹھے رہے۔ جب عبدالملک بن مروان تنہا خلیفہ ہو گئے تو ان لوگوں میں سے جس نے اُن کا زمانہ پایا۔ عبدالملک سے بیعت کر لی۔ لیکن نہ وہ عبدالملک سے راضی تھے، نہ ابن زبیرؓ سے عداوت تھی، اور نہ وہ عبدالملک کو ابن زبیر سے افضل سمجھتے تھے۔ وجہ یہی تھی جو ہم نے بیان کی۔ یہی حالت ان لوگوں کی علیؓ و معاویہؓ کے بارے میں بھی تھی۔ لہٰذا ان مجنونوں کا کمینہ پن ظاہر ہو گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

انھیں زید بن حارثہ نے غزوۂ بدر میں حنظلہ بن ابی سفیان کو قتل کیا، انھیں زبیر بن العوام نے غزوۂ بدر میں عبیدہ بن سعید بن العاص کو قتل کیا، انھیں عمرؓ بن الخطاب نے اُسی روز العاص بن ہشام بن المغیرہ کو قتل کیا۔ ان مقتولین کے اعزہ نے ان لوگوں سے کیوں نہ عداوت کی۔ وہ کونسا سبب تھا کہ ان مقتولین کے اعزہ نے ان حضرات کو چھوڑ کے عداوت کے لئے علیؓ ہی کو خاص کر لیا۔ کاش روافض میں جنون اور بے حیائی و بے غیرتی نہ ہوتی۔

جو کچھ روافض نے بیان کیا اگر یہ صحیح ہوتا تو پھر وہ کیا چیز تھی جس نے عمرؓ کو اس کی دعوت دی کہ انھوں نے شوریٰ میں جن لوگوں کو داخل کیا اُن کے ساتھ علیؓ کو بھی اُس میں داخل کریں۔ اگر وہ انھیں نکال دیتے جس طرح انھوں نے (باوجود عشرۂ مبشرہ میں ہونے کے) سعید بن زید کو نکال دیا، یا علیؓ کے سوا کسی اور کا قصد کرتے اور اُسے مقرر کر دیتے تو اس معاملے میں کوئی ایک کلمہ بھی ان پر اعتراض نہ کرتا۔

اس بیان سے بدیہی طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ قوم نے علیؓ کو ان کے مرتبے میں رکھا، نہ انھیں بڑھایا نہ گھٹایا (رضی اللہ عنہم اجمعین) بے شک انھوں نے مستحق تر کو پھر اُس کے بعد مستحق تر کو اور افضل کو پھر اُس کے بعد افضل کو مقدم کیا، انھوں نے علیؓ کو صحابہ میں سے جو ان کے برابر والے اور نظیر تھے ان کے مساوی رکھا۔

روافض کی دروغ بیانیوں کے باطل کرنے میں سب سے کھلی ہوئی دلیل اور سب سے زیادہ واضح بیان یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد جب علیؓ نے اپنی طرف بلایا ہے تو مہاجرین و انصار کے چند گروہوں نے ان کی بیعت کی طرف سبقت کی کیا کسی شخص نے یہ بیان کیا کہ ان میں سے کسی نے بھی اپنی گذشتہ بیعتِ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی اُن سے معذرت کی، یا کسی نے ان میں سے امامت علیؓ کی نص کی نافرمانی سے توبہ کی۔ یا کسی نے یہ کہا کہ مجھے وہ نص یاد آگئی جو اس شخص کے بارے میں تھی اور جسے میں بھول گیا تھا۔

بے شک بہت سی عقول سے یہ امر مخفی ہے جو ایسے بدنصیب گروہ کی عقول کے لیئے ظاہر و واضح ہے جس کو اللہ تعالےٰ ہدایت کرنا نہیں چاہتا۔

اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور وہ خلافت کو اُن چھ صحابہ کے شوریٰ میں چھوڑ گئے جن میں سے ایک شخص علیؓ بھی تھے۔ اُن تین دنوں میں نہ کوئی سلطان تھا جس کا خوف ہوتا، نہ کوئی رئیس تھا جس سے تقیہ کیا جاتا، نہ کسی سے کوئی اندیشہ تھا، اور نہ دباؤ ڈالنے کے لیئے کوئی لشکر مہیا کیا گیا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر علی رضی اللہ عنہ کا کوئی کھلا ہوا حق ہوتا جس میں وہ مخصوص ہوتے، خواہ وہ اُن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نص ہوتی یا کوئی ایسی فضیلت ہوتی جس سے وہ اپنے ساتھیوں سے فائق ہوتے اور جس کی وجہ سے وہ اُن سب سے ممتاز و منفرد ہوتے، تو کیا علیؓ پر واجب نہ تھا کہ وہ یہ کہتے کہ اے لوگو۔ میرے لیئے یہ ظلم کب تک۔ میرے حق کا یہ اخفا کب تک۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کی یہ نافرمانی کب تک۔ اور میری اس فضیلت سے انکار کب تک جو ان سب معاصرین سے فائق ہے۔ جب علیؓ نے یہ نہیں کیا تو یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ کیوں نہیں کیا۔ کیا بنی ہاشم میں ایک بھی دیندار نہ تھا جو یہی کلام بیان کرتا۔ کیا اُن کے چچا عباسؓ نہ تھے جن کی تعظیم و توقیر پر تمام عالم متفق تھا یہاں تک کہ خود حضرت عمرؓ نے نماز استسقاء کے موقع پر سب لوگوں کے سامنے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں انھیں وسیلہ بنایا تھا۔ کیا اُن کے لڑکوں میں بھی کوئی نہ تھا۔ کیا ان کے بھائی عقیلؓ نہ تھے، کیا اُن کے بھائی جعفرؓ کے بیٹوں میں سے بھی کوئی نہ تھا۔ جب بنی ہاشم میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو اللہ تعالےٰ سے ڈرتا اور ضمیر کشی و مداہنت کے سبب سے قول حق شروع کرتا تو کیا تمام اہل اسلام یعنی مہاجرین و انصار میں سے بھی کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا کہ اے گروہ مسلمین انگرائی جاتی رہی۔ یہ علیؓ ہیں نص کی وجہ سے جن کا حق واجب ہے ان کی فضیلت فائق و ظاہر ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں لہٰذا ان سے بیعت کرو۔ کیونکہ ان کا معاملہ واضح ہے۔

اول سے آخر تک تمام امت کا برقہ سے سرحد خراسان تک اور جزیرے سے انتہائے یمن تک جب کہ انھیں یہ خبر پہنچ جاتی سب کا اس شخص کے حق سے سکوت کرنے پر متفق ہو جانا اور ان سب کا اس کے ظلم پر اور اسے اس کے حق سے محروم کرنے پر متفق ہو جانا، درانحالیکہ وہاں کوئی ایسی چیز بھی نہ ہو جس سے لوگ اظہار حق سے ڈرتے ہوں، ایک عجیب امر محال و ممتنع ہے۔ حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے اس کے بعد علیؓ سے بیعت کی جب کہ اس حق کے وہی مستحق ہو گئے تھے۔ اور ان کے پیچھے اپنی جانیں کھپائیں، تو یہ لوگ اس حق کے ظاہر کرنے سے کہاں سو گئے تھے جس کے لئے یہ کمینے روافض بیدار ہوئے۔

عجب ہے کہ جب ان لوگوں کا علیؓ پر اس قدر غیظ و غصہ تھا اور علیؓ کے حق کے انکار پر ان سب میں ایسا اتفاق تھا تو انھوں نے علیؓ کے قتل سے کیونکر پرہیز کیا کہ علیؓ سے فرصت پا جاتے، یا کیسے انھوں نے علیؓ کی مدارات کی، ان کے ساتھ نیکی کی اور انھیں شوریٰ میں داخل کیا۔

ہشام بن الحکم نے کہا ہے کہ صحابہ کے ساتھ کیسے حسن ظن قائم کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے علیؓ کے متعلق نص کو نہ چھپایا ہو گا حالانکہ انھوں نے باہم جنگ کی اور بعض نے بعض کو قتل کر دیا۔ تو کیا اس بارے میں ان کے ساتھ حسن ظن قائم کیا جا سکتا ہے۔

اگر اس فاسق کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ تو اس کے خلاف سب سے بڑی حجت ہے تو اس بیہودہ بات پر اس کی زبان کبھی نہ چلتی۔ اس لئے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص تھے جب کہ مسلمانوں کے فرقے ہو گئے تو انھوں نے قتال کیا۔ لہٰذا ان میں سے باہم قتال کرنے والوں کے ساتھ جو حسن ظن یا سوئے ظن قائم کیا جا سکتا ہے تو وہ علیؓ پر بھی ان کے قتال پر عائد ہوتا ہے، علیؓ میں اور دوسرے تمام صحابہ میں اس معاملے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ اگر کوئی زبردستی کا نعرہ کرنے والا علیؓ کو مخصوص کرے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی

صحابہ میں سے کسی اور کو زبردستی کے فیصلے سے مخصوص کرے اور کوئی فرق نہیں۔

اُن حضرات رضی اللہ عنہم کا باہم قتال کرنا اس امر پر زبردست برہان ہے کہ اُن لوگوں نے جس کو باطل سمجھا اُس پر صبر نہیں کیا۔ ان میں سے ہر فریق نے اس پر قتال کیا جس کو انھوں نے حق سمجھا۔ جو ان کے نزدیک خلاف حق تھا اُس پر صبر کرنے کے مقابلے میں انھوں نے موت کو پسند کیا۔ ایک گروہ نے جو قتال کو حق نہ سمجھا وہ الگ بیٹھا رہا۔ اس سے اس پر دلالت ہوتی ہے کہ اگر ان سب کے پاس یا ان میں سے کسی ایک کے پاس علیؓ کے متعلق کوئی نص ہوتی تو وہ ایک شخص یا وہ سب لوگ ضرور اس کو ظاہر کرتے۔ جیسا کہ انھوں نے اس کا اظہار کیا۔ جس کو انھوں نے حق سمجھا اس کے پیچھے اپنی جانیں گنوا دیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ تم مانتے ہو کہ امام کا ہونا ضروری ہے۔ تو پھر کیسے امام کو پہچانا جائے۔ خاص کر تم اہل ظاہر بالخصوص نص قرآن یا نص حدیث صحیح کے سوا قبول نہیں کرتے۔ اسے ہم نے اصحاب قیاس ورائے سے بھی دریافت کیا ہے۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ وجوب امامت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص ہے اور اس پر بھی کہ ایک شب بھی بغیر بیعت کے رہنا جائز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نص حدیث سے ہم پر ایک ہی قرشی امام کی اطاعت فرض ہے جس سے امامت میں نزاع نہ کی جائے گی بشرطیکہ وہ کتاب اللہ کے مطابق ہماری رہنمائی کرے۔ لہذا انھیں نصوص سے اُس امام کی صفت پر نص ثابت ہو گئی جس کی اطاعت واجب ہے جیسا کہ احکام میں گواہوں کی صفت پر نص ثابت ہے اور اُن مساکین و فقرا پر نص ثابت ہے جن کے لئے زکوۃ واجب ہے۔ اور اُس کی صفت ثابت ہے جو نماز کی امامت کرے اور اُس کی صفت ثابت ہے جس سے عورتوں کا نکاح جائز ہے۔ اسی طرح بقیہ تمام شریعت پر نص ثابت ہے۔

ائمہ کے نام بیان کرنے کے ہم محتاج نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں اس کی تکلیف نہیں دی۔ ہر قرشی عاقل بالغ جو ایسے امام کی موت کے بعد جس نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا ہے آگے بڑھے اور اس سے ایک یا زائد بیعت کرلیں تو وہ امام ہے جس کی اطاعت واجب ہے جب تک کہ وہ اس کتاب الٰہی و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطابق حکومت و رہنمائی کرے جن کے اتباع کا قرآن نے حکم دیا ہے۔ اگر وہ کتاب و سنت سے ذرا سی بھی کجی اختیار کرے تو اسے اس سے روکا جائے گا اور اس پر حد (شرعی سزا) قائم کی جائے گی اور حق کو قائم کیا جائے گا اگر وہ سزا کی تکلیف بغیر اپنی معزولی کے نہ برداشت کرے تو اسے معزول کر دیا جائے گا اور لوگوں میں سے کسی دوسرے کو والی بنایا جائے گا۔

اگر کہیں کہ قرآن و حدیث کی تاویل اور معنی بیان کرنے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور بغیر کسی دوسری نص کے ان کی تاویل کی ممانعت کی گئی ہے، ہم کہیں گے کہ وہ تاویل جس پر کوئی برہان قائم نہ ہو تحریف ہے اور کلمات کا اپنے مقامات سے بدل دینا ہے۔ اسی قسم کی تاویل کی ممانعت میں نص آئی ہے، اختلاف کوئی حجت نہیں ہے۔ حجت صرف قرآن و احادیث کی نص میں ہے اور ان دونوں کے ان معانی میں ہے جو ان کے الفاظ کے مقتضا ہوں جس میں ہمیں خطاب کیا گیا ہے۔ شریعت نے اسی کو ہم پر لازم کیا ہے۔

ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ تمہارا اپنی اس امامت کے ثابت کرنے میں جس کے تم کہاں سے تمام فرقے مدعی ہیں سے استدلال صرف دو وجوہ ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ علیؓ پر ان کے نام کے ساتھ نص ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ شریعت کے واضح کرنے کے لئے اس کی شدید حاجت ہے۔ کیونکہ شریعت کا علم اسی کے پاس ہے نہ کہ کسی اور کے پاس۔ اس سے زائد تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

بتاؤ کہ محمد بن علیؓ بن حسینؓ اپنے بھائیوں زید و عمر و عبداللہ و علیؓ و حسنؓ

سے کس چیز کی بنا پر امامت کے زیادہ لائق ہو گئے۔

وہ لوگ اُن کے متعلق اُن کے والد کی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کا دعویٰ کریں کہ وہ باقر تھے (یعنی علوم کو گہرائی سے نکال لینے والے) تو یہ کوئی ان کا نیا کذب نہ ہوگا۔ اس دعوے میں "یہ کیسانیہ" سے بہتر نہ ہوں گے جو محمد ابن الحنفیہ کے حق میں نص آنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اگر یہ کہیں کہ وہ اپنے بھائیوں سے افضل تھے، تو یہ دعویٰ بھی بغیر کسی برہان کے ہے۔ انسان سے جو کچھ ظاہر ہو اُس سے اللہ کے یہاں اُس کی فضیلت کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔ کبھی انسان کا ظاہر اُس کے باطن کے خلاف ہوتا ہے۔

یہ بھی دریافت کیا جائے گا کہ موسیٰ بن جعفر کو اُن کے بھائی محمد یا اسحاق یا علیؓ کے مقابلے میں زیادہ مستحق امامت کس چیز نے بنایا؟ یہ اس کے جواب میں بھی بجز دعوے کے کوئی سبیل نہ بتائیں گے۔

پھر دریافت کیا جائے گا کہ علی بن موسیٰ کو اُن کے بھائیوں کے مقابلے میں امامت کے لئے کس چیز نے مخصوص کر دیا حالانکہ وہ سب سترہ بھائی تھے۔ جواب میں یہ لوگ بجز دعوے کے کچھ نہ بتائیں گے۔

پھر دریافت کیا جائے گا کہ محمد بن علیؓ بن موسیٰ کو کس چیز نے اُن کے بھائی علی بن علی سے زیادہ مستحق امامت بنا دیا۔ کس چیز نے علی بن محمد کو ان کے بھائی موسیٰ بن محمد سے زیادہ مستحق امامت بنایا۔ اور کس چیز نے
حسنؓ بن علیؓ بن محمد بن علیؓ بن موسیٰ کو ان کے بھائی جعفر بن علیؓ سے ۸۵
زیادہ مستحق امامت بنا دیا۔

کیا یہاں بجز ایسے جھوٹے دعوے کے جس کے کرنے والے کو حیاء نہیں ہوتی کچھ اور بھی ہے۔ اگر اس قسم کا دعویٰ کوئی مدعی حسنؓ بن حسنؓ، یا عبداللہ بن حسنؓ یا ان کے بھائی حسنؓ بن حسنؓ، یا ان کے بھتیجے علیؓ بن حسنؓ یا محمد بن عبداللہ جو مدینے میں تھے، یا اُن کے بھائی ابراہیم کے لئے کرے، یا عباس کی اولاد میں سے کسی کے لئے کرے، یا بنی امیہ میں سے، یا اور

لوگوں میں سے کسی کے لئے کرے تو بے شک حماقت میں وہ انھیں لوگوں کے مساوی ہوگا۔ اس قسم کی خرافات میں وہ مشغول نہ ہوگا جسے ذراسی بھی عقل ہوگی، یا اُسے دین ملا ہوگا اگرچہ قلیل ہی ہو، یا حیا وہی کا کوئی جزو ملا ہوگا۔ لہذا وجہ اول جو نص کے متعلق تھی یہ تو باطل ہوگئی۔

وجہ ثانی جو بیان شریعت کے لئے امامت کی حاجت کے متعلق ہے۔ تو اُن کے اکثر ائمہ سے اُن امور میں ہرگز کوئی بیان ظاہر نہیں ہوا جن میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ اس کے متعلق بھی ان کے ہاں بجز جھوٹے دعووں کے کچھ نہیں ہے، ان جھوٹے دعووں میں بھی انھوں نے باہم اسی طرح بالکل برابر برابر اختلاف کیا ہے جس طرح ان کے سوا دوسرے فرقوں نے۔ مگر اس میں ان کی حالت دوسروں سے بدتر ہے۔ اس لئے کہ جو شخص کسی کی تقلید کرتا ہے مثلاً ابو حنیفہ کی حنفی اور مالک کی مالکی اور شافعی کی شوافع اور احمد بن حنبل کی حنبلی۔ تو ان مذکورۂ بالا مقلدین کے مشہور اصحاب ہیں جن سے اُن کے امام کے اقوال نقل کئے گئے ہیں اور ان اصحاب نے اُن اقوال کو اُن امام سے نقل کیا ہے (جن کے وہ مقلد ہیں)

روافض کے یہاں ناممکن ہے کہ کوئی روایت متصل، ظاہر اور کھلی ہوئی ہو کہ فریق مقابل یہ ماننے پر مجبور ہو کہ یہ موسیٰ بن جعفر کا قول ہے، یہ علیؓ بن موسیٰ کا قول ہے، یہ محمد بن موسیٰ کا قول ہے، یہ علی بن محمد کا قول ہے اور یہ حسنؓ بن علیؓ کا قول ہے۔ حسنؓ بن علیؓ کے بعد تو بالکل ہی عدم اور کھلی ہوئی حماقت ہے۔ لیکن موسیٰ بن جعفر سے پہلے اگر اُن تمام روایات کو جمع کیا جائے جو انھوں نے حسنؓ و حسینؓ رضی اللہ عنہما سے فقہ میں روایت کی ہیں تو وہ چند ورق بھی نہ ہوں گے۔

یہ لوگ اپنی امامت میں جس مصلحت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ تو ظاہر ہوتی دکھائی نہیں دی۔ نہ اللہ تعالےٰ نے ان کو نہ کسی کو اس امامت سے علم یا عمل کا کوئی نفع پہنچایا۔ ان لوگوں نے جن ائمہ کو نامزد کیا ہے حسینؓ رضی اللہ عنہ کے بعد نہ ان میں سے کوئی ظاہر ہوا نہ ان ائمہ میں سے

کبھی کسی نے علانیہ امر بالمعروف کیا۔

ہم نے ان بدنصیبوں کی جو امامیہ کی طرف منسوب ہیں ایک صفت پڑھی ہے کہ یہ اس کے قائل ہیں کہ دین ان کے آئمہ کے پاس ہے۔ مگر بودے اور سست دعووں اور ایسی بیہودہ رایوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا جو حد سے زیادہ احمقانہ ہیں۔

یہ آئمہ جن کا یہ لوگ ذکر کرتے ہیں یا تو یہ سکوت پر مامور ہیں یا انہیں سکوت کی گنجائش دی گئی ہے۔ اگر یہ لوگ سکوت پر مامور ہیں تو پھر لوگوں کو گمراہی میں رہنا مباح ہو گیا، سب لوگوں سے شریعت میں حجت ساقط ہو گئی، دین باطل ہو گیا اور فرض اسلام لازم نہ رہا۔ اور یہ خالص کفر ہے اور وہ لوگ بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔

یا یہ آئمہ کلام و بیان پر مامور ہیں تو جب سکوت اختیار کیا تو اللہ کی معصیت و نافرمانی کی اور ان کی امامت باطل ہو گئی۔

ان میں بعض سے جب ان کے دعوئ امامت کا ثبوت مانگا گیا تو انھوں نے مجبوراً اس میں الہام کا دعویٰ کر دیا۔ جب یہ لوگ اس ہٹ دھرمی میں چلے گئے تو یہ تو کسی شخص کو بھی دشوار نہیں اور نہ ان کے مقابلہ کرنے والے اس سے عاجز ہیں کہ وہ یہ دعویٰ کریں کہ انھیں ان لوگوں کے دعوے کے بطلان کا الہام کیا گیا۔

ہشام بن الحکم (متکلم فرقۂ امامیہ) نے کہا ہے کہ امام کے بھائیوں میں ایسی آفتوں کا ہونا ضروری ہے جن سے واضح ہو جائے کہ وہ لوگ مستحق امامت نہیں ہیں۔

یہ وہ مردود دعویٰ ہے جو حماقت میں اضافہ کرتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ زید و عمر و عبداللہ و حسن و علیؓ بن علیؓ بن حسینؓ میں ایسی آفتیں تھیں جو مانع تھیں۔ بجز اس کے کہ حسنؓ برادر زید و محمد لنگڑے تھے۔ ہم نہیں جانتے کہ لنگڑا پن کوئی ایسا عیب ہے کہ امامت سے مانع ہو۔ یہ تو صرف اُن غلاموں کے لئے عیب ہے جو پیادہ چلنے کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ روافض کے

مخالفین بھی اس سے عاجز نہیں ہیں کہ وہ محمد بن علیؓ وجعفر بن محمد اور ان کے بقیہ آئمہ میں انھیں اُنتوں کا دعویٰ کریں جن کا دعویٰ ہشام نے ان کے بھائیوں کے لئے کیا ہے۔

بعض آئمۂ مذکورین کے باپ ایسے وقت مرے کہ وہ تین برس کے بچے تھے، ہم ان لوگوں سے دریافت کرتے ہیں کہ اس بچے نے تمام علم شریعت کہاں سے سیکھا۔ حالانکہ بچپن کی وجہ سے اُن کے والد اُن علوم سے آگاہ نہ کر سکے۔ یہی رہ گیا کہ یہ لوگ اُن کے لئے وحی کا دعویٰ کریں تو یہ نبوت ہوئی جو صریح کفر ہے۔ وہ ابھی اس حد تک نہیں پہنچے ہیں کہ ان کے لئے نبوت کا یا کسی معجزے کا دعویٰ کریں جو اُن کے قول کی تصحیح کر سکے، ایسے دعوئ باطل سے کیا ظاہر ہوا۔ ان کے لئے الہام کا دعویٰ کریں تو اس دعوے سے کوئی بھی عاجز نہیں۔ ہر امت کے لئے اُس کا عمل آسان ہے۔ ایسے شخص کا وجود جو ان بیہودہ اقوال کا معتقد ہو بڑی زبردست حجت اور نہایت واضح برہان ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے کوئی عقل ایسی پیدا نہیں کی جس میں یہ حماقتیں سما سکیں۔ اللہ تعالےٰ کا جو احسانِ عظیم ہم لوگوں پر ہے اُس پر اس کا بہت بہت شکر وحمد ہے اور اس سے دعاء ہے کہ اپنے فضل وکرم سے اس احسان کو ہمیشہ باقی رکھے۔ آمین۔

اگر امامت کا معاملہ ایسا ہی ہوتا جیسا یہ احمق کہتے ہیں تو حسن رضی اللہ عنہ کے لیے اس کی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ امامت کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے گمراہی وابطالِ حق وبربادیِ دین میں ان کی مدد کریں، ہر ظلم میں معاویہ کے شریک ہو جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کو باطل کر دیں اور اس پر اُن کے بھائی حسینؓ رضی اللہ عنہ اُن سے موافقت کریں ان دونوں نے حضرت معاویہ کی بیعت کبھی نہیں توڑی یہاں تک کہ حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی۔ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما نے برضا ورغبت وبدون جبر واکراہ اُس عہد کے توڑنے کو کیونکر حلال سمجھ لیا جو اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا تھا۔ جب معاویہ کی

وفات ہوگئی تو حضرت حسینؓ اپنا حق طلب کرنے اٹھے۔ کیونکہ انھوں نے یہ سمجھا کہ بیعت یزید بیعتِ گمراہی ہے۔ اگر وہ معاویہ کی بیعت کو حق نہ سمجھتے تو ہرگز اسے اپنے لئے قبول نہ کرتے۔ ضرور وہی کرتے جو یزید کے والی ہونے پر اُس کے بالمقابل کیا۔ اس میں کوئی صاحب انصاف شک نہ کرے گا۔

حسنؓ کے ساتھ ایک لاکھ سوار ان کے پیچھے مرنے کو تیار تھے۔ بخدا حسنؓ کو اگر یہ علم نہ ہوتا کہ انھیں اس خلافت کو معاویہ کے سپرد کر دینے کی بھی گنجایش ہے اور سپرد نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے تو وہ ہرگز دونوں امور کو جمع نہ کرتے کہ اُسے چھ مہینے اپنے لیے روکتے حالانکہ وہ اُن کا حق تھا اور اس کے بعد وہ اُسے بلاضرورت معاویہ کے سپرد کر دیتے۔ یہ اُن کے لئے مباح بلکہ بلاشک افضل تھا، اس لئے کہ اُن کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق تمام مسلمانوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور حسنؓ کو اپنے ساتھ منبر پر لوگوں کو دکھایا اور فرمایا تھا کہ میرا یہ فرزند سید (سردار) ہے۔ اور امید ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے سبب سے مسلمانوں کے دو بہت بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔ بطریق بخاری ہم سے اس کی روایت کی گئی ہے۔ اسی روایت میں ہے کہ ابو بکرہ راوی اول کہتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا اور میں نے اسے آپ سے سنا ہے۔ یہ آپ کے علامات نبوت میں سے اُن غیب کی باتوں کی پیشین گوئی ہے جو بغیر وحی کے معلوم نہیں ہو سکتیں۔

ابن زیاد معاویہ کی بیعت سے باز رہا حالانکہ وہ مواشی کی پامال زمین کی حیثیت میں تھا جس کا نہ کوئی کنبہ تھا نہ نسب نہ کوئی کارگذاری نہ طاقت حضرت معاویہ کو بجز مدارات و مہربانی کے اُس کے مقابلے کی طاقت نہ ہوئی یہاں تک کہ اسے انھوں نے راضی کیا اور والی اور گورنر بنایا۔

اگر روافض یہ دعویٰ کریں کہ حسنؓ کے پاس کوئی عہد تھا تو یہ کافر ہو جائیں گے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو یہ حکم نہ دے سکتے کہ وہ بے ضرورت و بدون جبر و اکراہ نور اسلام کو کفر سے گل کر دے اور

اللہ کے عہود کو باطل سے توڑ دے۔ روافض کے نزدیک حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی یہی صفت ہے۔

بعض امامیہ اور تمام زیدیہ نے علیؓ کے سب سے زیادہ مستحق امامت ہونے میں استدلال کیا ہے کہ اُن کے فضائل سب سے فائق اور دوسروں سے زائد تھے۔ اس کے بارے میں انشاء اللہ اُس باب میں کلام کیا جائے گا جس میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باہمی فضیلت کی کمی بیشی کی تحقیق ہوگی۔ یہاں صرف امامت کے بارے میں کلام ہے۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ اچھا تم مان لو کہ تم نے علیؓ رضی اللہ عنہ کے لئے فضائل معلومہ پائے مثلاً اسلام کی طرف سبقت کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا۔ وسعت علم وزہد۔ تو کیا تم نے ایسے ہی فضائل حسنؓ و حسینؓ رضی اللہ عنہما کے لئے بھی پائے کہ اُن کے سبب سے فضائل مذکورۂ بالا میں سے کوئی فضیلت سعد بن ابی وقاص وسعید بن زید وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن العباس پر بھی ان دونوں کے لئے ثابت کردی۔ اس پر کوئی بھی قادر نہیں کہ ان دونوں کے لئے اس بارے ۸۷ میں ایک آدھ کلمے کا بھی دعویٰ کرسکے۔ یعنی کسی ایسے کلمے کا دعویٰ کرسکے جس کی وجہ سے یہ دونوں مذکورۂ بالا اصحابہ سے ان فضائل میں فائق ہوجائیں لہٰذا ان دونوں کے متعلق صرف نص کا دعویٰ ہی رہ گیا۔ اور اس قسم کے دعوے سے کوئی بھی عاجز نہیں۔

اگر خوارج بھی عبداللہ بن وہب الراسبی کے متعلق نص کے جھوٹے دعوے کی بے شرمی گوارا کرلیں تو اس معاملے میں بالکل اور برابر روافض ہی کے مثل ہوں گے۔ اگر امویہ بھی حضرت معاویہ کے متعلق نص کے کھلم کھلا جھوٹے دعوے کو حلال سمجھیں تو اس بارے میں ان لوگوں کی حالت روافض سے زبردست ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا" (اور جو بحالت مظلومی قتل کردیا جائے تو ہم نے

اس کے ولی و وارث کے لئے غلبہ وسلطنت مقرر کردی ہے۔ مگر اسے قتل میں حد سے نہ بڑھنا چاہئے۔ بیشک اس کی مدد کی جائے گی)

سوائے روافض و نصاریٰ کے ہر امت جن امور سے شرماتی اور اپنے آپ کو بچاتی ہے نصاریٰ و روافض اپنے آپ کو اُن امور سے نہیں بچاتے یعنی کذب سے اور اپنی لائی ہوئی باتوں میں بیحیائی سے۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

اسی طرح یہ لوگ علیؓ بن حسینؓ کی علم و عمل میں کوئی برتری و فضیلت سعید بن المسیب، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ بن عمر، عروۃ بن الزبیر، ابوبکرؒ بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام، اور اُن کے چچازاد بھائی حسنؓ بن حسنؓ پر نہیں پائیں گے۔ یہ لوگ علم و عمل و تقویٰ میں محمد بن علیؓ بن حسینؓ کی عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد پر اور نہ محمد بن عمرو بن ابی بکرؒ بن المنکدر پر، ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف پر، ان کے بھائی زید بن علیؓ پر، عبداللہ بن حسنؓ بن حسنؓ بن علیؓ پر اور نہ عمرؒ بن عبدالعزیز پر کوئی برتری و فضیلت نہ پائیں گے اسی طرح یہ لوگ جعفر بن محمد کی کوئی برتری فضیلت علم میں، دین میں، عمل میں، محمد بن مسلم الزہری پر، ابن ابی ذویب پر، عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ پر، عبیداللہ بن عمرؓ و بن حفص بن عاصم بن عمرؓ پر اور ان کے دونوں چچازاد بھائی محمد بن عبداللہ بن حسنؓ بن حسنؓ اور علیؓ بن حسنؓ بن حسنؓ پر نہ پائیں گے۔ بلکہ جن لوگوں کا ہم نے ذکر کیا وہ علم و زہد میں ان سے برتر تھے اور یہ سب کے سب فقہ و حدیث میں بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے جس کا ان میں سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی فقہ بیس کتابوں میں جمع کی ہے اور اگر تلاش کی جائے تو ان کی حدیث بھی قریب قریب اسی حد تک پہنچے گی۔ حالانکہ حسنؓ و حسینؓ کی فقہ دو ورق تک بھی نہیں پہنچتی اور ان دونوں کی حدیث ایک یا دو ورق تک پہنچتی ہے۔ یہی حال علی بن حسینؓ کا بھی ہے۔ محمد بن علیؓ کی حدیث و فقہ ایک چھوٹے سے جزو تک پہنچتی ہے۔ اور اسی طرح

جعفر بن محمد کی بھی۔ حالانکہ روافض کا دعویٰ یہ ہے کہ امام کے پاس شریعت کا کل علم ہوتا ہے۔

ان آئمہ کا کیا حال ہوگا کہ انھوں نے اس (کل علم شریعت) کے بعض کو ظاہر کیا جو بالکل قلیل و ناقص ہے اور اس کے بقیہ کو پوشیدہ رکھا جو بہت زیادہ اور بہت بڑا حصہ ہے۔ اگر ان آئمہ کا فرض پوشیدہ رکھنا تھا تو انھوں نے جو کچھ اعلان کیا اس کے اعلان کرنے سے حق کے خلاف کیا، اور اگر بیان کرنا ان کا فرض تھا تو جو کچھ پوشیدہ رکھا اس کے پوشیدہ رکھنے سے حق کی مخالفت کی۔

جعفر بن محمد کے بعد تو ہمیں ان ائمہ کے علم کا بالکل پتا نہ چلا، نہ حدیث میں، نہ فقہ میں۔ باوجودیکہ ان لوگوں کا زمانہ ہمارے زمانے کے قریب ہے۔ اگر ان لوگوں کے پاس اس میں سے کچھ ہوتا تو وہ ضرور مشہور و معروف ہوتا جیسا کہ محمد بن علیؓ اور ان کے بیٹے جعفر وغیرہ سے جو انھیں آئمہ میں سے ہیں مشہور و معروف ہے جس کو لوگ ان (محمد بن علیؓ) سے روایت کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کا وہ دعویٰ تو باطل ہوگیا جو کھلم کھلا لغو جھوٹا، شبانہ قصہ گوئی کے خرافات میں، بیہودہ لوگوں کی ہنسانے والی باتوں میں سے تھا۔

اگر یہ لوگ رجوع کر کے آئمہ کے لئے معجزات کا دعویٰ کریں، تو ہم کہیں گے کہ معجزات صرف نقل تواتر سے ثابت ہوتے ہیں نہ کہ نقل آحاد ثقات سے۔ چہ جائیکہ جو نقل ان جھوٹے بے شرموں کی اولاد کی ہو جن کے متعلق یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کون تھے۔ ہم نے ایسے لوگ پائے ہیں جو بشر حافی و شیبان راعی اور رابعۂ عدویہ کے لئے اس سے بدرجہازائد جھوٹ کا دعویٰ کرتے ہیں جو روافض اپنے آئمہ کے لئے کرتے ہیں۔ یہ سب ظاہر اور بخوبی شائع ہیں۔ حالانکہ سب حماقت ہے جس میں کوئی صاحب عقل، صاحب دین کبھی مشغول نہ ہوگا۔ ہم اس سے بچنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کرتے ہیں۔ بحمداللہ جس چیز کا یہ لوگ دعویٰ کرتے تھے جب وہ

سب باطل ہوگیا تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امامت کے متعلق برہان سے کلام کرنا چاہیئے۔ اور ہماری تائید اللہ تعالےٰ ہی کرتا ہے۔

امامت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھی خلیفہ نہیں بنایا۔ پھر ان لوگوں میں بھی اختلاف ہوا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ جب آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں خلیفہ بنادیا تو یہ اس امر کی دلیل تھی کہ وہی تمام امور کی خلافت وامامت میں سب سے اولیٰ ومستحق تھے۔

بعض نے کہا ہے کہ نہیں۔ ابوبکرؓ فضیلت میں سب سے فائق تر تھے اسی لئے سب نے انھیں آگے کیا۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد لوگوں کے امور پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے پر نص جلی سے تصریح فرمائی تھی

ہم بھی اسی کے قائل ہیں جس کے لئے چند براہین ہیں۔

اول سب لوگوں کا اتفاق ہے کہ یہی (صحابہ) وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے "للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا۔ وینصرون اللہ ورسولہ اولائک ھم الصادقون" (یعنی فدک کی آمدنی) اُن فقرائے مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے شہروں اور اپنے مالوں سے جدا کر دئے گئے ہیں۔ جو ہمیشہ اللہ کے فضل ورضا کی جستجو میں رہتے ہیں۔ اور اللہ و رسول کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو صادق ہیں) ان تمام مہاجرین نے جن کے صدق کی اللہ تعالےٰ نے شہادت دی ہے اور ان کے تمام برادران انصار رضی اللہ عنہم نے متفق ہوکر حضرت ابوبکرؓ کا نام خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھا۔

زبان میں خلیفہ کے معنی یہی ہیں کہ یہ وہ شخص ہے جسے کوئی اپنا قائم مقام کر جائے، وہ نہیں کہ کسی کے پیچھے بغیر اُس کے قائم مقام بنائے رہ جائے۔ لغت میں اُس کے سوا قطعاً نا جائز ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "استخلف فلان فلانا یستخلفه فهو خلیفته و مستخلفه" (فلاں نے فلاں کا استخلاف کیا تو وہ اُس کا خلیفہ و مستخلف ہے) اگر وہ اُس کا قائم مقام اس طور پر ہو کہ اُس نے اُس کا استخلاف نہ کیا ہو تو یہ کہا جائے گا کہ "خلف فلان فلانا یخلفه فهو خالف" (فلاں نے فلاں کو پیچھے چھوڑا، وہ اُس کا خالف ہے)۔ یہ محال ہے کہ صحابہ اس سے نماز پر استخلاف مراد لیں (یعنی خلیفۂ نماز)۔ جس کی دو ضروری وجوہ ہیں۔

اول۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ابو بکرؓ اس نام کے علی الاطلاق مستحق نہ تھے۔ وہ اُس زمانے میں آپ کے خلیفۂ نماز تھے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ اُن کی وہ خلافت جس کی وجہ سے اُن کا نام خلیفہ رکھا گیا وہ اُن کی خلافتِ نماز کے علاوہ ہے۔

دوم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کسی کو اپنی حیات میں خلیفہ بنایا۔ مثلاً علیؓ کو غزوۂ تبوک میں ابن ام مکتوم کو غزوۂ خندق میں، عثمانؓ بن عفان کو غزوۂ ذات الرقاع میں اور وہ تمام لوگ جنھیں آپ نے یمن و بحرین و طائف وغیرہا کے شہروں پر خلیفہ بنایا تو امت میں بغیر کسی کے اختلاف کے ان میں سے کوئی بھی اُس کا مستحق نہ تھا کہ اُسے علی الاطلاق خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا، لہٰذا یقیناً ایسی ضرورت سے جس سے مفر نہیں ثابت ہو گیا کہ یہ (لفظ خلیفہ) آپ کے بعد آپ کی امت کی خلافت کے لئے ہے۔ محال و ممتنع ہے کہ صحابۂ کرام بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نص و تصریح کے ساتھ خلیفہ بنائے ہوئے اس (لفظ خلیفہ) پر اجماع کر لیں اور یہاں پر اگر صرف آپ کا ابو بکرؓ کو نماز ہی کا خلیفہ بنانا ہوتا تو ابو بکرؓ مذکورۂ بالا دوسرے صحابہ سے اس نام کے زیادہ مستحق نہ ہوتے۔ یہ وہ برہان بدیہی ہے جس سے ہم تمام مخالفین کا

مقابلہ کریں گے۔

یہ روایت ثابت ہے کہ ایک عورت نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کیا فرماتے ہیں اگر میں واپس آؤں اور آپ کو نہ پاؤں گویا اس کی مراد آپ کی وفات تھی۔ آپ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ کے پاس آنا۔ یہ ابو بکرؓ کے خلیفہ بنانے پر نص جلی ہے۔ صحیح اسناد سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ تمہارے والد اور بھائی کو بلا بھیجوں ایک فرمان لکھا دوں اور ایک عہد لے لوں کہ کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ میں زیادہ مستحق ہوں۔ یا کوئی آرزو کرنے والا آرزو نہ کرے۔ حالانکہ اللہ اور مومنین بجز ابو بکرؓ کے کسی کو نہ مانیں گے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اللہ بجز ابو بکرؓ کے کسی کو تسلیم نہ کرے گا۔ یہ اس پر نص جلی ہے کہ آپ نے اپنے بعد امت پر ابو بکرؓ کو خلیفہ بنایا۔

اگر ہم تدلیس اور اس امر کو جائز سمجھتے جس پر ہمارے مخالفین قابو پا جاتے تو اس سے مارے خوشی کے اڑنے لگتے یا مارے غم کے ناامید ہو جاتے تو ہم ضرور اس روایت سے استدلال کرتے کہ "اقتدوا باللذین من بعدی ابو بکر و عمر" (میرے بعد ان ابو بکرؓ و عمر کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہوں گے) لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے اور اللہ تعالٰی ہمیں غیر صحیح حدیث سے استدلال کرنے سے پناہ میں رکھے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو عبد اللہ بن عمر سے اور ان کے والد سے منقول و مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ "اگر میں خلیفہ بنا دوں تو گنجائش ہے کیونکہ) جو مجھ سے بہتر تھے یعنی ابو بکرؓ۔ انھوں نے خلیفہ بنایا ہے۔ اور اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو (مجھے اس کی بھی گنجائش ہے کیونکہ) جو مجھ سے بہتر تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھوں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا"۔ اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے

جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو خلیفہ بناتے"

مگر یہ محال ہے کہ صحابہ کے مذکورۂ بالا اجماع کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن دونوں صحیح ومرفوع حدیثوں کا جو آپ کے الفاظ میں ہیں
۵۹ اس قسم کی دو روایتوں سے معارضہ و مقابلہ کیا جائے جو عمرو عائشہ رضی اللہ عنہا پر موقوف ہیں۔ کہ اُن امور میں سے ہیں جن سے حجت قائم نہیں ہوتی۔ وجہ ظاہر یہ ہے کہ یہ امر عمر رضی اللہ عنہ پر مخفی رہا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے امور اُن سے مخفی تھے، مثلاً استیذان وغیرہ (یعنی کسی کے گھر میں اجازت لے کے جانا چاہیئے) یا یہ ہو کہ حضرت عمرؓ نے تحریری فرمان کے ذریعے سے خلیفہ بنانا مراد لیا ہو۔ ہم اسے مانتے ہیں کہ ابو بکرؓ کی خلافت کسی تحریری فرمان کے ذریعے سے نہیں ہوئی۔ جو روایت حضرت عائشہ سے ہے وہ تو نصاً و تصریحاً ایسی ہی ہے۔ کبھی حضرت عائشہ کا کلام سائل کے سوال پر ظاہر ہوتا تھا۔ حجت تو صرف اُن کی روایت میں ہے نہ کہ اُن کے قول میں۔

جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابو بکرؓ کو محض اس لئے مقدم کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انھیں نماز کے لئے مقدم فرمایا تھا اسی پر قیاس کر لیا گیا۔ تو یہ یقیناً باطل ہے۔ اس لئے کہ ایسا تو نہیں ہے کہ جو شخص امامت نماز کا مستحق ہو وہ امامت خلافت کا بھی مستحق ہو۔ کیونکہ جماعت میں سب سے زیادہ قرآن کا جاننے والا (قاری) مستحق امامت ہوتا ہے۔ خواہ وہ عربی ہو یا عجمی۔ اور خلافت کا مستحق صرف قرشی ہی ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ قیاس تو بالکل باطل چیز ہے۔

نص قرآن میں ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے ثبوت پر اور ان کی طاعت کے وجوب پر دلیل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اعراب کے بارے میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "فان رجعك الله الى طائفة منهم فاستأذنوك

للخروج فقل لن تخرجوا معی ابدا ولن تقاتلوا معی عدوا" (پھر اگر اللہ تعالےٰ آپ کو ان کے کسی گروہ تک واپس پہنچادے گا تو یہ لوگ آپ سے (جہاد میں) چلنے کی اجازت مانگیں گے۔ تو آپ کہہ دیجئے گا کہ اب میرے ساتھ تم لوگ ہرگز کبھی نہ چل سکو گے اور نہ ہرگز میرے ہمراہ دشمن سے جنگ کرسکو گے) سورۂ براءۃ جس میں یہ حکم ہے بلاشک اس کا نزول اُس غزوۂ تبوک کے بعد ہوا تھا جس میں تین معذرت کرنے والے پیچھے رہ گئے تھے جن کی توبہ کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ براءۃ میں قبول کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے بعد سے اپنی وفات تک کوئی غزوہ نہیں فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے یہ بھی فرمایا کہ "سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوھا ذرونا نتبعکم یریدون ان یبدلوا کلام اللہ قل لن تتبعونا کذلکم قال اللہ من قبل" (جب تم لوگ اموال غنیمت کی طرف روانہ ہوگے تاکہ انھیں حاصل کرو تو پیچھے رہ جانے والے کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ کلام الٰہی کو بدل دیں۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ تعالےٰ نے پہلے ہی سے اسی طرح فرما دیا ہے)

بیان کردیا کہ اس وجہ سے تبوک کے بعد اعراب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں جہاد نہیں کرنے پائیں گے۔ اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد سے روکنے اور ان پر توبہ کا دروازہ بند کرنے کے بعد ہی اللہ تعالےٰ نے پھر ان پر رحمت فرمائی کہ "قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونھم او یسلمون فان تطیعوا یؤتکم اللہ اجرا حسنا۔ وان تتولوا کما تولیتم من قبل یعذبکم عذابا الیما" (آپ پیچھے رہ جانے والے اعراب سے کہہ دیجئے تمھیں ایک نہایت طاقتور اور جنگجو قوم کے مقابلے کے لئے بلایا جائیگا۔ یا تو تم اُن سے جنگ کروگے یا وہ صلح کرلیں گے۔ پھر اگر تم نے (بلانے والے کی) اطاعت کی تو اللہ تعالےٰ تمھیں بہترین اجر دے گا۔ اور اگر تم نے پشت پھیری

جیسا کہ تم اس سے قبل پشت پھیر چکے ہو تو تم پر دردناک عذاب کرے گا)

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بلاشک ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی شخص ایک قوم کی طرف بلائے گا جن سے یا تو یہ لوگ جنگ کریں گے یا وہ لوگ صلح کرلیں گے۔ اس جنگ کی دعوت دینے والے کی اطاعت پر اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا اور جو انھیں اس جنگ کی دعوت دے گا اُس کی نافرمانی پر دردناک عذاب کی دھمکی دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے ابوبکر و عمر رض و عثمان رضی اللہ عنہم کے انھیں اور کسی نے ایسی قوم کے مقابلے کی دعوت نہیں دی جس سے یہ جنگ کرتے یا وہ لوگ صلح کرتے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں مرتدین عرب کے قتال کی دعوت دی جو بنی حنیفہ اور اصحاب اسود و سجاح و طلیحہ تھے۔ روم و اہل فارس وغیرہم کے قتال کی بھی دعوت دی۔ حضرت عمرؓ نے بھی انھیں روم و فارس کے قتال کی دعوت دی اور حضرت عثمانؓ نے انھیں قتال روم و فارس و ترک کی دعوت دی۔ لہٰذا اُس نص قرآن سے جس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں، ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی اطاعت واجب ہوئی۔ جب اطاعت فرض و واجب ہوئی تو ان کی امامت و خلافت ثابت ہوگئی۔ جن چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت کا حکم نہیں دیا تو یہ (امامت) اس میں ان کی تقلید واجب نہیں کرتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نہیں دیا۔ صرف اس قوم کے قتال کے لئے ان کی دعوت کی اطاعت کا حکم دیا اور ان تمام امور کی اطاعت کا حکم دیا جن میں آئمہ کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق

ان حضرات نے اپنے اجتہاد سے جو فتاوی دیئے ہیں ان میں ہرگز اپنے اقوال کے اتباع کو واجب نہیں کیا۔ ان کے علاوہ اور کون ان کے اقوال کو واجب کرسکتا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ اور نیز یہی تمام امت کا اجماع ہے۔ کیونکہ اہل علم میں سے کوئی بھی نہیں ہے جس نے ان آئمہ ثلاثہ

رضی اللہ عنہم سے کے بعض فتاویٰ کے خلاف نہ کیا ہو۔ لہذا جو ہم نے بیان کیا وہ ثابت ہوگیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

اہل قبلہ کے تمام فرقوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے عورت یا نابالغ بچے کی امامت کو جائز رکھا ہو، بجز روافض کے، یہ لوگ نابالغ بچے کی بلکہ اُس حمل کی بھی جو اپنی ماں کے پیٹ میں ہو امامت جائز رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ جو بالغ نہ ہوگا وہ خود مخاطب و مکلف نہیں ہے۔ اور امام تو دین کے قائم کرنے کا مخاطب ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

الباقلانی نے کہا ہے کہ امام کا افضلِ امت ہونا واجب ہے۔

۹۰ دو برہانوں کی وجہ سے یقیناً یہ بھی غلط ہے۔

برہان اول یہ ہے کہ افضل کی شناخت بجز اس کے نہیں ہے کہ اُس کے ظاہر حال میں گمان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "ان الظن لا یغنی من الحق شیئا" (بیشک ظن وگمان ذرا بھی حق سے بے نیاز نہیں کرتا)

برہان ثانی یہ ہے کہ قریش اس قدر کثرت سے ہیں اور انھوں نے زمین کو بھر دیا ہے کہ انتہائے مشرق سے انتہائے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک پھیلے ہوئے ہیں، کسی طرح ممکن نہیں کہ اُس قوم کے فرد افضل کو شناخت کیا جائے جس کی تعداد اس حد تک پہنچی ہوئی ہو۔ یہ بالکل ناممکن ہے۔ اس قول کے باطل ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کے باطل ہونے پر اجماعِ امت ہے۔ اُس زمانے میں جتنے صحابہ اور جتنے مسلمین تھے سب کا حسن یا معاویہ کی امامت کی صحت پر اجماع تھا۔ حالانکہ لوگوں میں وہ بھی موجود تھے جو بلاشک ان دونوں سے افضل تھے۔ مثلاً سعد بن ابی وقاص و سعید بن زید و ابن عمر و غیرہم۔ تو اگر باقلانی کا کہنا سچ ہوتا تو بلاشک معاویہ و حسن کی امامت باطل ہوتی۔ اس سے اللہ کی پناہ۔

یہ قول جس کو اس شخص مذکور نے کہا ہے کہ یہ ایک دعویٰ فاسد ہے۔ جس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں۔ نہ قرآن سے نہ صحیح حدیث سے نہ ضعیف حدیث

ہے۔ نہ کسی صحابی کے قول سے اور نہ قیاس ہی سے۔ بڑا تعجب تو یہ ہے کہ یہ شخص اس کا قائل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے وفات تک کے زمانے میں اس امت میں ایسے شخص کا ہونا ممکن و جائز ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہو۔ اس کے بعد یہ شخص اسے جائز نہیں رکھتا کہ کوئی شخص امام سے افضل ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کا یہ قول خالص کفر ہے جو مخفی نہیں۔ اور اس میں اہل اسلام کی مخالفت ہے۔ بس صرف یہی واجب ہے کہ امام قرشی ہو۔ مرد ہو۔ بالغ ہو۔ صاحب تمیز ہو۔ ظاہری معاصی سے بری ہو۔ قرآن و حدیث سے حکم دیتا ہو۔ جب تک ظلم سے روکنا ممکن ہو اُس کا معزول کرنا جائز نہیں۔ مگر جب یہ بغیر اُس کے معزول کئے ہوئے ممکن نہ ہو تو اُن وسائل کا قائم کرنا فرض ہے جن سے دفع ظلم تک رسائی ہو سکے۔ اس لئے کہ اللہ تعالے کا ارشاد ہے "وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (اور باہم نیکی و تقوی پر مدد کرو اور باہم گناہ و ظلم پر مدد نہ کرو)۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

وجوہ فضیلت

صحابہؓ کی فضیلت باہمی

اس امر میں لوگوں میں اختلاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد کون سب سے افضل ہے۔

بعض اہل سنت اور بعض معتزلہ اور بعض مرجیہ اور تمام شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علیؓ بن ابی طالب افضل امت ہیں۔ یہی قول تصریحاً و نصاً ہم سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور تابعین اور فقہاء کی ایک جماعت سے روایت کیا گیا ہے۔

تمام خوارج اور بعض اہل سنت اور بعض معتزلہ اور بعض مرجیہ کا مذہب یہ ہے کہ افضلِ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔

ہم سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل جعفر بن ابی طالب ہیں۔ عاصم نبیل اور ضحاک بن مخلد و عیسیٰ بن حاضر بھی اسی کے قائل ہیں۔ عیسیٰ نے کہا ہے کہ جعفر کے بعد حمزہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔

تقریباً بیس صحابہ سے ہم سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ علیؓ بن ابی طالب و زبیر بن العوام تھے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہم سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حالت میں ہوئی ہے کہ تین شخص ایسے تھے جن پر کسی کی فضیلت شمار نہیں کی جاسکتی۔ وہ سعدؓ بن معاذ اور اُسیدؓ بن حُضیر اور عبادؓ بن بشر ہیں۔

ام المومنین ام سلمہ سے ہم سے روایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فضیلت کا اور اس کا کہ سب سے بہتر کون ہے ذکر کیا کہ اور وہ کون ہے جو ابوسلمہ سے بہتر ہو جو سب سے پہلے گھر والے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔

ہم سے مسروق بن الاجدع اور تمیم بن حذلم اور ابراہیم النخعی وغیرہم سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل عبداللہ بن مسعود ہیں۔ تمیم نے جو کبار تابعین میں سے تھے کہا ہے کہ میں نے

ابو بکرؓ و عمرؓ کو بھی دیکھا ہے مگر میں نے عبداللہ بن مسعود کا مثل ہرگز نہیں دیکھا۔

ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پانے والے بعض راویوں سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عمر بن الخطاب ہیں اور وہ ابو بکر رضی اللہ عنہما سے بھی افضل ہیں۔ مجھے محمد بن عبداللہ الحاکم 91
النیسابوری کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ اُن کا مذہب بھی یہی قول تھا۔

فقیہ داؤد بن علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ انبیا کے بعد سب سے افضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ صحابہ میں سب سے افضل سب سے پہلے مہاجرین ہیں پھر سب سے پہلے انصار ہیں پھر جو ان کے بعد ہیں۔ ہم ان میں سے کسی خاص شخص کے متعلق یہ یقین نہیں کرسکتے کہ وہ دوسرے کے طبقے سے افضل ہے۔ متقدمین اہل علم میں سے بعض ایسے لوگ دیکھے ہیں جن کا مذہب یہی قول تھا۔ مجھ سے یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر النمیری نے بارہا کہا ہے کہ اُن کا بھی یہی قول اور یہی عقیدہ ہے۔

جس کے ہم قائل ہیں اور جس کو ہم دین الٰہی سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہی اللہ کے نزدیک حق ہے یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں، پھر ابو بکرؓ ہیں۔ مسلمانوں میں سے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں سے افضل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس" (تم بہترین امت ہو جنھیں لوگوں کے لئے بھیجا گیا ہے)۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس قول کا فیصلہ کرنے والی ہے جو بنی اسرئیل کے لئے ہے کہ "وفضلناکم علی العٰلمین" (ہم نے تمھیں تمام عالموں پر فضیلت دی ہے)۔ یہ آیت واضح کرنے والی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد سوائے اس امت کے تمام عالمِ امم ہے۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ بیشک وہ مہمل کلام جو بغیر اس تحقیق کے ہو کہ اُس کلام کے معنی و مراد کیا ہیں، یہ معانی کا مٹانا، صحیح امر کے سمجھنے سے روکنا، حق سے ہٹانا، فہم سے دور کرنا اور بدحواسی و نابینائی ہے۔ اللہ تعالیٰ

کی مدد و تائید سے ہمیں پہلے اُن وجوہ فضل کو بیان کرنا چاہیئے جن کی وجہ سے باہمی فضیلت کی کمی بیشی کا حق پیدا ہوتا ہے۔ جب فضل کے معنی اور یہ امر واضح ہو جائے گا کہ یہ لفظ کس پر واقع ہوتا ہے تو پھر ضروری طور پر اُس وقت ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ جس میں یہ صفات سب سے زیادہ پائی جائیں گی بلاشک وہ سب سے افضل ہوگا۔

ہم کہتے ہیں "ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" فضل کی دو قسمیں ہیں۔ کوئی تیسری قسم نہیں ہو سکتی۔

ایک فضل اختصاص ہے یعنی وہ فضل جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر کسی عمل کے کسی کو مخصوص کرنا ہے۔

ایک فضل مجازات ہے یعنی وہ فضل جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی عمل کی جزا ہے۔

جو فضل اختصاص بغیر عمل کے ہوتا ہے۔ اس میں تمام مخلوقات شریک ہیں خواہ وہ حیوان ناطق ہوں یا حیوان غیر ناطق۔ خواہ جمادات ہوں مثلاً ملائکہ کا فضل ان کی ابتدائے خلقت میں بقیہ تمام مخلوق پر۔ انبیاء کا فضل ان کی ابتدائے آفرینش میں بقیہ تمام انس و جن پر۔ ابراہیم بن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل بقیہ تمام بچوں پر۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا فضل تمام اونٹنیوں پر۔ ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحہ کا فضل تمام ذبائح پر۔ مکے کا فضل بقیہ تمام شہروں پر۔ مدینے کا فضل مکے کے بعد تمام دوسرے شہروں پر۔ مساجد کا فضل بقیہ دوسری تمام جگہوں پر۔ حجرِ اسود کا فضل بقیہ تمام پتھروں پر۔ ماہ رمضان کا فضل بقیہ تمام مہینوں پر۔ یوم جمعہ و عرفہ و عاشوراء و عشر کا فضل بقیہ تمام ایام پر۔ شب قدر کا فضل بقیہ تمام راتوں پر۔ نماز فرض کا فضل نوافل پر۔ نماز عصر و فجر کا فضل بقیہ تمام نمازوں پر۔ سجود کا فضل قعود پر۔ بعض اذکار کا فضل بعض پر۔ یہ سب محض فضل اختصاص ہے جو بغیر کسی عمل کے ہوتا ہے۔

فضل مجازات جو عمل کی وجہ سے بطور جزا کے ہوتا ہے وہ

صرف ملائکہ وجن وانس ناطق وحی (زندہ) کے لئے ہوتا ہے۔ یہی وہ قسم ہے جس میں اس باب میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ ابھی ہم اس میں کلام کریں گے کہ کون اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ واجب ہے کہ ہم اس قسم کے ان اقسام میں بھی نظر کریں جن کی وجہ سے اور جن میں فضل وتقدم کا استحقاق ہوتا ہے۔ ہم ان کا حصر واحاطہ کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی مدد وقوت سے انہیں بیان کرتے ہیں، پھر ہم اس وقت نظر کریں گے کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے اور اس میں ترقی کرنے کی وجہ سے کون سعید تر ہے، تو بلا شک یہی شخص اس سے افضل ہوگا جس کا حصہ اس میں اس سے کم ہوگا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم کہتے ہیں، اور اللہ تعالےٰ ہی سے مدد کے خواستگار ہیں کہ ایک عامل دوسرے عامل سے سات وجوہ سے افضل ہوتا ہے۔ کوئی آٹھویں وجہ نہیں ہوسکتی۔ وہ وجوہ یہ ہیں۔

(۱) ماہیت۔ اور وہ عین عمل وذات عمل ہے۔
(۲) کمیت اور یہ عرض (یعنی صفت) ہے جو عمل میں ہوتی ہے۔
(۳) کیفیت۔
(۴) کم۔
(۵) زمان۔
(۶) مکان۔
(۷) اضافت۔

ماہیت تو یہ ہے کہ دو شخصوں میں سے ایک کے تمام فرض اعمال پورے ادا ہوں اور دوسرا شخص اپنے بعض فرائض ضائع کردیتا ہو۔ مگر اس کے نوافل ہوں۔ یا یہ ہو کہ دونوں اپنے تمام فرائض میں مساوی ہوں۔ اور دونوں نوافل زیادہ ادا کرتے ہوں۔ مگر ایک کے نوافل دوسرے کے نوافل سے زیادہ ہوں۔ دو میں سے ایک شخص نماز میں ذکر کی کثرت کرتا ہو اور دوسرا اپنے بیٹھنے کی حالت میں بکثرت ذکر کرتا ہو۔ اور اسی طرح کی اور مثالیں۔ ۹۲

مثلاً دو انسان ہیں کہ ان میں سے ایک نے معرکہ اور مقام خوفناک میں جنگ کی اور دوسرے نے ارتداد میں جنگ کی۔ یا ایک نے جہاد کیا اور دوسرا نفل نماز روزے میں مشغول رہا۔ یا دونوں کوشش کریں اور ایک کامیاب ہو جائے اور دوسرا اس سے محروم رہے۔ ان وجوہ میں ایک کو دوسرے پر محض اپنے عمل کی وجہ سے فضیلت ہوتی ہے۔ یا اس طور پر ہوتی ہے کہ اس کی ذات عمل دوسرے کی ذات عمل سے افضل ہو۔ یہی ماہیتِ عمل میں تفاضل (باہمی فضیلت کی کمی بیشی) ہے۔

کمیت جو عرض ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دو میں سے ایک شخص تو اپنے عمل سے محض وجہ اللہ اور اللہ کی رضا مندی و خوشنودی کا قصد کرے کہ اس میں قطعاً کسی اور چیز کی آمیزش نہ کرے۔ اور دوسرا شخص بھی اس کے تمام عمل میں اس کے مساوی ہو مگر یہ شخص کبھی کبھی کوئی اور چیز ملا دے مثلاً یہ چاہتا ہو کہ دنیا میں اس کے ساتھ نیکی کی جائے یا اس کی وجہ سے اپنی اذیت کو دفع کرنا چاہتا ہو۔ کبھی کبھی وہ اس میں قدرے ریا کی آمیزش کر دیتا ہو۔ پہلے شخص کو اس پر اپنے عمل کے عرض (یعنی صفت و کیفیت) کی وجہ سے فضیلت ہے۔

کیفیت یہ ہے کہ دو میں سے ایک شخص اپنے عمل کے تمام حقوق پورے کرتا ہو۔ اور بغیر کمی بیشی کئے ہوئے اسے اس کے مرتبے میں رکھتا ہو۔ دوسرا شخص اکثر اس عمل کے بعض مراتب و سنن میں کمی کر دیتا ہو اگرچہ اس کا کوئی فرض نہ چھوڑتا ہو۔ یا یہ ہو کہ دو میں سے ایک شخص اپنے عمل کو کبائر سے پاک رکھتا ہو اور دوسرا شخص کبھی کبھی بعض کبائر کا ارتکاب کرتا ہو۔ تو اس شخص کو اپنے عمل کی کیفیت کی وجہ سے دوسرے پر فضیلت ہے۔

کم یہ ہے کہ دو شخص ادائے فرض میں مساوی ہوں۔ ان میں سے ایک شخص نوافل میں بڑھا ہوا ہو۔ اس کی فضیلت اپنے نوافل کی کثرتِ تعداد کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو شخص اسلام لائے اور دونوں نے ہجرت کی۔ ان میں سے ایک شہید ہو گیا

اور دوسرا اُس کے بعد ایک سال تک زندہ رہا پھر وہ اپنے بستر پر (یعنی موت طبعی سے) مرگیا۔ بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوسرے شخص کو جو آخر میں مرا تھا خواب میں دیکھا کہ یہ شخص اُس شہید سے بہتر حال میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب یہ تھا کہ اس شخص کا وہ نماز و روزہ کہاں چلا جائے گا جو اُس نے اُس شہید کے بعد ادا کیا ہے۔ ایک کی فضیلت دوسرے پر اُس زیادت کی وجہ سے ہے جو اُس نے اُس کے اعمال کی تعداد سے زائد کیا ہے۔

زمان یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے ابتدائے اسلام میں کوئی عمل کیا یا قحط سالی کے زمانے میں کیا۔ یا مسلمانوں پر مصیبت کے وقت کیا۔ دوسرے شخص نے قوت اسلام اور فراخی وامن کے زمانے کے بعد ہی عمل کیا۔ کیونکہ اول اسلام میں کلمہ اور ایک کھجور اور اُس زمانے کا صبر اور اُس وقت میں ایک رکعت بعد کے زمانہ ہائے طویلہ کی مشقت اور جہاد اور بکثرت مال و دولت خرچ کرنے کے برابر ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میرے اصحاب کو میرے لئے چھوڑو۔ کیونکہ اگر تم میں سے کسی کے پاس کوہ اُحد کے برابر سونا ہو اور وہ اُسے راہِ خدا میں خرچ کردے تو صحابہ کے ایک یا نصف مُد جو کے برابر بھی نہ پہنچے گا" (مُد تقریباً ایک سیر ہوتا ہے) اُس وقت کی ایک کھجور اُس کوہ اُحد کے برابر سونے سے افضل ہے جیسے ہم لوگ اُس وقت کے بعد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل۔ اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا۔ وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" تم میں سے کوئی بھی اُس کے مساوی نہیں ہے جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا۔ اور جہاد کیا۔ یہ لوگ اُن لوگوں سے بہت بڑے درجے والے ہیں جنھوں نے بعد میں صرف کیا اور جہاد کیا۔ اور سب سے اللہ کا نیکی کا وعدہ ہے)

یہ تو خود صحابہ میں اُن کے مابین ہے۔ بھلا ان حضرات رضی اللہ عنہم کے ساتھ اُن لوگوں کا کیا مقابلہ ہے جو بعد کو ہوئے۔

یہ آیت ابو ہاشم محمد بن علی الجبائی اور محمد بن الطیب الباقلانی کے قول کی تکذیب کرتی ہے۔ کیونکہ جبائی نے کہا ہے کہ اگر کسی کی عمر دراز ہو تو اسے ایسا عمل کرنا ممکن ہے جو کسی نبی کے عمل کے مقابل ہو۔ اور باقلانی نے کہا ہے کہ لوگوں میں ایسے شخص کا ہونا ممکن ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی نبوت کے زمانے سے وفات تک کے زمانے میں آپ سے افضل ہو۔

یہ خالص کفر وارتداد اور بلاشبہہ اسلام سے خروج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تکذیب ہے کہ ہم لوگ آپ کے کسی صحابی کو نہیں پا سکتے۔ اور آپ کی ان احادیث میں ہے جو آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں کہ صحابہ کے مثل کوئی نہیں۔ اور وہ لوگ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے اور سب سے زیادہ ان امور کے عالم ہیں جو کرنا چاہیئے اور جو نہ کرنا چاہیئے۔

اسی طرح خوارج وشیعہ بھی جبائی ہی کے ہمنوا ہیں۔ شیعہ ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ وطلحہ وزبیر و عائشہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے بجز علی وحسن وحسین وعمار بن یاسر اپنے کو افضل سمجھتے ہیں۔ خوارج جو بدترین ۹۳
مخلوق الٰہی اور دوزخ کے کتے ہیں اپنے آپ کو عثمانؓ وعلیؓ وطلحہ وزبیر پر فضیلت دیتے ہیں۔ بیشک وہ نامراد رہا جس نے کلام اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی۔

شدائد اور مصائب کے زمانے میں تھوڑا سا جہاد وصدقہ قوت ووسعت کے وقت کے بہت سے جہاد وصدقے سے افضل ہے۔ اسی طرح انسان کا اپنی محتاجی وتندرستی کے اس زمانے میں کہ اسے زندگی کی امید نہ ہو، محتاجی کا اندیشہ ہو، ایک درم خیرات کرنا اس بوڑھے سے افضل ہے جو اسے اپنی تونگری کے ایک گوشے میں سے خیرات کردے اور اس کے بارے میں اپنی موت کے بعد کے متعلق اس کی وصیت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک درہم ایک لاکھ درہم

سے بڑھ جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس دو درم تھے اور اس نے ان دو میں سے ایک کو خیرات کر دیا۔ دوسرے نے اپنے مال کے ایک گوشے کی طرف قصد کیا اور اس میں سے ایک لاکھ درم خیرات کر دیئے۔

انسان کا اپنے مرض و خوف کی حالت میں ادائے فرائض کی پابندی کرنا اور اپنے مرض و خوف کے زمانے میں تھوڑے ہی نوافل کا ادا کرنا اس شخص کے زمانۂ صحت و امن کے عمل اور کثیر نوافل سے افضل ہے۔ مذکورہ بالا اشخاص کی فضیلت دوسروں پر ان کے زمانۂ عمل کے اعتبار سے ہے۔ اسی طرح جس شخص کو اس کے زمانۂ آخر میں عمل خیر کی توفیق ملے وہ اس شخص سے افضل ہے جو اپنے زمانۂ آخر میں بدحواس ہو جائے۔

مکان و مقام مثلاً مسجدِ حرام میں نماز یا مسجد مدینے میں نماز۔ تو یہ دونوں نمازیں دوسرے مقام کی ایک ہزار نمازوں سے افضل ہیں۔ مسجدِ حرام کی نماز کی فضیلت مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سو درجے زیادہ ہے۔ مثلاً دشمن کے شہر میں یا جہاد میں روزے ان روزوں سے افضل ہیں جو غیر جہاد میں ہوں۔ جو شخص فضیلت کے مکان و مقام میں کوئی عمل کرے تو اس کو مکان و مقام عمل کی وجہ سے اس دوسرے شخص پر فضیلت ہے جو یہی عمل کسی دوسرے مکان و مقام میں کرے۔ اگرچہ دونوں عمل مساوی و یکساں ہوں۔

اضافت (یعنی عمل کا کسی کے طرف منسوب ہونا) تو نبی کی ایک رکعت یا نبی کے ساتھ ایک رکعت نبی کا صدقہ یا نبی کے ساتھ صدقہ۔ یا نبی کا ذکر دیا دالٰہی یا نبی کے ساتھ ذکر۔ اور نبی کے تمام اعمال خیر یا نبی کے ساتھ تمام اعمال خیر۔ تو ان اعمال کا قلیل حصہ بھی ان کثیر اعمال سے افضل ہے جو نبی کے بعد ہوں۔ اس کو وہ آیت واضح کرتی ہے جو ہم نے ابھی بیان کی ہے یعنی "لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل" (تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہے جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی یہی ثابت ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص کوہ اُحد کے برابر سونا بھی خیرات کرے تو وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سیر آدھ سیر جو خیرات کرنے کے برابر نہ ہوگا۔

اسی سے ہم نے یقین کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان حضرات نے از خود جو عمل کیا وہ اس کار خیر کے مقابلے میں نہیں ہے جو انھیں صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کیا، اور نہ وہ عمل ہے جس کو ان صحابی کے علاوہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا۔ اگر اس کے سوا ہوتا تو ضرور جائز ہوتا کہ انس وابوامامۃ الباہلی وعبداللہ بن ابی اوفی وعبداللہ بن بسر وعبداللہ بن الحارث بن جزء وسہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہم ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وابوعبیدہ وزید بن حارثہ وجعفر بن ابی طالب ومصعب بن عمیر وعبداللہ بن جحش وسعد بن معاذ وعثمان بن مظعون اور بقیہ تمام سابقین مہاجرین وانصار متقدمین رضی اللہ عنہم سے افضل ہوتے۔ اس لئے کہ ان میں سے بعض نے بعض کی وفات کے بعد اور بعض نے بعض کی وفات کے بعد نوے سال سے پچاس سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے۔ حالانکہ اس بنا پر ان کی برتری کا کوئی قابل اعتبار ولائق شمار شخص قائل نہیں۔

اسی سے ہم نے یقین کر لیا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت موجود تھے وہ دوسرے صحابہ سے افضل ہیں، کیونکہ یہ مفضول (یعنی جس پر دوسرے کو فضیلت حاصل ہے) فاضل کے اس زمانے کے درجے کو اپنے لئے کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اگرچہ مفضول کی عمر طویل ہو اور فاضل کی موت فوراً ہو جائے۔ ہم نے ان میں سے کسی ایک کی فضیلت کا فیصلہ ویقین نہیں کیا۔ بجز ان کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں وفات پا گئے اور ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نص وارد ہوئی ہے۔ بلکہ ان کے بارے میں ہم توقف کرتے ہیں جیسا کہ ہم اس کو انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں بیان کریں گے۔

جو فضائل بذریعۂ اعمال حاصل ہوتے ہیں اُن کے یہی وجوہ ہیں۔ ان کے سوا اور کسی طور پر کوئی صاحب عمل دوسرے صاحب عمل پر فضیلت نہیں رکھتا۔ ان تمام وجوہ کے نتیجے وثمرے اور خالص فضل اختصاص کے بغیر عمل کے نتیجے وثمرے کی بھی دو ہی وجوہ ہیں۔ تیسری وجہ قطعاً نہیں ہوسکتی۔ ان دو میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ کا دنیا میں فاضل کی تعظیم کا مفضول پر واجب کرنا ہے۔ اس وجہ میں ہر وہ شخص جسے عمل سے فضیلت حاصل ہو یا بلا عمل کے خالص اختصاص سے حاصل ہو، عوارض وجمادات وحیوانات ناطق وغیر ناطق سب اس میں شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کعبہ ومساجد ویوم جمعہ ۹۴ وماہ حرام (شوال وذیقعدہ وذی الحجہ) وماہ رمضان، صالح کی اونٹنی، ابراہیم فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ذکر الٰہی وملائکہ وانبیاء علیہم السلام وصحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم کا حکم دیا ہے کہ ہماری اُس تعظیم وتوقیر سے بہت زیادہ ہے جو ہم مذکورۂ بالا حضرات کے علاوہ دوسرے حضرات کی کرتے ہیں اُن کے علاوہ جن مقامات وایام واطفال وکلام اور اونٹنیوں اور لوگوں کی ہم تعظیم کرتے ہیں اُن سے بہت زیادہ مذکورۂ بالا مقامات وغیرہ کی تعظیم کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ یہ وہ امر ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ خاصہ ہر فاضل کا ہے جس سے کوئی فاضل ہرگز خالی نہیں۔ بغیر اس کے قطعاً کوئی فاضل نہیں ہوتا۔

وجہ ثانی۔ اللہ تعالیٰ کا فاضل کے لئے جنت میں کسی ایسے درجے کا واجب کر دینا ہے جو مفضول کے درجے سے اعلیٰ ہو۔ کیونکہ اللہ کی مخلوق میں سے یہ کسی کے نزدیک بھی ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ فاضل سے زیادہ مفضول کی تعظیم کا حکم دے، نہ یہ ممکن ہے کہ جنت میں مفضول کا درجہ فاضل سے اعلیٰ ہو۔ اگر یہ جائز ہوتا تو فضل کے معنی بالکل باطل ہو جاتے وہ ایک ایسا لفظ ہوتا جس کی کوئی حقیقت نہ ہوتی اور تحیۃ وتعظیم کے کوئی معنی ہی نہ ہوتے۔ وجہ ثانی کہ جنت میں اعلیٰ درجے کا حاصل ہونا ہے جو صرف ہر ایسے فاضل کا خاصہ ہے جو کہ عمل کرے اور ملائکہ وجن وانس میں سے ہو۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

وہ شخص یا شے جس کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے وہ فاضل و صاحب فضیلت ہے ہر فاضل و صاحب فضیلت کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ احسان و نیکی و توقیر جو کافر والدین کے لئے فرض کی گئی ہے وہ ذرا بھی تعظیم نہیں ہے۔ کیونکہ انسان اس شخص کے ساتھ بھی احسان کرتا ہے جس کی تعظیم نہیں کرتا اور اس کی توہین نہیں کرتا۔ مثلاً انسان کا اپنے غلام و ہمسایہ و ملازم کے ساتھ احسان کرنا۔ حالانکہ یہ تعظیم نہیں ہے۔ کبھی انسان اپنے ہمسایہ اور اپنے بوڑھے مزدور کے ساتھ نیکی کرتا ہے اور اس کو تعظیم نہیں کہا جاتا۔ کبھی انسان اس کی توقیر کرتا ہے جس کے ضرر سے ڈرتا ہے اس کو بھی تعظیم نہیں کہا جاتا۔ کبھی انسان غلبہ کرنے والے ظالم کے آگے جھکتا ہے اور عاجزی و انکساری کرتا ہے، اس کو بھی تعظیم نہیں کہا جاتا۔

ہر مسلم پر اپنے کافر والدین سے بیزاری اور اللہ کے لئے ان سے عداوت فرض ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آبائہم او ابنائہم او اخوانہم او عشیرتہم اولئک کتب فی قلوبہم الایمان وایدہم بروح منہ" (اے نبی آپ اس قوم کو جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے محبت کریں جو اللہ و رسول کو ناراض کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا قرابت دار ہوں۔ یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے جن کے دلوں میں ایمان کو لکھ دیا ہے اور اپنی روحانی امداد سے ان کی مدد کی ہے) اور فرمایا ہے "قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم والذین معہ اذ قالوا لقومہم انا برآء منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتیٰ تومنوا باللہ وحدہ" (تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ہمراہیوں میں بہترین نمونہ تھا۔ جو کہ ان لوگوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور اللہ کے سوا

تمہارے معبودوں سے بری و بیزار ہیں۔ ہم تم سے ناراض ہیں اور ہمیشہ کے لئے ہمارے اور تمہارے درمیان میں عداوت و بغض پیدا ہو گیا ہے تاوقتیکہ تم لوگ اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان نہ لاؤ)۔ اور فرمایا ہے "وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرأ منہ ان ابراھیم لاواہ حلیم" (اور ابراہیم کا اپنے والد کے لئے دعائے مغفرت کرنا محض اس وعدے کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا۔ پھر جب ابراہیم کو اچھی طرح واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ بیشک ابراہیم بڑے دردمند اور بردبار تھے۔

ثابت ہو گیا کہ جو نیکی و احسان و تواضع کافر والدین کے لئے واجب ہے یہ وہ تعظیم نہیں ہے جو اس شخص کے لئے واجب ہے جس کو اللہ تعالے فضیلت دے۔ اس لئے کہ جو تعظیم اس شخص کے لئے واجب ہے جس کو اللہ تعالے فضیلت دے وہ تو اللہ کے لئے اس سے محبت و مودت و ولایت و دوستی ہے۔ وہ نیکی و احسان و تواضع جو کافر والدین کے لئے واجب ہے تو یہ اللہ کے لئے عداوت اور بیزاری اور ترک محبت کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالے نے نص قرآن میں فرمایا۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

کبھی بغیر کسی عمل کے خالص اختصاص سے جنت کا دخول ہو جاتا ہے یہ بچوں کے لئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ ہمارا پہلا بیان بدون کسی اختلاف کے یقیناً ثابت ہو چکا ہے اس لئے ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ ہم پر انبیاء علیہم السلام کی جو تعظیم واجب ہے۔ اس کے بعد دنیا میں کوئی شخص اللہ تعالے کے واجب کرنے سے کسی ایسی تعظیم کا مستحق نہیں ہے کہ اس تعظیم سے زیادہ ضروری و مؤکد ہو جو اللہ تعالے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لئے ہم پر اس آیت میں واجب ولازم کی ہے "النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے ساتھ خود ان سے بھی

زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اور آپ کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں)۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے ہر مسلم پر ماں ہونے کا حکم واجب کر دیا۔ جو اُن کی اُس صحبت کے حق تعظیم کے سوا ہے جو انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان بیویوں کو بھی آپ کی صحبت کی وجہ سے وہ حق حاصل ہے جو اور تمام صحابہ کو ہے۔ لیکن انھیں صحبت میں بھی اختصاص و خصوصیت ہے آنحضرت علیہ السلام کا زبردست ساتھ ہے آنحضرت علیہ السلام کے نزدیک اُن کی بڑی پاکیزہ قدر و منزلت ہے آپ سے قرب ہے آپ کے نزدیک اُن کی وہ عزت ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی نہیں۔ صحبت میں اُن کا درجہ تمام صحابہ سے اعلیٰ ہے۔ پھر ایک حق زائد کی وجہ سے انھیں تمام صحابہ پر فضیلت ہے جو ماں ہونے کا حق ہے کہ نص قرآن اُن کے لئے واجب ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حق جس کی وجہ سے صحابہ فضیلت کے مستحق ہوئے اُس میں ازواج مطہرات اُن کی شریک ہیں اور اس حق میں بھی صحابہ پر فضیلت رکھتی ہیں اور ایک حق زائد کی وجہ سے بھی اُن پر فضیلت رکھتی ہیں، اور وہ ماں ہونے کا حق ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ نماز روزہ حج زکوۃ خیرات اور شرکت جہاد غرض کوئی عمل بھی ایسا نہیں ہے کہ جس میں کسی صحابی نے سبقت کی ہو اور یہ اس میں نہ ہوں۔ یہ سب اپنی معاشرت کی تنگی کے باوجود صدقہ و عتق (آزادی غلام) میں بھی انتہائی سعی فرماتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتی تھیں، یہ کھلی ہوئی کافی دلیل ہے کہ یہ ہر صحابی سے افضل تھیں۔ بلاشک ہر مسلم کے نزدیک اور بنص قرآن یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے انھیں دنیا اور دار آخرت و اللہ و رسول کے درمیان اختیار دیا تو انھوں نے اللہ و رسول و دار آخرت کو اختیار کیا، یہ یقیناً آخرت میں بھی آپ کی ازواج ہوں گی۔ جب یہ ایسی ہوں گی تو بلاشک یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت کے ایک ہی درجے میں ہوں گی

اور آپ کے سرور اور آپ کے محلات میں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ ناممکن ہے کہ آپ کے اور اُن کے درمیان میں جنت میں کوئی چیز حائل ہو۔ نہ یہ ممکن ہے کہ آپ جنت کے کسی ایسے درجے میں اتر جائیں جس میں آپ اپنے کسی صحابی سے نیچے ہوں۔ اس کا تو کوئی مسلمان خیال بھی نہیں کر سکتا۔ اس مرتبے کے حاصل کرنے میں جب اُن کے لئے کوئی شک نہیں تو ہم نے نص و اجماع سے جان لیا کہ یہ سب بطور اختصاص مجرد کے بغیر کسی عمل کے نہیں دیا گیا ہے بلکہ ان کے ان امور کے استحقاق کی وجہ سے دیا گیا ہے جو انھیں اس سے حاصل ہوا کہ اللہ و رسول و دار آخرت کو اختیار کیا تھا۔ جب اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ انھیں اختیار دیں تو انھوں نے اللہ کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تمام بشر سے افضل ہیں اختیار کیا۔ جو سات وجوہ ہم نے پہلے بیان کی ہیں اُن میں بھی انھیں افضل اعمال حاصل ہیں کہ اعمال میں جو تفاضل ہوتا ہے وہ صرف انھیں سات وجوہ میں ہوتا ہے، اس کے بعد انھیں دنیا میں نہایت زبردست تعظیم کا حق حاصل ہے۔ آخرت میں بلند ترین درجات حاصل ہیں، فضیلت کی جتنی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ بلا شک اُن میں ان سب کے اعلیٰ درجے کے حصے ہیں۔ حضرت ماریہ مادر ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان فضائل میں اُن کے ساتھ شامل ہیں اس لئے کہ بلا شک وہ جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے ان فرزند کے ساتھ ہوں گی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا ہوگئے تھے۔ جب منکر کے برخلاف یہ سب ثابت ہو گیا تو ضروری طور پر واجب ہو گیا کہ ملائکہ و انبیاء علیہم السلام کے بعد یہ شہادت دی جائے کہ ازواج مطہرات سب کی سب تمام خلق سے افضل ہیں۔ اور کیوں نہ ہو حالانکہ ہمارے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نص ہے۔

انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو سب لوگوں سے زیادہ کس سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عائشہ سے۔ عرض کیا کہ مردوں میں تو آپ نے فرمایا کہ اُن کے

والد (ابو بکرؓ) سے۔

عثمان النہدی سے مروی ہے کہ مجھے عمروؓ بن العاص نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ذات السلاسل بھیجا عمروؓ کہتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کے میں نے عرض کیا کہ سب لوگوں سے زیادہ آپ کو کس سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عائشہؓ سے۔ میں نے عرض کیا کہ مردوں میں۔ آپ نے فرمایا کہ اُن کے والد (ابو بکرؓ) سے۔ میں نے عرض کیا کہ پھر کس سے تو آپ نے فرمایا کہ عمرؓ سے۔ پھر آپ نے چند لوگوں کو شمار کرایا۔
یہ دونوں یعنی انس و عمروؓ بن العاص عادل ہیں جو شہادت دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ آپ کو عائشہ سے سب سے زیادہ محبت ہے اور ان کے بعد اُن کے والد سے ہے۔ اللہ تعالٰی نے آنحضرت علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ "وما ینطق عن الهوىٰ ان هو الا وحی یوحیٰ" (اور آپ اپنی طرف سے نہیں کہتے۔ وہ وحی ہی ہوتی ہے جو آپ پر بھیجی جاتی ہے) لہٰذا ثابت ہو گیا کہ آپ کا یہ کلام کہ عائشہؓ آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں یہ ایک وحی ہے جو اللہ تعالٰی نے آپ کو بھیجی ہے۔ تاکہ آپ ایسے ہی ہو جائیں اور اس کے متعلق خبر کر دیں۔ یہ آپ نے از خود نہیں فرمایا ہے۔ جو یہ گمان کرے اللہ تعالٰی کی تکذیب کرے گا۔ آپ کو جو عائشہؓ سے سب سے زیادہ محبت ہے وہ محض اس لئے ہے کہ وہ دین میں اس فضل کی مستحق تھیں اور اس میں انھیں سب پر تقدیم حاصل تھی جو اس کی باعث تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اُن سے محبت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا شک انھیں اُن
کے والد اور عمرؓ و علیؓ و فاطمہؓ پر بالکل کھلی ہوئی اور ظاہر فضیلت دی۔ ٩٦

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا تم مانتے ہو کہ ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں اس لئے کہ وہ اپنے والد علیہ السلام کے ساتھ جنت کے ایک ہی درجے میں ہوں گے۔

بتوفیق الٰہی ہم اُس سے کہیں گے کہ ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے کسی عمل سابق کی وجہ سے اس مرتبے کے مستحق نہیں ہوئے۔ یہ محض اختصاص ہے۔ دو فاضلوں کے درمیان مفاضلت جب ہوتی ہے کہ دونوں کی فضیلت ایک ہی وجہ سے ہو اور اس میں باہم ان دونوں میں تفاضل ہو۔ اگر فضیلت دو جداگانہ وجوہ سے ہو تو دونوں میں مفاضلت کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس لئے کہ معترض کے اس قول کا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ ان دونوں میں سے اُس باب میں کس کے اوصاف زیادہ ہیں جس میں یہ دونوں مشترک ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ یہ نہیں کہا جاتا کہ کون افضل ہے آیا ناقہ حضرت صالح یا ماہ رمضان۔ نہ یہ کہا جاتا ہے کہ کون افضل ہے آیا کعبہ یا نماز۔ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ کون افضل ہے مکہ یا مدینہ۔ اور دونوں میں سے کون افضل ہے آیا رمضان یا ذی الحجہ۔ نماز یا زکوۃ۔ ناقۂ صالح یا کسی اور نبی کی ناقہ۔

ثابت ہو گیا کہ تفاضل صرف اُسی وجہ میں ہوتا ہے جس میں وہ دونوں جن کے متعلق دریافت کیا گیا ہے مشترک ہوں۔ جو اُس وجہ میں بڑھ جائے وہی افضل ہوتا ہے۔ ابراہیم کی فضیلت قطعاً کسی عمل کی بنا پر نہیں ہے۔ یہ محض اختصاص مجرد اور اُن کے والد صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آنحضرت کے تمام اصحاب کا جنت میں ہونا یہ محض ان ازواج کے لئے اور ان اصحاب کے لئے ان کے اعمال کی جزاء ہوگی۔

اللہ تعالٰے نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذکر کے بعد فرمایا ہے "جزاءً بما کانوا یعملون" (اُس کی جزا کے طور پر جو یہ لوگ کیا کرتے تھے) اور فرمایا ہے "وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصلحت منهم مغفرة واجرا عظیما" (اللہ تعالٰی نے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ان سے مغفرت واجر عظیم کا وعدہ کیا ہے) اور اللہ تعالٰے نے ازواج نبی علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتها اجرها مرتین" (اور تم میں سے جو بیوی اللہ ورسول کی اطاعت کرے گی اور عمل خیر کریگی تو اُسے ہم دوچند اجر دیں گے

یہی ہمارے قول کی نص ہے ۔ وللہ الحمد ۔ اور فرمایا ہے " وتلك الجنة التی اورثتموها بما كنتم تعملون " (اور اس جنت کے جو تم وارث بنائے گئے ہو اس عمل کے عوض میں ہے جو تم کیا کرتے تھے) ۔ اور فرمایا ہے " غرف من فوقها غرف مبنية (بنے بنائے بالاخانے ہیں جن کے اوپر اور بالاخانے ہیں ۔) اور فرمایا ہے " وان ليس للانسان الا ما سعی وان سعيه سوف يری ثم يجزاه الجزاء الاوفی " (اور انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے سعی کی ہے ۔ اور بیشک اُسے اس کی سعی دکھائی جائیگی ۔ پھر اُسے پوری جزا دی جائے گی) ۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بارے میں کیا کہو گے کہ کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا ۔ سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ اور آپ ۔ فرمایا اور نہ میں ۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالےٰ ہی مجھے اپنے دامن رحمت و فضل میں چھپالے گا "

ہم کہیں گے کہ یہ حق ہے اور آیات مذکورہ کے موافق ہے ۔ اسی طرح ہم بھی قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی ساری عمر کوئی عمل کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمے کچھ نہیں ہے جس کا وہ مستحق ہو ۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ پر کچھ بھی واجب نہیں ۔ کیونکہ جو اشیاء واجب ہیں اُن کا واجب کرنے والا بھی سوائے اس کے کوئی نہیں ہے ۔ اس لئے کہ عالم میں جو کچھ بھی ہے اُس کا شروع کرنے اور پیدا کرنے والا وہی ہے ۔ لہذا اگر اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر رحمت نہ کرتا اور یہ حکم نہ دیتا کہ بندے جو اُس کی طاعت کریں گے تو وہ اس کے عوض میں انھیں جنت عطا کرے گا ' تو یہ ہرگز اُس کے ذمے واجب نہ ہوتا ۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ جنت میں کوئی شخص محض اپنے عمل سے بغیر اللہ تعالےٰ کی رحمت کے داخل نہ ہوگا ۔ جنت میں اللہ تعالےٰ کی اُس رحمت سے داخل ہوگا جس کی وجہ سے اُس نے جنت کو ان کے اعمال کی جزا بنا دیا ہے جن اعمال کے ذریعے سے ان لوگوں نے اللہ تعالےٰ کی

اطاعت کی ہے۔ آیات اس حدیث سے متفق ہو گئیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔

ان تمام امور میں جب کوئی شک نہیں ہے لہذا یہ یقیناً ناممکن ہے کہ جو فضیلت میں کمتر ہو اُسے بہتر و افضل جزا دی جائے اور جو فضیلت میں پورا ہو اُسے کمتر جزا دی جائے۔

بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ صاحب اعمال کو جنت میں جو جزا دی جائے گی وہ محض اُس عمل کی جزا کے طور پر ہو گی جس کا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مستحق ہے۔ اللہ تعالےٰ کو اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے اور جس چیز سے چاہے انعام و فضل کرے۔ ممکن ہے کہ اُسے بلند اعمال والوں سے مقدم کر دے اُس نے فرمایا ہے کہ "یختص برحمتہ من یشاء" (اور وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں مخصوص کر دیتا ہے)۔ اور فرمایا ہے "ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء" (یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے)۔ لہذا ان نصوص کی مخالفت کسی کو بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ جو ان کی مخالفت کرے گا وہ قرآن کی تکذیب کرے گا۔ اگر یہ نصوص نہ ہوتیں تو ہم ہرگز اسے بعید نہ سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طاعت پر عذاب کرے گا اور اپنی معصیت پر انعام دے گا۔ افضل کو ناقص جزا ملے گی اور ناقص کو افضل۔ اس لئے کہ ہر شئے اللہ تعالےٰ کی مملوک اور مخلوق ہے۔ سوائے اس کے کسی شئے کا کوئی مالک نہیں۔ نہ کوئی اس پر حکومت کرنے والا ہے۔ اور نہ اُس پر کسی کا کوئی حق ہے۔ اللہ تعالےٰ نے یہ خبر دے کے ہمیں ان تمام امور سے مطمئن کر دیا ہے کہ وہ کسی صاحب عمل کو محض اُس کے عمل کے مطابق ہی جزا دے گا اور وہ جس پر چاہے گا فضل و کرم کرے گا۔ لہذا ان تمام امور کا اقرار لازم ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ جنت میں کون افضل و عالی مرتبت ہے۔ ٩٧
آیا ابراہیمؑ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ یا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ رضی اللہ عنہم کا مرتبہ ہم کہیں گے کہ بلاشک ابراہیمؑ کا مرتبہ اعلیٰ ہے۔

لیکن یہ مرتبہ ابراہیمؑ مذکور کے لئے اختصاص مجرد ہے جس کے وہ اپنے عمل کی وجہ سے مستحق نہیں ہوئے۔ نہ وہ اس کے مستحق ہوئے کہ انہیں اس سے گھٹایا جائے۔ مذکورہ بالا حضرات کے مقامات ان کے فضل و اعمال سابقہ کی جزا کے طور پر اور اس کے مطابق ہیں۔

اسی طرح آپؐ کی ازواجؓ کا مرتبہ بھی بقدر ان کے فضل و اعمال سابقہ، بطور جزا کے ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ابراہیمؑ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرؓ و عمرؓ سے افضل ہیں، نہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ ابراہیمؑ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں۔ مفاضلت صحابہؓ اور آپؐ کی ازواجؓ کے درمیان واقع ہے۔ ان سب کے اعمال و گذشتہ افعال کے مراتب ہیں جو بلا شک باہم نسبت رکھتے ہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو یہ بیویاں اس درجے کو نہ حاصل کر سکتیں۔ یہ درجہ محض آنحضرت علیہ السلام کا ہے۔ ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ ہاں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو تمام صحابہؓ نے جو درجہ حاصل کیا ہے وہ بھی اس میں نہ ہوتے۔ یہ مراتب بھی تمہارے قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ازواجؓ کا فضل و تقدم ان تمام امور میں جیسا کہ تھا باقی رہا۔ کوئی فرق نہیں۔

ازواجؓ مطہرات کی فضیلت دخترانؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بنص قرآن واضح ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "یانساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول" (اے نبیؐ کی بیویو! تم لوگ تمام عورتوں میں سے کسی کے مثل نہیں ہو۔ اگر تم (دوسروں کی تہمت سے) بچنا چاہو تو (کسی اجنبی سے) خوش اخلاقی سے بات نہ کرو)۔ یہ قطعی بیان ہے جس سے جاہل رہنے کی کسی کو گنجائش نہیں۔

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے معارضہ کرے کہ "خیر نساءھا فاطمہؓ بنت محمد" صلی اللہ علیہ وسلم (جنت کی عورتوں میں

سب سے بہتر فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) ہم بتوفیق الٰہی اُس سے کہیں گے کہ اس حدیث میں جو ہم نے کہا ہے اُسی کا بیانِ جلی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ "خیر النساء فاطمۃ" (تمام عورتوں سے بہتر فاطمہؓ ہیں)۔ آپ نے صرف یہ فرمایا کہ "خیر نسائہا" (اس کی عورتوں سے بہتر) آپ نے (بذریعۂ اضافت) خاص کر دیا، عام نہیں کیا۔ اللہ تعالٰی نے ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عورتوں پر جو فضیلت بیان فرمائی ہے وہ عموم ہے، خصوص نہیں ہے! جس سے بغیر دوسری نص کے کسی کو مستثنیٰ کرنا جائز نہیں۔ ثابت ہوگیا کہ آنحضرت علیہ السلام نے حضرت فاطمہؓ کو ازواج مومنین پر جو فضیلت دی ہے وہ اپنی ازواج کے بعد دی ہے۔ لہذا آیت حدیث کے ساتھ متفق ہوگئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسی ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔ یہ بھی عموم ہے اور آیت کے موافق ہے۔ واجب ہے کہ اُسے مستثنیٰ کر دیا جائے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد "نسائہا" سے اس عموم سے خاص کر دیا ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ آپ کی ازواج تمام عورتوں سے افضل ہیں بجز اُن خواتین کے جنھیں اللہ تعالٰی نے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ مثلاً والدۂ حضرت اسحاق و والدۂ حضرت موسٰی و والدۂ حضرت عیسٰی علیہم السلام۔ اللہ تعالٰی نے اپنے قول صادق سے اس پر تصریح فرمائی ہے "یا مریم ان اللہ اصطفاک وطہرک واصطفاک علی نساء العلمین" (اے مریمؑ اللہ تعالٰی نے تمھیں برگزیدہ کیا اور تمھیں پاک کیا اور تمھیں تمام عالموں کی عورتوں پر فضیلت دی)۔

مسلمانوں میں اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انبیاءؑ میں سے ہر نبیؑ ہر ایسے شخص سے افضل ہے جو نبی نہ ہو جو اس کی مخالفت کرے وہ کافر ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ فاطمہؓ کل مومنین کی عورتوں کی سردار ہیں۔ اس کل میں آپؐ نے اپنے آپؐ کو

داخل نہیں فرمایا۔ اپنے علاوہ دوسرے مومنین کے متعلق خبر دی ہے۔ برہان ثانی اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے جو اس نے انھیں ازواجؓ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے "ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتہا اجرھا مرتین" (اور تم میں سے جو بیوی اللہ و رسول کی اطاعت کرے گی اور عمل خیر کرے گی اسے ہم اس کا اجر دو چند عطا کریں گے)۔

یہ فضیلت ظاہر اور بیان روشن ہے کہ ازواجؓ مطہرات تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔ اس آیت سے یقینی ثبوت ہے جس میں کوئی مسلمان شک نہیں کر سکتا۔ ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و فاطمہؓ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جب کوئی ایک عمل کرے تو وہ اس پر ایک خاص مقدار اجر کا مستحق ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجؓ میں سے کوئی بیوی اگر بعینہ ویسا ہی عمل کریں تو ان کے لئے اس مقدار اجر سے دو چند اجر ہوگا۔ جب صحابی و فاطمہ رضی اللہ عنہم کا نصف حصہ ان کے بعد والے سے کوہ اُحد کے برابر سونے سے زیادہ پورا کرے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہؓ کے لئے کوہ اُحد جیسے دو پہاڑ بھر سونے سے زیادہ ان کے نصف حصے میں ہوگا۔ یہ وہ فضیلت ہے جو انبیا علیہم السلام کے بعد بجز ان کے اور کسی کے لئے نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ کو آپؐ کے دو اصحابؓ کے برابر بخار ہوتا تھا اور اس پر آپ کو دو حصے اجر ملتا تھا۔ ۹۸

ازواجؓ مطہرات کے تمام صحابہؓ سے افضل ہونے میں اس کے بعد کوئی بیان نہیں ہو سکتا مگر جس کے قلب کو اللہ تعالےٰ نے حق سے نابینا کر دیا ہو۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

اس مقام پر ہمارے بعض اصحاب نے ہم پر اس آیت سے اعتراض کیا ہے جو اہل کتاب کے متعلق ہے جب کہ وہ ایمان لے آئیں "اولئك یؤتون اجرھم مرتین بما صبروا" (یہ وہ لوگ ہیں کہ جنھیں دو مرتبہ ان کا اجر دیا جائے گا اس لئے کہ انھوں نے صبر کیا)۔ معترض نے کہا کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ یہ لوگ ہم سے افضل ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ

یہ آیت اور وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ تین آدمیوں کو دو مرتبہ اجر دیا جائیگا۔ پھر آپؐ نے مومن اہل کتاب کا ذکر کیا۔ اور خیر خواہ غلام کا اور اُس آزاد کرنے والے کا جو اپنی کنیز کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔ آیت و حدیث میں اُس وجہ کا بیان ہے جس کی وجہ سے انھیں دو مرتبہ اجر دیا گیا۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور نبئ اول پر جو کتاب اول کے ساتھ مبعوث کئے گئے ایمان لانا ہے۔ ہم بھی اس سب پر ایمان لاتے ہیں جیسا کہ وہ لوگ ایمان لائے۔ ہم ان دونوں ایمانوں میں مومنین اہل کتاب کے شریک ہیں۔

خیر خواہ غلام کو اپنے آقا کی اطاعت کی وجہ سے ایک اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے ایک اجر ملے گا۔ اُس شخص کو جو اپنی کنیز کو آزاد کرے پھر اُس سے نکاح کرے تو اُسے اُس کے آزاد کرنے پر ایک اجر ملے گا پھر جب اُس سے نکاح کرے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو دوسرا اجر اس پر ملے گا۔ لہذا نص سے ثابت ہوگیا کہ ان لوگوں کو ان کے خاص اعمال کا دو مرتبہ اجر دیا جائے گا نہ کہ ان کے تمام اعمال میں۔

کوئی امر مانع نہیں ہے کہ ان کے علاوہ دوسروں کو دوسرے اعمال میں ان لوگوں کے اجر سے زیادہ اجر دیا جائے۔ ان کے بعد والے جو عمل کریں گے صرف اُسی پر انھیں زائد اجر ملے گا۔ اور ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجر کا دوچند ہونا اس قسم سے نہیں ہے۔ نہ شروع میں نہ آخر میں۔ اس لئے کہ اجر کا دوچند ہونا بنص قرآن ان ازواجؓ کے ہر عمل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتھا اجرھا مرتین" (اور تم میں سے جو اللہ و رسول کی اطاعت و عمل خیر کرے گی اُسے ہم دوچند اس کا اجر دیں گے)۔ صحابیؓ جو عمل کریں اُس میں انھیں ایک اجر ہوگا یہی عمل کوئی زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کریں گی تو انھیں اس میں دو اجر ملیں گے۔ ان کے لئے اجر کا مزید ہونا محض اُس عمل پر ہوگا جو ان کے بعد کے صحابہؓ کریں۔ ہمیں معلوم ہے کہ صحابیؓ کے عمل اور غیر کے عمل کے

درمیان اتنا بڑا فرق ہے جتنا بڑا فرق کوہ اُحد کے برابر سونے اور سیر آدھ سیر جو میں ہے۔ ازواجِؓ مطہرات کو اس کا بھی دوچند اجر ہے۔ یہ وہ امر ہے جو کسی صاحب حس سلیم پر مخفی نہیں۔ لہٰذا معارضہ باطل ہوگیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

بعض لوگوں نے اس حدیث میں بھی اعتراض کیا ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ محبوب ہیں اور مردوں میں اُن کے والد۔ معترض نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے اسامہؓ بن زیدؓ کے لیے فرمایا کہ اُن کے والد مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ اُن کے بعد یہ (اسامہؓ) مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے انصار سے فرمایا کہ تم لوگ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ (انکم احب الناس الی)۔

یہ لفظ جو حدیث اسامہؓ بن زیدؓ میں ہے کہ "انہ احب الناس الیہ علیہ السلام" (وہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں)۔ یہ روایت بطریق حماد بن سلمہ، موسیٰ بن عقبہ سے، اُن کو سالم سے، سالم کو اُن کے والد سے ملی ہے۔ وہ روایت جس میں اسامہؓ و زید رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے اسے عمر بن حمزہ نے سالم بن عبد اللہ سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ عمر بن حمزہ ضعیف ہیں۔ اس حدیث میں صحیح وہ ہے جسے عبد اللہ بن دینار نے ایسی اسناد سے روایت کیا ہے جس میں کوئی طعن و عیب و جرح نہیں ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ بن حارثہ کے لیے فرمایا کہ بخدا وہ امارت کے اہل تھے۔ اور میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھے اُن کے بعد یہ (اسامہؓ) میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔ (وایم اللہ ان کان لخلیق بالامارۃ وان کان لمن احب الناس لی وان ھذا من احب الناس لی بعدہ) یہ روایت حدیث موسیٰ بن عقبہ کا فیصلہ کرتی ہے اس لیے کہ وہ عبد اللہ بن دینار ہی کی حدیث کا مختصر ہے۔ اسی سے وہ تعارض اُٹھ جاتا ہے جو ان دونوں روایتوں میں ہے کہ ابن عمرؓ سے اور انسؓ و عمرؓ سے مروی ہیں ورنہ ان دونوں میں کوئی ایک۔ دوسرے سے اولیٰ و مقدم نہیں۔

حدیث انصار کو لوگوں نے اس طرح روایت کیا ہے جس طرح اسے
99 ہشام بن زید نے انس سے روایت کیا ہے۔ عبدالعزیز بن صہیب نے انس سے اور انس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے انصار سے فرمایا کہ "انتم من احب الناس الی" (تم لوگ میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہو)۔ یہ ایک ہی حدیث ہے اور راوی عادل کی زیادت واضافہ قابل قبول ہے۔ لہذا عادل راویوں کی سند سے حدیث میں "من" کے اضافے سے یہ ثابت ہوگیا کہ انصار وزید واسامہ رضی اللہ عنہم من جملہ اس قوم کے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ یہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ یہ لوگ آپ کے اصحاب میں سے ہیں۔ اور بلاشک آپؐ کے اصحابؓ آپؐ کو سب سے زائد محبوب تھے۔ لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اس قسم کا جواب نہیں ہوسکتا۔

آپ سے یہ دریافت کیا گیا تھا کہ "من احب الناس الیک" (آپ کو سب سے زائد محبوب کون ہے)۔ تو آپ نے فرمایا کہ عائشہؓ پھر کہا گیا کہ مردوں میں تو آپ نے فرمایا ان کے والدؓ۔ اس لئے کہ یہ اس بیان کے مطابق جواب ہے جس کو سائل نے دریافت کیا کہ وہ اس شخص کو پہچاننا چاہتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے تنہا و یکتا ہے۔

بعض اشعریہ نے اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء" (بے شک آپؐ اسے ہدایت نہیں کرسکتے جس سے آپ محبت کریں مگر اللہ جس کو چاہے ہدایت کرسکتا ہے)۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ آنحضرت علیہ السلام جس سے محبت کریں آپؐ کی محبت اس کے لئے فضیلت نہیں۔ اس لئے کہ آپ نے اپنے چچا سے محبت کی اور وہ کافر تھے۔

ہم نے کہا کہ یہ آیت اس طرح نہیں ہے جیسا گمان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مراد آیت "انک لا تھدی من احببت" سے یہ ہے کہ

"من احببت هداه" (بیشک آپ اسے ہدایت نہیں کرسکتے آپ جس کی ہدایت سے محبت وخواہش کریں)۔ برہان اللہ تعالٰے کا یہ قول ہے کہ "ولکن اللہ یھدی من یشاء" (لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت کرسکتا ہے) "ای من یشاء ھداہ" (یعنی جس کی ہدایت چاہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ہم پر فرض ہے کہ ہر کافر کی ہدایت سے محبت اور اس کی خواہش کریں نہ یہ کہ ہم کافر سے محبت کریں۔

اگر یہ صحیح ہوتا کہ آیت "من احببت" کے معنی وہی ہیں جیسا کہ اس معترض نے گمان کیا ہے تو بھی ہم پر اس سے کوئی حجت نہ ہوتی۔ اس لئے کہ یہ آیت کی ہے جو ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالٰے نے مدینے میں یہ آیت نازل فرمائی "لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم" (آپ اس قوم کو ایسا نہ پائیں گے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ان لوگوں سے محبت کریں جنھوں نے اللہ ورسول کو ناراض کیا ہے۔ اگرچہ وہ (ناراض کرنے والے) لوگ ان کے باپ ہوں خواہ بیٹے ہوں خواہ بھائی ہوں خواہ کنبے والے ہوں)۔ اللہ تعالٰے نے مدینے میں نازل فرمایا ہے کہ "لقد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برآء منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء حتی تومنوا باللہ وحدہ" (بیشک تمھارے لئے ابراہیم میں اور ان کے ہمراہیوں میں اچھا نمونہ ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ بیشک ہم لوگ تم سے اور تمھارے ان معبودوں سے جو اللہ کے علاوہ ہیں بیزار وبری ہیں۔ ہم تمھارے منکر ہیں اور ہمارے اور تمھارے درمیان میں بغض وعداوت کھل گئی ہے۔ تاوقتیکہ تم لوگ اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان نہ لاؤ)۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے محبت بھی کی تو اللہ تعالٰے نے اس کے بعد اس محبت کو

آپ پر حرام کر دیا۔ اُن کی محبت سے منع کر دیا۔ اور آپ پر انکی عداوت فرض کر دی۔ ہر صاحب حس سلیم بدیہی طور پر جانتا ہے کہ محبت و عداوت اکٹھا نہیں ہوسکتیں۔

جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اُس میں مودت کے معنی محبت کے ہیں جس میں کسی اہل لغت کا اختلاف نہیں ہے۔ لہذا باطل ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی غیر مومن سے محبت کریں۔ نصوص و اجماع سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس سے محبت کریں آپ کی محبت اُس کے لیئے فضیلت ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا آپ نے حضرت علیؓ کے لیئے فرمایا کہ "میں کل جھنڈا اُس شخص کو دوں گا جو اللہ و رسولؐ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ و رسولؐ اُس سے محبت رکھتے ہیں" چونکہ اس میں نہ کوئی شک ہے نہ اختلاف کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اہل جہل و کذب کے قول کے برخلاف ہے لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ جو شخص فضیلت میں کامل ترین حصہ رکھتا ہے وہ اُس شخص سے افضل ہے کہ اُس فضیلت میں قلیل حصہ رکھتا ہے۔ یہ وہ شئے ہے جو بدیہی طور پر معلوم ہوتی ہے۔ لہذا جب عائشہؓ اس محبت میں کامل ترین حصہ رکھتی ہیں جو کامل ترین فضیلت ہے تو وہ اُس سے افضل ہوئیں جس کا حصہ اس فضیلت میں اُن کے حصے سے کم ہے، اسی لیئے جب آنحضرت علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے تو آپ نے فرمایا کہ عائشہؓ کے والدؓ پھر عمرؓ۔ یہ ابو بکرؓ کی پھر عمرؓ کی فضیلت کو بقیہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر واجب کرتا ہے لہذا یہ قضیہ باطل ناجائز ہے کہ ابو بکرؓ پھر عمرؓ پر فضیلت میں کسی کو مقدم کیا جائے کیونکہ یہ دونوں محبت میں آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ ہمیں سوائے اس ایک حدیث کے ابو بکرؓ و عمرؓ کے تمام صحابہؓ سے فضیلت میں مقدم ہونے کے بارے میں کسی اور نص کا علم نہیں ہے جو اس کے قائل ہونے کو واجب کرتی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صفات کا ذکر فرمایا جن کی وجہ سے عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے۔ آپ نے خاندان۔ مال۔ جمال۔ اور دین کا ذکر فرمایا۔ آپ نے اس ارشاد میں تاکید فرمائی کہ "فعلیک بذات

الدین تربت یداک" (تمہیں دیندار کو اختیار کرنا چاہئے۔ تمہارے ہاتھ گرد آلود ہوں)۔ یہ محال و ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف دین کی وجہ سے عورتوں کے نکاح و انتخاب کی ترغیب دیں اس کے بعد آپ خود اس کی مخالفت فرمائیں کہ عائشہؓ سے بغیر دین کے محبت کریں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے کسی مسلمان کو یہ گمان کرنا جائز نہیں کہ اس حدیث میں کبھی سوائے فضیلت دین کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اور فضیلت مراد ہے۔ کیونکہ مردوں کے سامنے اپنی بیوی کی خوبی بیان کرنے پر وہی شخص خوش ہو سکتا ہے جو کمینہ ذلیل حقیر ہو جسے ادنیٰ سی بھی عقل ہے اسے یہ جائز نہیں کہ کسی بزرگ انسان کے متعلق اپنے دل میں اس قسم کا خیال لائے۔ چہ جائیکہ اس مقدس و مطہر ترین ہستی کے متعلق جس کی فضیلت تمام انسانوں پر فائق ہو صلی اللہ علیہ وسلم۔ 100

اگر ہمیں یہ اس شخص کے متعلق معلوم نہ ہوا ہوتا جو ہمارے زمانے میں اشاعت علم کا صدر بن گیا ہے اور وہ شخص المہلب بن ابی صفرۃ التمیمی ہے کہ عبداللہ بن ابراہیم الاصیل کا شاگرد ہے۔ اس نے اس بدترین معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کی تصریح کی ہے تو اس کی طرف اشارہ کرنے میں ہماری زبان بھی نہ چلتی۔ لیکن جب کسی منکر (بری بات) کا ظہور ہو تو مسلمانوں پر ان کی لیاقت کے مطابق اس کا بدلنا فرض و واجب ہے۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کی ولادت سے پہلے ایک فرشتے کا انہیں ایک حریر کی تھیلی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنا اور آپ سے یہ کہنا کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ یہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرے گا۔ آیا اس کے بعد بھی حضرت عائشہؓ کی انتہائی فضیلت میں کوئی کسر ہے؟

مکی بن ابی طالب المقری نے ہم پر اعتراض کیا ہے کہ اس پر تو یہ

لازم آتا ہے کہ ابو بکرؓ کی زوجہ علیؓ سے افضل ہوں۔ اس لئے کہ زوجۂ ابو بکرؓ ابو بکرؓ کے ساتھ جنت کے ایک ہی درجے میں ہوں گی۔ اور وہ درجہ علیؓ کے درجے سے اعلیٰ ہوگا۔ تو زوجۂ ابو بکرؓ کا مرتبہ علیؓ سے بلند ہوا اور وہ علیؓ سے افضل ہوئیں۔

بتائیدالٰہی ہم نے انہیں اس طرح جواب دیا کہ یہ اعتراض بچند وجوہ کوئی چیز نہیں۔

اول ابو بکرؓ کے اور علیؓ کے درجے کے درمیان اُس فضیلت میں جو علیؓ کے درجے پر ابو بکرؓ کے درجے کی بلندی کی موجب ہے، اس طرح کا تباین و تضاد نہیں ہے جس طرح کا فرق و تباین نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ کے درجے کے درمیان اُس فضیلت میں ہے جو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے درجات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے کی بلندی کی موجب ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم میں سے کم از کم فضیلت والے شخص کا درجہ صحابہؓ کے اعلیٰ سے اعلیٰ فضیلت والے درجے سے نسبت کرنے میں بمقابلہ اس کے قریب تر ہے جو اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ و فضیلت صحابیؓ کے درجے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے سے نسبت ہے۔

ابو بکرؓ و علیؓ کے درمیان فضیلت میں ایسی مباینت و فرق نہیں ہے جو اس امر کی موجب ہو کہ زوجۂ ابو بکرؓ جو ابو بکرؓ کے تابع ہوں گی وہ علیؓ سے افضل ہو جائیں۔ بلکہ اُن مہاجرین اولین کی منازل جنہیں اللہ تعالےٰ کی راہ میں ابذائیں دی گئیں باہم قریب قریب ہوں گی اگرچہ وہ باہم فضیلت میں کم و بیش ہوں گی۔ اسی طرح اہل سوابق (یعنی سبقت کرنے والوں) کے درجات ایک ایک مشہد اور ایک ایک میدان جہاد کے اعتبار سے باہم قریب قریب ہوں گے۔ اگرچہ یہ بھی باہم فضیلت میں کم و بیش ہونگے۔ سب سے پہلے انصار کی منازل باہم قریب قریب ہوں گی۔ اگرچہ وہ باہم فضیلت میں کم و بیش ہوں گی۔ اسی طرح اُن کی منازل بھی ہوں گی جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ اسی طرح مشاہد کی حاضری میں تمام شرکت والے

اُس کی جزاء کے طور پر افضل کے بعد افضل کا درجہ بڑھتا رہے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ زوجۂ ابوبکرؓ جو اپنے عمل کی وجہ سے ابوبکرؓ کے ساتھ اُن کے درجے میں رہنے کی مستحق ہو گئیں مثل ام رومان کے، ہم نہیں جانتے کہ آیا وہ افضل ہیں یا علیؓ۔ اس لئے کہ اس معاملے میں ہمارے پاس کوئی نص نہیں۔ اور تفصیل بغیر نص کے نہیں معلوم ہو سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "خیرکم القرن الذی بعثت فیہ۔ ثم الذین یلونھم۔ ثم الذین یلونھم" اوکما قال علیہ السلام (تم میں سب سے بہتر میرا وہ زمانہ ہے جس میں میں مبعوث ہوا ہوں۔ پھر وہ لوگ ہیں جو ان لوگوں کے متصل ہیں۔ پھر وہ لوگ ہیں جو ان لوگوں کے متصل ہیں۔ یا جیسا فرمایا ہو) آپ نے فضل وخیر میں ان لوگوں کے طبقات بنا دیے۔ لہٰذا بلاشک وہ لوگ جنت کی جزا میں بھی اسی طرح ہوں گے۔ ورنہ پھر تو فضیلت کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ "ہل تجزون الا ما کنتم تعملون" (تمہیں بجز اُس کے کوئی جزا نہ ملے گی جو تم کیا کرتے تھے)۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی خواتین جو سب سے پہلی مہاجرات ہیں وہ فضیلت میں صحابہؓ کی شریک ہیں۔ خواتین میں بھی کوئی کسی پر فضیلت رکھتی ہیں اور صحابہؓ میں بھی کوئی کسی پر فضیلت رکھتے ہیں۔ ان خواتین میں وہ بھی ہیں جو بہت سے مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔ مردوں میں بھی بہت سے ایسے ہیں جو ان خواتین میں بہتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فضیلت کا جو مرتبہ بیان کیا ہے اُس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی ملا دیا ہے مثلاً "ان المسلمین والمسلمات" آخر آیت تک۔ بجز جہاد کے کہ یہ مردوں پر فرض ہے نہ کہ عورتوں پر۔

ہم اس کے منکر نہیں کہ ابوبکرؓ کے ایسے محلات ومنازل ہوں گے جو تمام صحابہؓ سے بڑھے ہوں گے۔ ابوبکرؓ کی ازواج میں اُس زوجہ کے لئے جو اُس مرتبے کی اہل نہ سمجھی جائیں گی جنت میں ایسی منازل ہوں گی جو اُن
۱۰۱ صحابہؓ کی منازل سے کم ہوں گی کہ ان خواتین سے افضل ہیں کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم

نے صحابیاتؓ کے بعد اور صحابیاتؓ کے اوپر تابعیات سے بھی نکاح کیا ہے۔ یہ منازل ان کے صحابیؓ شوہروں کی فضیلت میں اضافہ کریں گی۔ یہ صحابہؓ ان بیویوں کے پاس رہیں گے پھر ان بیویوں کے منازل عالیہ کی طرف واپس ہوں گے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور آپؐ نے ایسا کلام فرمایا ہے جس کے معنی یہی ہیں اور زیادہ تر یہی ہے۔

آنحضرت علیہ السلام نے تصریح فرمائی کہ کسی گھر کا سردار جنت کے احاطے میں اور جنت کے وسط میں اور جنت کے اعلےٰ درجے میں ہوگا۔ یہ اُس شخص کے لیئے ہوگا جس نے فلاں امر کیا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل بیان فرمائی۔ ہمارے قول کی نص ثابت ہوگئی کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم درجے کے ہیں اُن کے لیئے متعدد منزلیں ہوں گی کچھ بلند اور کچھ اُن سے نیچی۔ یہ لوگ نیچی منزلوں میں اُتریں گے پھر بلند منازل میں چڑھ جائیں گے۔

یہ صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعید ہے جس کی دو وجوہ ہیں۔

ایک یہ کہ آپؐ کی تمام ازواجؓ کے لیئے وہ حق صحبت ہے جس میں وہ تمام صحابہؓ کی شریک ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب خاص کی وجہ سے وہ حق صحبت میں بھی سب صحابہؓ سے فضیلت لے گئیں۔ آپ کی تمام ازواجؓ سے یا کسی ایک زوجہؓ سے کسی کو اُس صحبت کی وجہ سے جس کی وجہ سے یہ حضرات دوسروں پر فوقیت لے گئے فضیلت نہیں ہے۔ ہم نے اس باب کو کافی بیان کردیا ہے۔

وجہ دوم یہ ہے کہ بعض مقامات میں بعض صحابہؓ کا بعض صحابہؓ سے پیچھے رہ جانا پایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بعض مقامات میں متاخر (پیچھے رہ جانے والے) کسی دوسرے مقام میں متقدم (آگے ہوں اور بڑھے ہوئے) ہوں۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے بارے میں بلالؓ کو جیسی تکالیف پہنچائی گئیں وہ علیؓ کو نہیں پہنچائی گئیں۔ اور علیؓ نے جیسا قتال و جہاد کیا وہ بلالؓ نے نہیں کیا۔

عثمان رضؓ نے فی سبیل اللہ جیسا خرچ کیا وہ نہ بلالؓ نے خرچ کیا نہ علیؓ نے۔ جس پر کسی کو فضیلت حاصل ہے تو یہ شخص جس پر فضیلت حاصل ہے کہیں نہ کہیں اُس شخص سے متقدم اور بڑھا ہوا ہوگا جس کو اپنے بعض فضائل میں اس شخص پر فضیلت حاصل ہے! یہ ناممکن ہے کہ ان لوگوں کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان یہ صورت پائی جائے۔ ممکن نہیں کہ اولاد آدمؑ میں سے کوئی شخص اول سے آخر تک کے فضائل میں سے کسی میں بھی آپ سے بڑھ سکے اور نہ یہ ممکن ہے کہ بنی آدمؑ میں سے کوئی شخص فضائل کے کسی جزو میں آپ کو پا سکے اور آپ کے ساتھ ہو سکے۔ لہٰذا اس کی کوئی گنجایش نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے درجے میں اتریں جس میں آپ کے کوئی صحابیؓ آپ کے برابر ہوں۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی صحابیؓ آپ سے بلند درجے میں ہو جائیں۔ یہ وہ امر ہے جس سے مومنین کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اسی کو ناگوار سمجھا ہے کہ وہ کسی ایسے مکان کے بالا خانے پر قیام کریں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت ہو۔ یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ دار الجزا میں ایسا ہو سکے گا۔ جب وہ صحابیؓ جو اپنے اکثر منازل میں بلند و عالی ہوں گے بعض منازل میں جو ان حضرات کے اعمال میں باہمی فضیلت کی کمی بیشی کی مقدار کے مطابق دوسرے صحابیؓ سے پست و کمتر بھی ہوں گے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ صائمین (روزہ داروں) کو جنت کے باب الریّان سے بلایا جائے گا' مجاہدین کو باب الجہاد سے' متصدقین کو باب الصدقہ سے' اور ابو بکرؓ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امید ہے کہ انھیں ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کسی وجہ میں کوئی صحابیؓ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہوا ور اس باب سے تنہا وہی بلائے جائیں مگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص ابواب خیر کے کسی جزو میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ جائے۔ لہٰذا یہ اعتراض بالکل باطل ہو گیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

مکی بن ابی طالب نے ہم پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام اور ہر نبی سے افضل ہیں اور آپ تمام انبیاء سے اعلیٰ درجۂ جنت میں ہونگے اور آپکی ازواج آپکے ہمراہ اُسی درجۂ جنت میں ہونگی، تو جنت میں ان خواتین کے درجات موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء کے درجات سے افضل ہونگے اور یہ سب اُس حکم کی بناء پر موسیٰ اور تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہوں گی۔

ہم نے انھیں جواب دیا کہ یہ اعتراض بھی ہم پر لازم نہیں آتا۔ وللہ الحمد اس لئے کہ جنت، ملک یعنی سلطنت و طاعت و علوئے منزلت وریاست اور تابع کی متبوع کے اتباع و پیروی کا مقام ہے۔ جیساکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "واذا رأیت ثمّ رأیت نعیما وملکا کبیرا" (اور جب آپ وہاں دیکھیں گے تو نعمت اور بڑی سلطنت دیکھیں گے)۔ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے "وکان عند اللہ وجیھا" (اور وہ اللہ کے یہاں صاحبِ وجاہت ہیں)۔ جبریل صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خبر دی ہے کہ "ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثمّ امین (وہ صاحبِ قوت ہیں مالکِ عرش کے یہاں صاحبِ مرتبہ ہیں وہاں اُن کی اطاعت کی جاتی ہے۔ وہ امانت دار ہیں)۔

معلوم ہوا کہ دنیا کی سلطنت و ملک دھوکا اور فریب ہے اور آخرت کی سلطنت حقیقی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کو مع اُن کے اتباع اور ماننے والوں کے دیکھا۔ نبی کے ہمراہ ایک، دو۔ تین۔ اور تین سے زائد اور جماعت ہوگی۔ ۱۰۲
اللہ تعالےٰ نے خبر دی ہے کہ اس مقام پر بڑی سلطنت اور طاعت اور وجاہت اور اتباع اور مشورہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ نے دنیا میں ملک و سلطنت کا تھوڑا سا حصہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے کہ ہم اس سے اُس ملک و سلطنت کو جان لیں جو دار الجزاء میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے لذات میں سے ہمارے سامنے حریر و دیباج (ریشمی لباس) اور شراب اور سونا چاندی اور مشک اور کنیزیں اور ہر طرح کے زیور پیش کئے ہیں اور ہمیں بتایا ہے کہ وہاں یہ تمام چیزیں صرف ہمارے لئے ہوں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جو شخص سب سے آخر جنت میں داخل ہوگا وہ دنیا میں جس بڑی سے بڑی سلطنت کو جانتا ہے اس سے بھی بڑھ جائے گا، پھر وہ اپنی سلطنت کے برابر کی سلطنت کی تمنا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے دنیا سے دس گونہ زیادہ عطا کرے گا۔

جب یہ ثابت ہے۔ اور ملائکہ کا ایک ہی طبقہ ہے، بجز اس کے کہ اس میں اُن میں باہم فضیلت کی کمی بیشی ہے۔ اور انبیائے مرسلین کا ایک طبقہ ہے اور انبیائے غیر مرسلین کا ایک طبقہ ہے، اس لئے کہ یہ حضرات بھی باہم فضیلت میں کم و بیش ہیں۔ اور تمام صحابہؓ کا ایک طبقہ ہے بجز اس کے کہ باہم ان میں بھی فضیلت میں کمی بیشی ہے۔ تو بلا شک واجب ولازم ہے کہ مرسلین کے تابع خواہ وہ اُن کی عورتیں ہوں یا ان کے ساتھی وہ اُن متبوعین یعنی مرسلین کے مثل و برابر نہ ہوں۔ اس لئے کہ ہم ضروری طور پر جانتے ہیں کہ اعلیٰ کا تابع اپنے متبوع کی نظیر و مساوات کو بھی نہیں پہنچتا تو بھلا اُس سے اعلیٰ کیسے ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ وہ ازواجؓ صحابہؓ جو تابعیات ہوں گی وہ اپنے صحابیؓ شوہروں کے برابر نہ ہوں گی اس لئے کہ وہ ایک ہی طبقے میں اُن (صحابہؓ) کے ساتھ نہ ہوں گی۔ دیکھا یہ جائے گا کہ یہ کن کے طبقے ہیں اور ان میں کون لوگ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجؓ کا صحابہؓ کے ساتھ ایک ہی طبقہ ہوگا۔ لہٰذا ان لوگوں کے درمیان باہمی فضیلت کی کمی بیشی ثابت ہوگئی۔ ازواجؓ مطہرات میں سے کوئی بیوی، اور صحابہؓ میں سے کوئی صحابیؓ انبیاء کے ساتھ ایک ہی طبقے میں نہ ہوگا۔ یہ جائز نہ ہوا کہ اُن کے درمیان مساوات کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ نے شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کو آسمانوں میں الگ الگ ایک ایک آسمان میں دیکھا۔ ہم ضروری طور پر جانتے ہیں کہ اُن نبی کی منزلت جو آسمان دنیا میں متبوع ہیں وہاں اُن کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے اُس شخص کی منزلت سے اعلیٰ ہے جو ساتویں آسمان میں وہاں کے نبی کے تابع ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

ثابت ہے کہ ہر نبی اپنی امت کے ساتھ آئے گا۔ ہم لوگ بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔

کمی نے جو ہم پر لازم کیا ہے اگر یہ ہم پر لازم ہو تو اسی طرح ہم لوگوں کے بارے میں کمی کو بھی لازم ہے کہ ہم بھی تمام انبیاء سے افضل ہوں۔ حالانکہ یہ لازم نہیں ہے اس لئے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ فضیلت میں مساوات صرف انہیں لوگوں کے درمیان ہوتی ہے جو ایک ہی طبقے کے ہوں۔ جو ان میں سے دوسرے سے اعلیٰ مرتبے کا ہو تو وہ بلاشک اس سے افضل ہے۔ اور یہ مختلف طبقات میں نہیں ہوتا۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ کسی کا ایک مقام میں مالک و خازن دوزخ ہونا جو مقام خازن جنت و مقام جبرئیلؑ کے علاوہ ہو اس کے درجے کو ان لوگوں کے درجے سے کم نہیں کرتا جو جنت میں ہیں جن سے ملائکہ بالکل افضل ہیں۔ اس لئے کہ دوزخ کے مالک و متبوع و مقدم و مطاع کو اس کی وجہ سے بلاشک جنت کے خدام و تابعین پر فضیلت حاصل ہے لہذا یہ شور و غوغا بھی باطل ہو گیا۔

اس جواب کو مختصراً جمع کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جنت کے ہر طبقے کے رؤسا و متبوعین اپنے تابعین سے افضل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور آپ کے تمام اصحابؓ آپ کے تابع و ماتحت ہیں۔ تمام انبیاء متبوع و مقتدا و پیشوا ہیں۔ متبوعین کے درمیان برابری کی جائیگی کہ ان میں سے کون افضل ہے اور تابعین کے درمیان بھی کی جائے گی کہ ان میں کون افضل ہے۔ ہر فاضل (صاحب فضیلت) کے اپنے سے کمتر فضیلت والے سے درجے کی بلندی میں اس کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ ناجائز ہے کہ تابعین اور ان متبوعین کے درمیان میں برابری کی جائے جو درجے میں ہرگز تابعین سے کم نہیں ہوتے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم حور عین کے بارے میں کیا کہو گے۔ کیا وہ انسان و انبیاء سے افضل ہیں جیسا کہ تم نے ملائکہ کے بارے میں کہا؟

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ فضیلت بغیر کسی ایسی برہان کے

نہیں معلوم ہوسکتی جو اللہ تعالٰے سے قرآن میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں سنی جائے۔ ہم نے نہیں پایا کہ اللہ تعالٰے نے حورعین کی فضیلت پر کوئی ایسی تصریح فرمائی ہو جیسی اُس نے ملائکہ کی فضیلت پر فرمائی۔ البتہ صرف اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وہ پاک صاف ہوں گی، حسین ہوں گی، خوبصورت سینے والی، شوہر سے محبت کرنے والی اور تمام لذات میں اپنے شوہروں کے ساتھ شریک وجمع ہوں گی۔ وہ صرف اس لئے پیدا کی گئی ہیں کہ مومنین اُن سے لطف اندوز ہوں۔ جب حال اس طرح ہے تو حورعین کا وہی محل ہوا جو اس کا محل ہو کہ جس کے لئے ہیں یہ ان کے لئے بغیر عمل وتکلیف کے اختصاص ہے اور وہ اس امر میں ملائکہ سے مختلف ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جس آیت سے ہمارے قول کی تاکید وتائید ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "ان اصحٰب الجنة الیوم فی شغل فاکھون ھم وازواجھم فی ظلال علی الارائک متکئون" (بیشک اہل جنت آج میوہ خوری میں مشغول ہوں گے۔ وہ اور اُن کی بیویاں سایوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے
ہوں گے) یہ نص چونکہ صحیح ہے لہذا اس کا اقرار واجب ہے۔ اگر ہم ان ١٠٣
اعتراضات کے بعض اقسام کی تفصیل سے عاجز ہوتے تو بھی اس میں ہم پر کوئی نقص لازم نہ آتا، کیونکہ اس نص پر اعتراض جائز نہیں۔ جب یقین کے ساتھ ثابت ہو گئی تو کسی دوسرے یقین سے اُس کا معارضہ ناجائز ہے۔ ایک برہان کو دوسری برہان سے باطل نہیں کرسکتے۔

ہم واضح کرچکے ہیں کہ جنت مکلفین کے اعمال کی جزاء کا مقام ہے۔ جن کا درجہ کسی میں اعلیٰ ہے اُن کی فضیلت بھی اعلیٰ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجؓ تمام صحابہؓ سے اعلیٰ درجے کی جنت میں ہوں گی تو وہ ان سب سے افضل ہوں گی۔ جو اس کا انکار کرے اُسے ہم کو بتانا چاہیے کہ فضیلت کے کیا معنی ہیں۔ کیونکہ ضروری ہے کہ اس کلمے کے کوئی معنی ہوں۔ اگر وہ کہے کہ اس کے کوئی معنی نہیں تو اُس نے ہمیں اپنی مشقت سے بے نیاز کردیا۔ اور اگر کہے کہ اُس کے کوئی معنی ہیں تو ہم اُس سے پوچھیں گے کہ وہ کیا ہیں۔

وہ بھی اس کے سوا پائیگا جو ہم نے کہا۔ وباللہ تعالےٰ التوفیق۔ اور کیوں نہو۔ اس باب میں ہم پر جو اعتراض کیا گیا تھا ہم اُس پر وہ آیات لائے ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے ہماری تائید کی ہے۔ اس بارے میں وجہ واضح طور پر روشن ہوگئی۔ والحمد للہ رب العلمین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں جو حضرت فاطمہؓ کے بارے میں ہے کہ وہ نسائے مومنین کی یا اس امت کی خواتین کی سیدہ ہیں ایک مزید بیان دریافت ہوا ہے۔ ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ الفاظ حدیث کا لحاظ رکھنا واجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سیادت (سرداری) بیان فرمائی ہے آپ نے فضیلت ذکر نہیں فرمائی۔ حدیث عائشہؓ میں آپ نے تصریحاً فضل (فضیلت) کا ذکر فرمایا ہے جو یہ ہے "فضل عائشہ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام" (عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسی ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر)۔

سیادت اور ہے فضیلت اور ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے تمام عالموں کی عورتوں کی سیدہ (سردار) ہیں سیادت باب شرف (بزرگی) سے تو ہے مگر باب فضل (یعنی فضیلت و برتری) سے نہیں ہے۔ حدیث کے درمیان قطعاً کوئی تعارض نہیں رہا۔ والحمد للہ رب العلمین۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو لغت عربیہ میں بھی معتبر و حجت ہیں کہا ہے کہ "کان ابوبکر خیرا و افضل من معاویۃ وکان معاویۃ اسود من ابی بکر" (ابوبکرؓ معاویہؓ سے خیر و افضل تھے اور معاویہؓ ابوبکرؓ سے اسود یعنی سیادت میں زیادہ تھے) ابن عمرؓ نے جیسا کہ تم بھی دیکھتے ہو سیادت اور فضل و خیر میں فرق کیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ خیر ہی فضل و فضیلت ہے۔ اس لئے کہ جب ایک شئے دوسری شئے سے خیر (بہتر) ہے تو بے شک وہ اُس سے افضل ہے۔

اس مسئلے میں جو ہمارے مخالفین ہیں اُن میں سے ایک معترض نے

کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "لیس الذکر کالانثی" (اور مرد مثل عورت کے نہیں ہے)۔

بتوفیق الٰہی ہم نے کہا کہ اس بناء پر تم اپنے نزدیک مریمؑ و عائشہؓ و فاطمہؓ سے افضل ہوئے۔ اس لئے کہ تم مرد ہو اور یہ عورتیں ہیں۔

اُس سے کہا جائیگا کہ آیت اپنے ظاہر پر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرد مثل عورت کے نہیں ہے اس لئے کہ اگر وہ مثل عورت کے ہوتا تو عورت ہی ہوتا۔ اور عورت بھی مثل مرد کے نہیں ہے اس لئے کہ یہ عورت ہے اور وہ مرد ہے۔ یہ تو ہرگز کسی طرح کی بھی فضیلت نہیں ہے۔ اسی طرح سرخی سبزی کے مغایر ہے اور سبزی مثل سرخی کے نہیں ہے۔ اور یہ باب فضیلت میں سے نہیں ہے۔

اگر کوئی معترض اس آیت سے اعتراض کرے "للرجال علیھن درجۃ" (اور مردوں کے لئے عورتوں پر ایک درجہ ہے) اُس سے کہا جائے گا کہ یہ آیت صرف شوہروں کے حقوق کے بارے میں ہے جو ازواج پر ہوتے ہیں۔ جو اس آیت کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا چاہے تو اُسے لازم آئے گا کہ ہر یہودی و مجوسی و فاسق مرد والدۂ موسیٰؑ و والدۂ اسحاقؑ و والدۂ عیسیٰ علیہم السلام اور ازواج و بنات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو۔ اگر کوئی اس کا قائل ہو تو یہ باجماع امت کفر ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "اومن ینشأ فی الحلیۃ وھو فی الخصام غیر مبین" (کیا جو بناؤ سنگار میں پرورش پائے اور جو ابدہی و بحث میں بیان نہ کر سکے) یہ محض عورتوں کی اُس کمی کے بارے میں ہے جو اُن کے ذریعے کی قلت کی وجہ سے بحث و مباحثے میں اکثر انھیں ہوتی ہے۔ اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جو کسی صاحبِ فضیلت کی فضیلت میں کوئی کمی کر سکے۔

اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق وہ خلفائے صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی اطاعت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے"

ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم رضی سے افضل ہوئے۔ "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" (اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب حکومت ہوں ان کی اطاعت کرو)۔ بتوفیق الٰہی جواب یہ ہے کہ یہ بچند وجوہ غلط ہے۔

اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج رضی بھی منجملہ اُن صاحبان حکومت کے ہیں جو ہم میں سے ہوں۔ جن کی اطاعت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، یہ جو چیز ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پہنچائیں اس میں یہ بالکل ائمہ صحابہ رضی کے مساوی و برابر ہیں اور کوئی فرق نہیں۔ ۱۰۴

وجہ دوم۔ خلافت کسی کے فضیلت دینی کے امور میں سے نہیں ہے، یہ جس کے لئے بھی واجب ہو جائے اُس کے لئے واجب ہو جاتی ہے۔ یہی حال امارت کا بھی ہے۔ اس لئے کہ امارت تو کبھی ایسے شخص کی ہو جاتی ہے کہ دوسرا شخص اس سے افضل ہوتا ہے۔ غزوۂ ذات السلاسل میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو رضی بن العاص کو امیر بنایا تو عمر رضی اللہ عنہ، اُن کی طاعت پر مامور تھے۔ لہذا یہ باطل ہو گیا کہ طاعت افضل کے بعد افضل ہی کی واجب ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت عمرو رضی بن العاص و خالد رضی بن الولید کو امیر بنایا ہے اور ابو ذر رضی کو امیر نہیں بنایا۔ حالانکہ ابو ذر رضی بلاشک ان دونوں سے بہتر و افضل تھے۔

خلفائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوامر کی طاعت اُس وقت سے واجب ہوئی جب سے وہ والی بنائے گئے۔ نہ کہ اُس سے قبل۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس خلافت نے ان کی اُس فضیلت میں کوئی اضافہ نہیں کیا جو انھیں حاصل تھی۔ البتہ دوران خلافت میں اُن کے عدل نے ان کی فضیلت میں اضافہ کیا نہ کہ خود خلافت نے۔ ان کا عدل ان کے اُن اعمال میں داخل ہے جن کی وجہ سے یہ فضیلت کے مستحق ہوئے۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ حضرت معاویہ رضی و حضرت حسن رضی جب خلیفہ ہوئے تو ان دونوں کی اطاعت حضرت سعد رضی بن ابی وقاص پر واجب ہو گئی۔ حالانکہ حضرت سعد رضی ان دونوں سے بہجد

افضل تھے۔ وہ ان دونوں کے ہمراہ زندہ رہے اور ان دونوں کی اطاعت کے مامور و پابند تھے۔ اسی طرح کا کلام حضرت جابر و انس بن مالک و ابن عمر رضی اللہ عنہم پر عبدالملک بن مروان کی اطاعت واجب ہونے کے بارے میں ہے۔ وہ فرق جو جابرؓ و انسؓ و ابن عمرؓ کی اور عبدالملک بن مروان کی فضیلت میں ہے وہ اتنا ہی ہے جتنا نور و ظلمت کے درمیان ہے۔ لہٰذا خلفاء و حکام کی طاعت کا واجب ہونا ان کی فضیلت جنت کا موجب نہیں ہے۔

اگر کوئی معترض اس کلام الٰہی سے اعتراض کرے کہ "والذین آمنوا واتبعتہم ذریتہم بایمان الحقنا بہم ذریتہم وما التناہم من عملہم من شیٔ کل امرئ بما کسب رہین" (اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی ذریت نے ایمان میں اُن کی پیروی کی ہم اُن کی ذریت کو اُن کے ساتھ ملا دیں گے اور اُن کے عمل میں کچھ بھی کمی نہ کریں گے۔ ہر شخص جو حاصل کرے وہ اسی میں گروی ہے) اُس کے اعتراض کا بیان آخر آیت میں ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ اولاد کا باپ کے ساتھ ملانا اس کا مقتضی نہیں کہ وہ اُن کے ساتھ ایک ہی درجے میں ہوں اور نہ یہ نص آیت سے سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ بنص آیت ذریت کا باپ سے جنت میں الحاق انہیں امور میں ہوگا جن میں یہ لوگ اُن کے مساوی ہوں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے اسے اپنے اس کلام سے واضح کر دیا اور ہمیں کسی شک میں نہیں چھوڑا "وکل امرئ بما کسب رہین" (ہر شخص اس میں رہن و گروی ہے جو اُس نے حاصل کیا ہے)۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ باپ بیٹوں میں سے ہر ایک کو اُس کے مناسب جزا دی جائے گی جو اُس نے حاصل کیا ہے۔

ازواجِ مطہرات کا حکم ایسا نہیں ہے بلکہ ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ساتھ آپ کے محلات اور آپ کے تختوں پر ہوں گی آپ ان سے اور اُن کے ساتھ لطف اندوز ہوں گے۔ یہ سب اُن کے اعمال خیر و صدقہ و صبر اور اللہ و رسولؐ اور دارِ آخرت کے اختیار کرنے کی وجہ سے بطور جزا کے ہوگا یہ وہ مرتبہ ہے جس میں انبیاء و مرسلین کے بعد بجز ان کے کوئی داخل نہ ہوگا۔

یہ سب کی سب تمام انبیاء علیہم السلام کے علاوہ سب سے افضل ہوئیں۔

اگر کوئی فریب دینے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے فریب دے کہ "میں نے تم عورتوں سے زیادہ ناقص عقل و دین اور ہوشیار آدمی کی عقل کو لوٹنے والا کوئی نہیں دیکھا" ہم بتوفیق الٰہی اُس سے کہیں گے کہ اگر اُس حدیث کو تم اس کے ظاہر پر محمول کرو گے تو لازم آئے گا کہ یہ کہو کہ تمہاری عقل والدۂ اسحاقؑ و والدۂ موسیٰؑ و مریمؑ و عائشہؓ و فاطمہؓ سے زیادہ کامل ہے۔ اگر وہ اسی بات پر اڑا رہے تو اُس سے گفتگو ختم ہو گئی۔ اور وہ کفر سے دور نہ رہا۔ اگر وہ مان لے تو اُس نے خود اپنے اعتراض کو ساقط کر دیا۔

یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ بعض مرد بھی ایسے ہوتے ہیں جو بہت سی عورتوں سے عقل و دین میں ناقص ہوتے ہیں۔ اگر وہ اس حدیث کے معنی دریافت کرے تو اُس سے کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نقص کی وجہ بیان کر دی ہے، اور وہ عورت کی شہادت کا مرد کی شہادت سے نصف ہونا ہے اور حالت حیض میں عورت کا نماز روزے کا ترک کرنا ہے۔ یہ نہ تو نقصان فضیلت کا موجب ہے اور نہ ان دونوں وجوہ کے علاوہ نقصانِ دین و عقل کا موجب ہے۔ کیونکہ ہم بداہی طور پر جانتے ہیں کہ عورتوں میں وہ بھی ہیں جو بہت سے مردوں سے افضل اور سوائے وجوہ مذکورۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مردوں سے عقل و دین میں کامل تر ہوتی ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق ہی فرماتے ہیں۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ آنحضرت علیہ السلام نے جو کچھ تعبیر فرمایا ہے اُسے خود اسی حدیث میں بیان کر دیا ہے اور وہ شہادت وحیض ہے۔ اور یہ وہ چیز نہیں جس سے فضیلت کم ہو جائے۔ ہم جانتے ہیں کہ ابو بکرؓ و عمرؓ و علیؓ اگر زنا کے بارے میں شہادت دیں تو ان کی شہادت پر فیصلہ نہ کیا جائے گا (اس لئے کہ شہادت زنا کے لئے کم از کم چار مرد ہونا چاہیے۔ اور یہ تین ہی ہوئے) اگر ہم میں سے چار شخص جو بظاہر عادل ہوں اس کے متعلق شہادت دیں تو ان کی شہادت پر فیصلہ کیا جائے گا۔ حالانکہ یہ اس امر کا موجب نہیں کہ

ہم لوگ مذکورۂ بالا حضرات سے افضل ہو جائیں۔
اسی طرح کا کلام عورتوں کی شہادت کے بارے میں بھی ہے۔ ۱۰۵
کیونکہ شہادت بھی نہ آنے میں نہ جانے میں باب تفاضل سے نہیں ہے۔ لیکن ہم اس میں بھی وہیں ٹھیرتے ہیں جس کی حد نص ہے۔ کسی مسلم کے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی صحابیات میں سے جو آپ کی بیویاں اور بیٹیاں ہیں مثلاً خدیجہؓ و عائشہؓ وام سلمہؓ و فاطمہؓ تو یہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں دین و مرتبے میں ہر اس تابعی سے افضل ہیں جو ان کے بعد آئے اور ہر اس شخص سے افضل ہیں جو اس امت میں قیامت تک آئے۔ لہذا جو اعتراض حدیث مذکور سے تھا وہ باطل ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ اس کا مطلب ہمارے بیان و تفسیر ہی کے مطابق ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔
نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "یا نساء النبی لستن کاحد من النساء" (اے ازواج نبیؐ تم لوگ اور کسی عورت جیسی نہیں ہو) ان کو مذکورۂ بالا اعتراض اور اس قسم کے شبہات سے تمام عورتوں سے مستثنیٰ کرنے اور نکالنے والا ہے۔
اگر کوئی معترض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے اعتراض کرے کہ "مردوں میں تو بہت سے کامل ہوئے۔ اور عورتوں میں سوائے مریمؑ بنت عمران و زوجۂ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہوئی"، تو ہم کہیں گے کہ یہ کمال صرف رسالت و نبوت ہے جس میں تنہا مرد کامل ہوئے (اور بعض عورتیں نبوت میں ان کی شریک ہو گئیں۔ اور لوگ نبوت کی فضیلت میں بھی کم و بیش ہوتے ہیں۔ بعض انبیا بعض سے کامل تر اور بعض رسول بعض سے کامل تر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض۔ منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات" (ان رسولوں میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے بعض سے اللہ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجات بلند کئے) اس حدیث میں صرف اُن کا ذکر کیا گیا ہے جو اپنے طبقے میں انتہائی کمال کو پہنچے اور ان کے طبقے میں سے کوئی اُن سے آگے نہ بڑھا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اگر کوئی معترض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اعتراض کرے کہ " وہ قوم فلاح نہیں پاتی جو اپنے امور عورت کے سپرد کردے " (لا یفلح قوم اسند وا امرھم الی امراۃ) تو اس حدیث سے بھی اس کی حاجت روائی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ عورتوں میں حکومت کا ممنوع ہونا اُن کی فضیلت کی کمی کا موجب نہیں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ابن مسعود بلال وزید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کا خلافت میں کچھ بھی حصہ نہ تھا اور یہ اس کا موجب نہیں کہ حسنؓ و ابن زبیرؓ و معاویہؓ ان سے افضل ہو جائیں۔ حالانکہ ان لوگوں میں خلافت تھی رہی اور اُن میں خلافت نہیں تھی۔ فضیلت میں اُن کا وہ حصہ ہے جس سے کوئی مسلمان ناواقف نہیں۔

آپ کی ازواج میں سب سے افضل عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنہما ہیں، اس لئے کہ ان کے بڑے بڑے فضائل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ کو عائشہؓ سب سے زیادہ محبوب ہیں اور تمام عورتوں پر اُن کی فضیلت ایسی ہی ہے جیسی ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہؓ بنت خویلد کا ذکر کیا تو فرمایا کہ اپنے طبقے کی عورتوں میں سب سے افضل مریمؑ بنت عمران (والدۂ حضرت عیسیٰؑ) تھیں۔ اور اپنے طبقے کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہؓ بنت خویلد تھیں۔ اس کے باوجود اسلام میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پیشقدمی اور اُن کا ثبات و استقلال بھی تھا۔ ام سلمہؓ و سودہؓ و زینب بنت جحشؓ و زینبؓ بنت خزیمہ و حفصہؓ کی اسلام میں عظیم الشان پیشقدمیاں تھیں ان لوگوں نے اللہ و رسول کے بارے میں مشقتیں برداشت کیں، ہجرت کی، غریب الوطنی اختیار کی۔ اسلام کی طرف دعوت دیتی رہیں اور اللہ و رسولؐ کے بارے میں مصیبت اٹھائی۔ اس کے بعد ان سب کے لئے کھلی ہوئی فضیلت ہے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

اس مسئلے میں ہمیں یقین ہے کہ اللہ کے نزدیک ہمیں حق پر ہیں اور جو ہمارا مخالف ہے بلاشک وہ اللہ کے نزدیک غلطی پر ہے یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جس میں قطعاً کسی شک کی گنجائش ہو۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم سے پہلے بھی کوئی اس کا قائل ہوا ہے۔؟ تو فیق الٰہی ہم اُس سے کہیں گے کہ اب جو ہمارا مخالف ہے آیا اس سے پہلے بھی کسی نے اس کے سوا کہا ہے۔ ہمیں ضروری طور پر معلوم ہے کہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بلا شک فضیلت میں خاص مرتبہ ہے۔ لہذا اُس سے بحث کرنا ضروری ہے۔

ہمارے مخالف کو بتانا چاہیے کہ ہم ازواج مطہرات کو کس مرتبے میں رکھیں۔ آیا تمام صحابہؓ کے بعد۔ اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں۔ یا صحابہؓ کے ایک گروہ کے بعد۔ تو اس پر کیا دلیل ہے۔ اور اس کی دلیل کے وجود کا امکان نہیں۔ چونکہ یہ دونوں قول باطل ہو گئے۔ ایک تو اُس پر اجماع ہے کہ یہ باطل ہے۔ اور دوسرا اس لیے کہ یہ ایک دعویٰ ہے جس پر نہ کوئی دلیل ہے نہ برہان۔ اب صرف ہمارا ہی قول رہ گیا۔ والحمد للہ رب العلمین الموفق للصواب بفضلہ۔ (سب تعریفیں اسی اللہ پروردگار عالم کے لئے ہیں جو اپنے فضل سے صواب و درستی کی توفیق دینے والا ہے)۔

ہم کہتے ہیں اور اللہ ہی سے مدد کے طالب ہیں کہ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے لوگوں کو خطبہ سنایا فرمایا کہ "اے لوگو میں
۱۰۶ تمہارا والی بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں" لہذا ثابت ہو گیا کہ اُنھوں نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے اس کا اعلان کر دیا کہ وہ اُن سے بہتر نہیں ہیں۔ اور اُن میں سے کسی صحابیؓ نے اس قول کا انکار نہیں کیا۔ اس نے اس پر دلالت کی کہ سب نے ابو بکرؓ کی بات مان لی۔ جو لوگ اُن کے خطبے میں حاضر تھے اُن میں سے بجز علیؓ و ابن مسعودؓ و عمرؓ کے اور کسی کے بارے میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ وہ ابو بکرؓ سے بہتر ہے۔ اہل سنت و مرجیہ و معتزلہ میں سے وہ تمام جو اس مسئلے میں ہمارے مخالف ہیں۔ اس میں اختلاف نہیں کرتے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت علیؓ

وابن مسعود وعمر رضی اللہ عنہم سے افضل و بہتر ہیں۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہی رہ گئیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ ابوبکرؓ نے محض تواضع سے یہ کہا ہے۔ تو ہم اُس سے کہیں گے کہ یہ تو یقیناً باطل ہے۔ اس لئے کہ وہ صدیقؓ جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام سے نامزد کیا ناممکن ہے کہ وہ جھوٹ بولیں۔ وہ اس سے بری ہیں۔ وہ حق وصدق ہی کہتے تھے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ صحابہؓ زیادہ تر اس بارے میں اُن کی تصدیق پر متفق تھے۔ چونکہ یہ ایسا ہے اور یہ تو واضح برہان سے رد ہوچکا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر ہو تو صرف ازواجؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی باقی رہ گئیں۔ اور واضح ہوگیا کہ اگر ہم یہ کہیں کہ اس مسئلے پر جمہور صحابہؓ کا اجماع ہے تو یہ صدق سے بعید نہ ہوگا۔

مروی ہے کہ عمار بن یاسر وحسنؓ بن علیؓ علیؓ کو ابوبکرؓ صدیقؓ وعمرؓ پر فضیلت دیتے تھے۔ اور مروی ہے کہ جس وقت ام المومنین حضرت عائشہ مکے سے بصرے روانہ ہوئیں تو علیؓ بن ابی طالب نے عمارؓ بن یاسر وحسنؓ بن علیؓ کو کوفے بھیجا۔ جب یہ دونوں کوفے پہنچے تو لوگ مسجد میں ان کے پاس جمع ہوگئے۔ عمار نے انھیں خطبہ سنایا اور اُن سے ام المومنین حضرت عائشہؓ کی بصرے کی روانگی کا ذکر کرکے کہا کہ میں تم لوگوں سے کہتا ہوں اور واللہ میں خوب جانتا ہوں کہ عائشہؓ بیشک جنت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں جیسا کہ وہ دنیا میں آپ کی زوجہ ہیں۔ لیکن اللہ نے اُن کے ذریعے سے تمھارا امتحان لیا ہے کہ یا تو تم عائشہؓ کی اطاعت کرو یا علیؓ کی عمار سے مسروق یا ابوالاسود یا ابوالیقظان نے کہا کہ ہم تو اُن کے ساتھ ہیں جن کے لئے آپ نے جنت کی شہادت دی ہے نہ کہ ان کے ساتھ جن کے لئے آپ نے جنت کی شہادت نہیں دی تو عمارؓ خاموش ہوگئے حسنؓ نے ان سے کہا کہ "تم اپنی خیر مناؤ ہم سے سروکار نہ رکھو" (اَغْنِ نَفْسَكَ عَنَّا) یہی عمار وحسنؓ اور حاضرین صحابہؓ وتابعین کہ اُس

زمانے میں کوفہ ان حضرات سے بھرا ہوا تھا، علیؓ پر عائشہؓ کی تفضیل کو سنتے ہیں۔ عمارؓ و حسنؓ کے نزدیک علیؓ ابو بکرؓ و عمرؓ سے بہتر ہیں۔ مگر اس کا انکار نہیں کرتے اور نہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ انھیں اس کے انکار کی سخت ضرورت تھی۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ یہ سب حضرات اس پر متفق تھے کہ حضرت عائشہؓ اور آپ کی تمام ازواجؓ انبیاء کے بعد سب لوگوں سے افضل تھیں۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ جو فرمایا تھا کہ میں تمھارا والی و خلیفہ بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں۔ یہ حق و صدق کے طور پر فرمایا تھا نہ کہ تواضع کے طور پر کہ وہ اس امر میں غلط بیانی کرتے۔ حالانکہ وہ اس سے بری ہیں۔ اس کی دلیل ابو سعید الخدری کی روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں سب سے زیادہ مستحقِ خلافت نہیں ہوں۔ کیا میں سب سے پہلا مسلم نہیں ہوں۔ کیا میں فلاں امر کا اہل نہیں ہوں، وغیرہ۔

یہی ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے فضائل بیان کرتے ہیں اور وہ اس میں سچے ہیں۔ اگر وہ اُن سب سے افضل ہوتے تو ضرور اسے ظاہر کرتے اور نہ چھپاتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کذب سے پاک رکھا ہے۔ لہذا ہمارا قول نصاً و تصریحاً ثابت ہوگیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

اس کے بعد اس شخص کے بارے میں کلام ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجؓ کے بعد تمام صحابہؓ میں کون افضل ہے۔

۱۰۷ جو لوگ ابن مسعودؓ یا عمرؓ یا جعفرؓ بن ابی طالب یا ابو سلمہؓ کو یا تینوں اہلبیتین کو تمام صحابہؓ پر فضیلت دیتے ہیں ہم نے اُن کی کوئی ایسی حجت نہیں پائی جس پر اعتماد کیا جائے۔

جو لوگ توقف کرتے ہیں ہم نے ان کی اُس سے زیادہ حجت نہیں پائی کہ اُن کے لئے کوئی برہان واضح نہیں کہ یہ لوگ افضل ہیں۔ اگر انھیں تشفی ہوتی تو ضرور اس کے مطابق قائل ہوتے۔

جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ علیؓ افضل ہیں ہم نے اُن میں معارضہ و اختلاف اور اُن کی تعداد زیادہ پائی۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ میں وہ سب امور لاؤں جن سے ان لوگوں نے فریب کاری کی ہے کہ اس میں جو حق ہے وہ واضح ہو جائے۔ وباﷲ تعالیٰ توفیق۔

ہم نے انھیں استدلال کرتے پایا کہ علیؓ کا جہاد اور کفار میں نیزہ بازی و تیغ زنی سب صحابہؓ سے زیادہ ہے۔ اور جہاد افضل اعمال ہے۔

یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ جہاد بھی تین قسموں پر منقسم ہے۔

اول۔ زبان سے اللہ کی طرف دعوت دینا۔

دوم۔ جنگ کے وقت رائے و تدبیر سے جہاد۔

سوم۔ ہاتھ سے جہاد۔ نیزہ بازی و تیر اندازی و شمشیر زنی۔

زبانی جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم کسی کو بھی نہیں پاتے جو اس میں ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ شامل ہو سکے۔ ابوبکرؓ کے ہاتھ پر اکابر صحابہؓ اسلام لائے۔ یہ عمل افضل ہے۔ اور اس میں علیؓ کا حصہ زیادہ نہیں ہے۔

عمرؓ جس روز سے اسلام لائے اسلام کو غلبہ و عزت حاصل ہوئی۔ مکے میں علانیہ اللہ تعالےٰ کی عبادت ہونے لگی۔ انھوں نے مکے میں اپنے ہاتھوں سے مشرکین سے جہاد کیا مارا بھی اور خود بھی مار کھائی۔ یہاں تک کہ کفار اُکتا گئے اور انھیں چھوڑ دیا۔ انھوں نے علانیہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کی۔ اور یہ سب سے بڑا جہاد ہے۔ ان دونوں جہادوں میں یہی دونوں حضرات یکتا و تنہا ہیں۔ ان دونوں کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ اور اس میں علیؓ کا بالکل کوئی حصہ نہیں ہے۔

رہ گئی دوسری قسم وہ رائے و مشورہ ہے۔ ہم نے اس کو خالص ابوبکرؓ کے لئے پایا، اس کے بعد عمرؓ کے لئے۔

تیسری قسم۔ نیزہ بازی و شمشیر زنی اور باہمی جنگ ہے۔ ہم نے اسے ایک بدیہی برہان سے مراتب جہاد میں نہایت ادنیٰ پایا۔ وہ برہان یہ ہے کہ

کسی مسلم کے نزدیک کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فضیلت میں مخصوص ہیں۔ اکثر اعمال و احوال میں ہم نے آپ کے جہاد کو پہلی دونوں قسموں میں پایا۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت و تبلیغ۔ اور دوسرے تدبیر و ارادہ نیزہ بازی و تیغ زنی و باہمی جنگ آپ کا قلیل ترین عمل تھا۔ یہ بزدلی کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روئے زمین میں یقیناً سب سے زیادہ بہادر و شجاع تھے۔ اپنی ذات سے بھی اور ہاتھ سے بھی۔ آپ تمام انسانوں سے زیادہ بہادری کے ساتھ دشوار سے دشوار امور کے انجام دینے والے تھے۔ لیکن آپ فعل افضل کو اس کے بعد فاضل کو اختیار فرمایا کرتے، اسی پر پسندیدگی فرماتے اور اسی میں مشغول ہوتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ بدر وغیرہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ سے جدا نہ ہوتے تھے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو ان کے لئے پسند فرمایا تھا۔ جنگ میں آپ ان کی رائے سے مدد لیتے تھے۔ ان کے موجود رہنے سے آپ کی دل بستگی رہتی تھی۔ عمرؓ بھی اکثر اس میں شریک کر لئے جاتے تھے۔ بجز شاذونادر حالات کے اس مقام میں بغیر علیؓ اور بغیر تمام صحابہؓ کے ابو بکرؓ ہی منفرد و یکتا تھے۔

ساتھ ہی ہم نے اس قسم جہاد میں غور کیا جو نیزہ بازی و شمشیر زنی و باہمی جنگ ہے۔ ہم نے علی رضی اللہ عنہ کو اس کی فضیلت میں بھی یکتا نہیں پایا۔ بلکہ اس میں بھی دوسرے لوگ ان کے برابر کے شریک ہیں۔ مثلاً طلحہؓ و زبیرؓ و سعدؓ۔ اور وہ لوگ جو شروع اسلام میں قتل کر دیے گئے مثلاً حمزہؓ و عبیدہؓ بن الحارث بن المطلب و مصعبؓ بن عمیر۔ اور انصار میں سے سعدؓ بن معاذ و سماکؓ بن خرسہ وغیرہما۔ اس میں بھی ابو بکرؓ و عمرؓ کو ایک اچھے خاصے حصے کے ساتھ علیؓ کا ہم شریک پاتے ہیں۔ اگرچہ دونوں حضرات ان تمام حضرات کے حصوں میں شامل نہیں ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی و معیت اور جنگ کے وقت حالات کے اندازہ کرنے میں مشغول رہتے تھے جو

افضل عمل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو لشکروں پر امیر بنا کر اس سے بہت زیادہ بھیجا ہے جتنا آپ نے علیؓ کو بھیجا ہے۔ آپ نے ابو بکرؓ کو بنی فزارہ کی طرف بھیجا اور عمرؓ کو بنی فلاں کی طرف۔ ہمیں علیؓ کے بھیجنے کا علم نہ ہوا بجز خیبر کے ایک قلعے کے جسے علیؓ نے فتح کیا۔ اس کے قبل آپ ابو بکرؓ و عمرؓ کو بھیج چکے تھے مگر یہ غیر مفتوح رہا تھا۔ ابو بکرؓ و عمرؓ کو جہاد کی چاروں قسمیں حاصل تھیں، اور جہاد کی کمتر ین قسم میں بھی وہ علیؓ کے شریک تھے جس میں اور جماعت بھی علیؓ کی شریک تھی

قائل نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ علیؓ کا علم سب صحابہؓ سے زیادہ تھا۔

یہ جھوٹا ہے۔ صحابیؓ کا علم صرف دو ہی وجوہ سے معلوم ہو سکتا ہے جس کی کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی۔

ایک اُن کی روایت وفتاویٰ کی کثرت۔ ۱۰۸

دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بکثرت انھیں عامل بنانا۔ کیونکہ یہ محال ہے و باطل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے کو عامل بنائیں جسے علم نہ ہو۔ یہ اُس کے وسعت علم کی بہت بڑی شہادت ہے۔

ہم نے اس میں غور کیا تو یہ پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پورے زمانہ مرض میں اپنے سامنے ہی ابو بکرؓ کو خلیفۂ نماز بنایا۔ حالانکہ تمام اکابر صحابہؓ موجود تھے۔ مثلاً علیؓ و ابن مسعودؓ و عمرؓ و ابی بن کعب وغیرہم۔ اس امر میں آپ نے ابو بکرؓ کو سب پر ترجیح دی۔ یہ ویسا نہیں ہے کہ آپ نے جب کوئی غزوہ کیا تو کسی کو نائب بنایا۔ اس لئے کہ غزوے کے موقع پر آپ نے جس کو نائب بنایا وہ صرف عورتوں اور معذوروں پر نائب ہوتا تھا۔ لہذا ضروری طور پر یہ لازم آگیا کہ ہم یہ جان لیں کہ ابو بکرؓ نماز و احکام نماز کے سب سے بڑے عالم تھے اور اصحابؓ مذکورۂ بالا سے زیادہ عالم نماز تھے۔ حالانکہ یہ دین کا ستون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کو عامل صدقات بنایا۔ اس سے یہ لازم آیا کہ ابو بکرؓ

کو علم صدقات بھی اتنا ہی تھا جتنا دوسرے علمائے صحابہ کو نہ کہ اس سے کم۔ اور اکثر تو وہ زیادہ ہی علم رکھتے تھے۔ کیونکہ آنحضرت علیہ السلام نے اوروں کو بھی عامل صدقات بنایا ہے۔ آنحضرت کسی کو عامل بناتے تھے تو عالم ہی کو بناتے تھے۔

نماز کے بعد زکوۃ بھی ارکان دین میں سے ہے۔ یہ برہان کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ، علم صدقات کے مکمل عالم تھے، وہ احادیث ہیں جو زکوۃ کے بارے میں آئی ہیں جن میں صحیح ترین حدیث جس سے علم ضروری حاصل ہو جاتا ہے اور جس کے خلاف جائز نہیں، وہ حدیث ابو بکرؓ ہے پھر وہ حدیث ہے جو عمرؓ کے طریق سے آئی ہے، لیکن جو علیؓ کے طریق سے آئی ہے وہ مضطرب ہے (حدیث مضطرب وہ حدیث ہے جس میں ایک ہی حدیث کے متعلق راویوں کے بیان مختلف ہوں) اور اس حدیث کی سند میں وہ عیب ہے جس کی وجہ سے اسے فقہاء نے بالکل ترک کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ پچیس اونٹ کی زکوۃ پانچ بکریاں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کو عامل حج بنایا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ حج کے بھی سب صحابہ سے زیادہ عالم تھے۔ اور یہ ارکان اسلام ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں لشکروں پر عامل بنایا ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ ابو بکرؓ کو بھی اتنا ہی احکام جہاد کا علم تھا جتنا کہ ان صحابہ کو جن کو آپ نے جہاد کے لشکروں پر عامل بنایا تھا۔ کیونکہ آپ کسی کام پر بجز اس کام کے عالم کے کسی کو عامل نہیں بناتے تھے۔ لہذا ابو بکرؓ کو بھی جہاد کا اتنا ہی علم تھا جتنا علیؓ کو اور تمام امرائے لشکر کو تھا نہ کم نہ زیادہ۔ چونکہ ابو بکرؓ کا نماز و زکوۃ و حج کے علم میں علیؓ وغیرہ پر تقدم و شرف ثابت ہو چکا اور وہ علم جہاد میں علیؓ کے مساوی تھے تو ظاہر ہے کہ علم ابی بکرؓ عمدہ و بہترین علم ہوا۔

ہم نے پایا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے اٹھتے بیٹھتے سفر و حضر میں

اپنے ساتھ ابو بکرؓ کو اس طرح رکھا کہ وہ آپ کے احکام و فتاوی کا اس سے زیادہ مشاہدہ کرتے رہے جتنا کہ علیؓ نے اس کا مشاہدہ کیا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ابو بکرؓ اس کے بھی سب سے بڑے عالم تھے۔ کیا علم کا اب کوئی حصہ ایسا رہ گیا ہے کہ ابو بکرؓ اس میں سب سے بڑھے ہوئے نہ ہوں جن کے ساتھ نہ کوئی شامل ہو، نہ شریک ہو، اور نہ آگے ہو۔ لہذا علم کے بارے میں ان کا جو دعویٰ تھا وہ باطل ہو گیا والحمد للہ رب العلمین۔

روایت و فتوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ صرف ڈھائی برس زندہ رہے۔ سوائے حج یا عمرے کے انھوں نے کبھی مدینہ نہیں چھوڑا۔ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایت تھی لوگ اس کے محتاج بھی نہ تھے اس لئے کہ جو لوگ ابو بکرؓ کے آس پاس تھے ان سب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تھا۔ ان تمام امور کے باوجود ابو بکرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سو بیالیس ۱۴۲ مسند حدیثیں روایت کی ہیں۔

علیؓ نے صرف پانچ سو چھیاسی ۵۸۶ مسند حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے تقریباً پچاس صحیح ہیں۔ حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس برس سے زیادہ زندہ رہے۔ لوگوں کی بکثرت ان سے ملاقات ہوئی۔ اعیان صحابہ رضی اللہ عنہم کے گذر جانے کی وجہ سے جو علم ان کے پاس تھا لوگوں کو اس کی بہت ضرورت تھی اور اطراف عالم کے لوگوں نے بکثرت ان کے علوم سنے۔ کبھی صفین میں، سالہا سال کوفے میں، کبھی بصرے اور مدینے میں۔

جب ہم ابو بکرؓ کی مدت حیات کا تناسب دیکھتے ہیں اور علیؓ کا ایک ایک شہر کے گشت کو اور لوگوں کے بکثرت ان سے سننے کو ابو بکرؓ کے مدینۂ نبوی سے وابستہ رہنے اور ان کے آس پاس والوں کے ان کی روایت سے بے نیاز ہونے پر نظر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم عدد حدیث کا عدد حدیث سے اور فتاوی کا فتاوی سے مقابلہ کرتے ہیں، تو ہر ایسا شخص جسے علم کا کچھ بھی حصہ حاصل ہے وہ جان لے گا کہ جو علم ابو بکرؓ کا تھا وہ بدرجہا علیؓ کے

علم سے زائد تھا۔ ۱۰۹

برہان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جنہیں تھوڑی ہی عمر دی گئی اُن سے نقل وروایت بھی تھوڑی ہی ہے۔ جن کی عمر طویل ہوئی اُن کی نقل بھی کثیر ہے، بجز معدودے چند کے جو کسی اور کو لوگوں کی تعلیم کے لئے نائب بنا کر بے نیاز ہو گئے تھے۔

عمرؓ بن الخطاب کے بعد علیؓ چند ماہ کم سترہ برس زندہ رہے۔

مسند عمر پانچ سو سینتیس حدیثیں ہیں جن میں سے بالکل علیؓ کے برابر برابر تقریباً پچاس حدیثیں صحیح ہیں۔ اس مدت طویلہ میں علیؓ کی حدیث کا عمرؓ کی حدیث پر جو کچھ اضافہ ہوا وہ صرف انچاس حدیثیں ہیں۔

حدیث صحیح میں عمرؓ کی حدیث سے صرف ایک یا دو حدیث کا اضافہ ہوا۔

ابواب فقہ میں عمرؓ کے فتاوی علیؓ کے فتاوی ہم وزن ہیں۔

جب ہم نے ایک مدت کو دوسری مدت سے نسبت دی، مسافروں کی طرح شہروں میں سفر کیا، حدیث کو حدیث سے اور فتاوی کو فتاوی سے نسبت دی تو ہر صاحب حس کو بدیہی طور پر معلوم ہو گیا کہ عمرؓ کا جو علم تھا وہ علیؓ کے علم سے بدرجہا زائد تھا۔

اس کے بعد ہم نے یہ حالت پائی کہ جوں جوں زمانہ دراز ہوتا گیا لوگوں کو صحابہ کے علوم کی حاجت بھی بڑھتی گئی۔ ہم نے مسند عائشہؓ میں دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) حدیثیں پائیں۔ مسند ابو ہریرہ میں پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں۔ مسند ابن عمرؓ و مسند انسؓ دونوں میں ہر ایک کی قریب قریب عائشہ کے برابر حدیثیں پائیں۔ مسند جابر بن عبداللہ و مسند عبداللہ بن عباس میں ہر ایک کی پندرہ پندرہ سو سے زائد حدیثیں اور ابن مسعود کی آٹھ سو نو حدیثیں پائیں۔ مذکورۂ بالا حضرات کے سوائے ابو ہریرہ وانس بن مالک کے فتاوی بھی علیؓ کے فتاوی سے زائد یا برابر ہیں۔ لہٰذا اس بیحیا جاہل گروہ کا قول باطل ہو گیا۔

اگر کوئی ہٹ دھرمی کرنے والا اس باب میں ہم سے جھگڑا کرے تو وہ جاہل یا بیحیا ہے، اُس کا کذب وجہل روشن ہو چکا ہے۔ کیونکہ ہم لوگوں پر نہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو اُس کے مرتبے سے گرانے کی تہمت ہے اور نہ کسی کو اُس کے مرتبے سے بڑھانے کی۔ معاذاللہ اگر ہم علی رضی اللہ عنہ سے منحرف ہوتے تو لامحالہ اُن کے بارے میں خوارج کا مذہب اختیار کرتے۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں اس تعصب کی گمراہی سے پاک کیا ہے۔ اگر ہم اُن کے بارے میں غلو کرتے اور حد سے بڑھتے تو مذہب شیعہ اختیار کرتے۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں تعصب کی اس تہمت سے بھی پناہ دی ہے۔

اغیار جو یا تو علیؓ سے منحرف ہیں یا اُن کے معاملے میں غلو و مبالغہ کرنے والے ہیں ان کے بارے میں وہی متہم و مشتبہ ہیں کہ یا تو وہ اُن کی موافقت میں ہیں یا مخالفت میں۔ ان تمام امور کے بعد کوئی ایسا شخص جو اپنے کو اسلام کی طرف منسوب کرتا ہے اس پر قادر نہیں کہ وہ اس استدلال کی مخالفت کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض امور دین پر بعض صحابہ کے عامل بنانے سے اُن صحابہ کے کثرت علم پر کیا گیا ہے۔

اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو اخماس (مال غنیمت کے پانچویں حصوں) پر اور قضائے یمن (یعنی عدالت یمن) پر عامل بنایا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔ لیکن ابوبکرؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کا مشاہدہ کرنا ہی زبردست علم تھا۔ اور اُس سے زیادہ پائدار تھا جو علیؓ کے پاس تھا جب وہ یمن میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو لشکروں پر عامل بنایا ہے جن میں اخماس بھی تھے۔ لہذا بلاشک احکام اخماس میں بھی ابوبکرؓ کا علم علیؓ کے علم کے مساوی ہو گیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کو کسی چیز پر عامل بناتے تھے اُس کے عالم ہی کو بناتے تھے۔

یہ بھی ثابت ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ بھی اس کو جانتے تھے۔

یہ محال ہے کہ آپ اس کو اس حالت میں بھی ان کے لئے جائز رکھتے کہ ان دونوں کے سوا دوسرے لوگ ان سے زیادہ عالم ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے یمن پر علیؓ کے ساتھ معاذ بن جبل وابوموسیٰ الاشعری کو بھی عامل بنایا ہے۔ علیؓ کے تو اس میں بہت سے شریک ہیں جن میں ابوبکرؓ وعمرؓ بھی ہیں، مگر ابوبکرؓ اکثر و بیشتر علوم میں منفرد و یکتا ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

قائل نے یہ بھی کہا ہے کہ علیؓ سب صحابہ سے زیادہ قرآن جانتے تھے۔ اور سب سے بڑے قاری تھے۔

یہ قصہ بھی (صدق سے) خالی اور بہتان ہے۔ جس کی چند وجوہ ہیں۔

اول یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رد ہے اس لئے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ "قوم کی امامت وہ کرے جو سب سے بڑا قاری ہو۔ اگر سب مساوی ہوں تو جو سب سے زیادہ عالمِ فقہ ہو۔ اگر سب مساوی ہوں تو جو ہجرت میں سب سے مقدم ہو"۔ ہم پاتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام نے اپنے زمانۂ مرض کی پوری مدت بھر ابوبکرؓ کو نماز کا امام رکھا۔ حالانکہ علیؓ بھی موجود تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں رات دن دیکھا کرتے تھے۔ مگر آنحضرت علیہ السلام نے نماز کے لئے ابوبکرؓ سے زیادہ کسی کو اس کا مستحق نہیں سمجھا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ابوبکرؓ ہی سب سے زیادہ قاری، سب سے زیادہ فقیہ، اور سب سے پہلے ہجرت کرنے
والے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو پورے قرآن کا حافظ نہیں ہوتا وہ 110
اُس سے زیادہ قاری ہوتا ہے جو پورے قرآن کا حافظ ہو۔ وہ الفاظ قرآن خوب ادا کرتا ہے اور اُس کی ترتیل سب سے اچھی ہوتی ہے۔

یہ اس کے علاوہ ہے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ وعلیؓ میں سے کسی نے بھی بظاہر پورے قرآن کی سورتوں کے پورے حصے حاصل نہیں کئے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو نماز کے لئے بڑھانے سے

حالانکہ علیؓ موجود تھے۔ یقیناً واجب ہوگیا کہ ابوبکرؓ ہی علیؓ سے زیادہ قاری تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نہ تھے کہ امامت کے لئے زیادہ قاری سے کم قاری کو مقدم کر دیتے یا کم فقیہ کو زائد فقیہ پر مقدم کر دیتے۔ لہٰذا اس باب میں بھی ان لوگوں کا فریب باطل ہوگیا والحمد للّٰہ رب العلمین۔

ان میں سے کسی قائل نے یہ بھی کہا ہے کہ علیؓ سب صحابہ سے زیادہ متقی تھے۔

یہ تہمت لگانے والا جھوٹا ہے۔ بیشک علی رضی اللہ عنہ تقی و متقی تھے مگر فضائل میں لوگ باہم کم و بیش ہوتے ہیں۔ صحابہؓ میں سب سے زیادہ متقی اور اللہ سے ڈرنے والا اور اتقیٰ ابوبکرؓ ہی تھے۔ برہان یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے کبھی ایک حرف سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناخوش نہیں کیا۔ نہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارادے کی مخالفت کی۔ نہ آپ کی تصدیق میں تاخیر کی۔ اور نہ واقعۂ حدیبیہ میں آپ کا حکم ماننے میں تردد کیا جب کہ بعض لوگوں نے تردد کیا تھا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جب علیؓ نے دختر ابوجہل سے نکاح کا ارادہ کیا ہے تو منبر پر اُن کی جو شکایت کی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

ہم نے ابوبکرؓ کا کسی ایسی چیز سے توقف نہیں پایا جس کا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو۔ بجز ایک مرتبہ کے۔ کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا عذر قبول فرما لیا اور اُن کے فعل کو جائز رکھا۔ وہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے تشریف لائے تو آپ نے ابوبکرؓ کو لوگوں کو نماز پڑھاتے ہوئے پایا۔ جب ابوبکرؓ نے آپ کو دیکھا تو وہ مصلے سے پیچھے ہٹنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر رہو۔ ابوبکرؓ نے اس پر الحمد للہ کہا پھر پیچھے ہٹ گئے اور صف میں مل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے۔ آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب سلام پھیرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ تمہیں اس سے کس نے روکا تھا کہ جب میں نے تمہیں حکم دیا تھا

تو تم قائم رہتے۔ ابو بکرؓ نے کہا کہ ابن ابی قحافہ (یعنی ابو بکرؓ) کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بڑھ جائے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی تعظیم و فرمانبرداری اور آپ کے سامنے تواضع و انکسار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس امر سے ابو بکرؓ پر اعتراض و انکار نہیں فرمایا۔ چونکہ یہ برہان ضروری سے ثابت ہو گیا کہ ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سب سے زیادہ عالم تھے لہذا لازم آیا کہ وہی سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ" (اللہ سے اُس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں)۔ تقی کے معنی اللہ سے خشیت رکھنے اور ڈرنے والے کے ہیں۔

کہنے والوں نے کہا ہے کہ علیؓ سب سے زیادہ زاہد تھے۔

اس جاہل نے جھوٹ کہا۔ برہان یہ ہے کہ زاہد وہی ہے جو اپنے آپ کو حبِ جاہ و مال و لذات سے اور اہل و عیال و متعلقین کی رغبت و میلان سے دور رکھنے والا ہو۔ زاہد جو اسم زہد سے مشتق ہے اس کے یہی معنی ہیں۔

اپنے آپ کو حب مال سے بچانا۔ جسے گذشتہ تاریخ میں ذرا سی بھی بصیرت ہے وہ جانتا ہے کہ ابو بکرؓ جس وقت اسلام لائے ہیں اُن کے پاس بہت مال تھا۔ جس کی مقدار چالیس ہزار درم بیان کی جاتی ہے۔ یہ سب کا سب ابو بکرؓ نے اللہ تعالٰے کی راہ میں خرچ کر دیا۔ ان کمزور مومن غلاموں کو آزاد کرایا جن پر اللہ تعالٰے کی راہ میں آنے کی وجہ سے ظلم کیا جاتا تھا۔ ایسے غلاموں کو آزاد نہیں کرایا تھا جو طاقتور اور بہادر ہوں کہ وہ ابو بکرؓ کی حفاظت کریں۔ بلکہ ہر مظلوم غلام اور مظلومہ کنیز کو آزاد کرایا جس پر دین الٰہی کی وجہ سے ظلم کیا جاتا تھا۔ یہاں تک جس وقت انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی ہے تو اُن کے پاس صرف چھ ہزار درم باقی رہ گئے تھے کہ ان سب کو بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لے گئے اور اُن کے بچوں کے لئے اُن میں سے

ایک درم بھی نہ رہا۔ بعد کو یہ سب بھی فی سبیل اللہ خرچ کر دیا، یہاں تک کہ اُن کے پاس سوائے اُن کی ایک عباء کے کچھ نہ رہا جسے وہ کھونٹی میں لٹکا رکھتے تھے کہ جب سفر کرتے تھے تو پہن لیتے تھے اور جب منزل میں قیام کرتے تھے تو اسے بچھا لیتے تھے۔ جب کہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم متمول ہو گئے اور انھوں نے حق و حلال طریقے سے بڑی بڑی جایدادیں اور بڑے بڑے باغ بنا لیئے۔ مگر جس نے اس کے مقابلے میں اللہ کی راہ کو ترجیح دی وہ اُس سے زیادہ زاہد ہے جس نے خرچ کیا اور جمع کیا۔

ابو بکرؓ والیِ خلافت ہوئے تو انھوں نے ایک کنیز بھی نہ لی اور 111
نہ مال میں وسعت حاصل کی۔ اپنی وفات کے وقت اُس مال کا شمار کیا جو اپنے اور اپنے اہل و عیال پر بیت المال سے خرچ کیا تھا جس سے اُنھوں نے اپنے حق کا کچھ حصہ پورا کیا تھا اور انھوں نے اپنے اُس ذاتی مال سے اُس کے بیت المال میں واپس کرنے کا حکم دیا جو انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوات اور تقسیموں میں حاصل ہوا تھا۔

مال و لذات کا زہد یہ تھا جس میں صحابہ میں سے کوئی اُن کے قریب بھی نہ تھا نہ علیؓ نہ اور کوئی۔ بجز ابوذر و ابو عبیدہ کے کہ مہاجرین اولین میں سے تھے۔ یہ دونوں اُسی طریقے پر رہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا تھا۔ اُن کے سوا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُس مباح و جائز میں وسعت حاصل کی جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے حلال کر دیا تھا۔ مگر جس نے اللہ کی سبیل کو اپنے اوپر اختیار کیا وہ افضل ہے۔ ابوذر کا اس کے سوا اور کوئی کارنامہ نہ تھا، ہوتا تو وہی اُن سے بڑھتا جو ان کے برابر ہوتا۔ یہ تو لذات و مال میں زہد تھا۔ بے شک اس زہد میں عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکرؓ کی پیروی کی ہے۔ وہ بھی اس میں یعنی مال و لذات سے نفرت کرنے میں علیؓ سے بالاتر تھے۔

علی رضی اللہ عنہ نے اس باب میں حلال طریقے سے وسعت حاصل کی۔ اپنی وفات کے وقت چار بیویاں اور انیس ۱۹ کنیزیں (اُمِ ولد) چھوڑ گئے۔

(ام ولد وہ کنیزیں ہیں جن کے یہاں اپنے آقا سے اولاد پیدا ہو جائے)۔ اور بہت سے خادم و غلام ان کے علاوہ تھے۔ وفات کے وقت وہ چوبیں بیٹے بیٹیاں چھوڑ گئے جن کے لئے اتنی جائداد اور باغات چھوڑ گئے کہ یہ لوگ اپنی قوم کے اغنیاء میں ہو گئے۔ یہ وہ امر ہے جس کے انکار پر ہر وہ شخص قادر نہیں جسے تاریخ کا کچھ بھی علم ہے۔

منجملہ اُن کی اُس جائداد کے جسے اُنھوں نے وقف کیا تھا ایک جائداد ایسی بھی تھی جس کی آمدنی ایک ہزار وسق کھجور تھی (وسق ۶۰ صاع کا اور صاع تقریباً ۳½ سیر کا ہوتا ہے) جو اُس کی زراعت کے علاوہ تھی۔ پھر کہاں وہ اور کہاں یہ۔

حب اولاد اور اُن کی اور متعلقین کی طرف رغبت و میلان۔

اس میں بھی معاملہ نہایت واضح ہے جو ذرا سا بھی تاریخ کا علم رکھنے والے سے مخفی نہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار اور بیٹے تھے۔ مثلاً طلحہ بن عبید اللہ جو مہاجرین اولین اور سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے اور اسلام کی فضیلت کے ہر باب میں سے عظیم الشان فضیلت والے تھے۔ مثلاً اُن کے فرزند عبدالرحمن بن ابی بکر جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحبت قدیمہ حاصل تھی، سابق الہجرۃ بھی تھے، اور اُن کا علم وفضل بھی ظاہر تھا۔ مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کسی کو بھی کسی سمت کا عامل و عہدہ دار نہیں بنایا۔ حالانکہ یمن کی تمام بستیاں اپنی پوری وسعت اور کثیر علاقوں کے ساتھ، اور عمان و حضر موت و بحرین و یمامہ و طائف و مکہ و خیبر اور حجاز کے تمام علاقے اُن کے قبضے میں تھے۔ اگر وہ ان لوگوں کو عامل بناتے تو بیشک وہ لوگ اس کے اہل تھے۔ لیکن وہ ترجیح سے ڈرتے تھے اور انھیں اندیشہ تھا کہ طبعی محبت ان کی طرف مائل نہ کر دے۔

عمرؓ بھی اس معاملے میں ابو بکرؓ ہی کے راستے پر چلے۔ انھوں نے شہروں کی وسعت و کثرت کے باوجود، بنی عدی بن کعب میں سے کسی کو

عامل نہیں بنایا۔ حالانکہ وہ شام و مصر اور خراسان تک تمام ملک فتح کر چکے تھے۔ بجز اس کے کہ نعمان بن عدی کو میسان کا عامل بنایا تھا پھر فوراً ہی انہیں معزول کر دیا۔ حالانکہ ان (بنی عدی کے) لوگوں میں ہجرت اس قدر تھی کہ قریش نے بھی اختیار نہیں کی تھی۔ اس لئے کہ بنی عدی میں سے مکے میں ایک شخص بھی ایسا نہ رہا جس نے ہجرت نہ کی ہو۔

ان میں مثل سعید بن زید تھے (جو عشرۂ مبشرہ میں سے تھے) جو مہاجرین اولین میں سے تھے اور ان کے بہت سے کارنامے تھے۔ ابوالجہم بن حذیفہ تھے۔ خارجہ بن حذافہ و معمر بن عبداللہ اور خود ان کے فرزند عبداللہ بن عمرؓ تھے۔ ابوبکرؓ نے اپنے فرزند عبدالرحمٰن کو خلیفہ نہیں بنایا حالانکہ وہ صحابی تھے۔ نہ حضرت عمرؓ نے اپنے فرزند عبداللہ کو والیِ خلافت بنایا حالانکہ وہ منتخب فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ لوگ انھیں پسند کرتے تھے اور وہ اس کے اہل بھی تھے۔ اگر وہ انھیں خلیفہ بناتے تو کوئی بھی ان سے اختلاف نہ کرتا۔ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

ہم علی رضی اللہ عنہ کو پاتے ہیں کہ جب وہ خلیفہ ہوئے تو اپنے اقارب کو عامل بنایا۔ مثلاً عبدالملک بن عباس کو بصرے پر، عبداللہ بن عباس کو یمن پر، قثم[1] بن عباس و معبد بن عباس کو مکے و مدینے پر، جعدہ بن ہبیرہ کو خراسان پر۔ یہ ان کی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے بیٹے تھے۔ محمد بن ابی بکرؓ کو مصر پر۔ یہ ان کی بیوی کے بیٹے اور بچوں کے بھائی تھے (یعنی حضرت علیؓ کے سوتیلے بیٹے تھے)۔ اپنے فرزند حضرت حسنؓ کی بیعتِ خلافت سے خوش تھے۔ ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ حسنؓ خلافت کے مستحق تھے اور نہ اس کا انکار کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس بھی مستحق خلافت تھے چہ جائیکہ بصرے کی امارت۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص خلافت میں بھی

---

[1] اصل میں "خثعم بن عباس" ہے، عباس بن عبدالمطلب کے فرزند "قثم" کے علاوہ کیا کوئی "خثعم" بھی تھا۔

عبداللہ بن عمرؓ و عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ جیسے فرزندوں میں زہد اختیار کرے؛ حالانکہ لوگ اس پر متفق ہوں، اور طلحہ بن عبیداللہ و سعید بن زید جیسوں کے امیر بنانے میں زہد اختیار کرے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس کے مقابلے میں کامل زاہد اور اپنے آپ کو تمام معانی دنیا سے دور رکھنے والا ہے جو اس میں سے اتنا حصہ لیلے جس کا لینا اس کے لئے مباح ہے۔ ۱۱۲
لہذا اس برہان ضروری سے ثابت ہو گیا کہ ابو بکرؓ تمام صحابہ سے زائد زاہد تھے اور اُن کے بعد عمر بن الخطاب تھے۔

اسی کہنے والے نے یہ بھی کہا ہے کہ علیؓ سب صحابہ سے زیادہ وقف وصدقہ وخیرات کرنے والے تھے۔

یہ تو علانیہ باطل کو ظاہر کرنا ہے۔ اس لئے کہ (ابو بکرؓ کے ساتھ) علیؓ کو مال (خرچ کرنے) میں بھی کوئی نمایاں شرکت نہیں ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فی سبیل اللہ مال کا خرچ کرنا اس قدر زیادہ مشہور ہے کہ یہود و نصاریٰ پر بھی مخفی نہیں۔ چہ جائیکہ مسلمین پر۔ اس کے بعد اس معنی میں یہ مرتبہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے لئے ہے جو کسی اور کے لئے نہیں ہے کہ انھوں نے جیش عسرت کو سامان دیا تھا (یعنی غزوۂ تبوک کے لیے)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ اسلام میں اپنے مال سے شرکت کرنے والے اور نفع پہنچانے والے اور سب سے بڑے صدقہ دینے والے تھے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ علیؓ ہی سب سے پہلے اسلام لانے والے تھے۔ اور انھوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔

سابقہ یعنی اسلام میں سبقت کرنا اور سب سے پہلے اسلام لانا۔ کوئی ایسا شخص جو قابل شمار ہو اس کا قائل نہیں کہ علیؓ کی جب وفات ہوئی تو اُن کی عمر ترسٹھ ۶۳ برس سے زیادہ تھی۔ بلا شک اُن کی وفات سنہ ۴۰ھ میں ہوئی۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی ہے تو علیؓ تیئیس ۲۳ برس کے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکے میں زمانۂ نبوت میں

تیرہ[۱۳] برس نیام رہا۔ جس وقت آپ مبعوث ہوئے علی دس برس کے تھے۔ دس برس والے کا اسلام و دعوت اسلام ایسا ہی ہے جیسے انسان کا اپنے چھوٹے بچے کو دین کا خوگر بنانا۔ کہ نہ تو اس وقت کچھ نفع ہے نہ اس کے انکار سے کوئی گناہ۔ اگر اس معاملے کو اس کے قول کے مطابق اختیار کیا جائے جو کہتا ہے کہ علیؓ کی وفات اٹھاون برس کی عمرؓ میں ہوئی تو پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت پانچ ہی برس کے تھے۔

ابو بکرؓ کا اسلام اڑتیس[۳۸] برس کی عمر میں ہوا۔ یہ وہی اسلام ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے۔ جو بالغ نہ ہوا نہ وہ مکلف ہے نہ مخاطب لہذا ابو بکرؓ و عمرؓ کا سابقہ بلاشک علیؓ نے سابقہ سے بہت بیشتر و بیشتر ہے۔

عمرؓ کا اسلام بعثت کے چھ[۶] برس بعد ہوا مگر ان کا نفع ان کے ان کے قبل کے بہت سے اسلام لانے والوں سے بہت زیادہ ہوا۔

علیؓ حد تکلیف و حد بلوغ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثت کے چند سال بعد پہنچے۔ جب کہ بہت سے صحابہ مرد و عورت اسلام لا چکے تھے ان پر اللہ کے بارے میں سخت ترین مظالم ہو چکے تھے اور دین کے بارے میں انہیں عظیم الشان مصائب سے سابقہ پڑ چکا تھا۔

علیؓ کا بت پرستی نہ کرنا۔ ہم نے اور ہمارے ان بچوں نے جو اسلام میں پیدا ہوئے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ لیکن عمار و مقداد و سلمان و ابو ذر و حمزہ و جعفر رضی اللہ عنہم نے بت پرستی کی ہے۔ کیا تمہاری رائے میں ہم لوگ اس سبب سے ان حضرات سے معاذ اللہ افضل ہیں۔ اس کا تو کوئی مسلم بھی قائل نہیں۔ لہذا یہ باطل ہو گیا کہ یہ امر علیؓ کی کسی مزید فضیلت کا باعث ہو۔ ورنہ عائشہ رضی اللہ عنہا علی رضی اللہ عنہ سے اس فضیلت میں مقدم ہوں گی۔ اس لئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی ان کی عمر آٹھ برس اور چند ماہ کی تھی۔ اپنے والد کے اسلام کے چند سال بعد پیدا ہوئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثت

سے چند سال پہلے علیؓ اپنے والد کی بت پرستی کی حالت میں پیدا ہوئے تھے۔
عبداللہ بن عمرؓ کے والد بھی جب اسلام لائے ہیں تو عبداللہ کی عمرؓ چار سال
کی تھی۔ انھوں نے بھی کبھی بت پرستی نہیں کی۔ اس فضیلت میں وہ بھی علیؓ کے
شریک ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ علیؓ تمام صحابہ سے زیادہ سیاست داں تھے۔

یہ تو ایسا باطل ہے جو کسی کافر سے پوشیدہ ہے نہ مومن سے۔

سارے عالم کے قریب و بعید و عالم و جاہل و مومن و کافر سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب ایک ملک والے کافر ہو گئے اور سوائے ابو بکرؓ کے سب نے بقیہ عرب کی بات مان لی اور اسے قبول کر لیا جس کی عرب نے دعوت دی تھی۔ تو آیا کوئی تھا جو ابو بکرؓ کی طرح دشمن کی ایذا پر اور شدت خوف پر ثابت قدم رہتا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اسی طرح اسلام میں فوج کی فوج داخل ہو گئے جس طرح اس سے نکلے تھے اور خوشی و ناخوشی انھوں نے زکوٰۃ دیدی۔ ابو بکرؓ کو ان کی جماعتوں نے اور ان کے باہم ایک دوسرے کے مددگار ہونے اور اہل اسلام کی قلت نے دہشت و ہول میں نہیں ڈالا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے اسلام کو روشن اور غالب کر دیا۔ اس کے بعد بجز ابو بکرؓ کے پھر عمرؓ 113
کے پھر عثمانؓ کے کسی نے کسریٰ و قیصر کی ان کے تخت سلطنت پر مدافعت کی ہے؟ یہاں تک کہ انھوں نے حدود فارس و روم کو مبلیغ کر لیا، ان کے لشکروں کو شکست دیدی، ان کے جھنڈوں کو سرنگوں کر دیا۔ اطراف زمین میں اسلام ظاہر ہو گیا اور کفر و اہل کفر ذلیل ہو گئے مسلمانوں کے بھوکے شکم سیر ہو گئے، ان کے ذلیل لوگ باعزت ہو گئے، فقیر غنی بن گئے۔ اس طرح بھائی بھائی بن گئے کہ ان میں کوئی اختلاف نہ رہا۔ انھوں نے قرآن پڑھا اور فقہ دینی حاصل کیا۔ ان تینوں حضرات کے بعد لوگوں نے ان سب امور کے خلاف دیکھا، مومنین میں افتراق ہو گیا، بعض مسلمان بعضوں پر تلواریں مارنے لگے، بعض مسلمانوں نے بعض مسلمانوں

کے قلوب تیروں سے زخمی کر دیئے۔ بعض نے بعض کو دس دس ہزار کی تعداد میں قتل کر دیا۔ اس کی وجہ سے وہ اس سے قاصر رہے کہ کفر کی بستیوں کا ایک گاؤں بھی فتح کرتے یا اُن سے کوئی لشکر خوف کرتا' یا اُن میں سے کوئی جہاد کرتا۔ یہاں تک کہ وہ بہت سے کافر جو مسلمانوں کے قبضے میں آگئے تھے' ان کی بستیوں سے واپس چلے گئے۔ پھر مسلمان قیامت تک متمتع و متفق نہ ہوئے۔ تو وہ سیاست جو سیاست ہے کہاں رہی۔

ان جاہلوں نے جو کچھ دعویٰ کیا تھا چونکہ وہ سب باطل ہو چکا اور ان لوگوں کو سوائے اُن دعووں کے کچھ نہ حاصل ہوا جن کا کذب کھلا ہوا ہے اور جن میں سے کسی چیز کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا برہان سے ثابت ہو گیا کہ ابو بکرؓ ہی ہیں جو علم و قرآن و جہاد و زہد و تقویٰ و خشیت و خوف و صدقہ و عتق و شارکت و طاعت و سیاست میں نہایت بلند پایہ کھلی ہوئی سبقت اور نہایت روشن حصے سے کامیاب ہوئے۔ وجوہ فضیلت کل یہی ہیں تو بلاشک وہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام صحابہ سے افضل ہوئے۔

ان لوگوں کے مقابلے میں احادیث سے استدلال نہیں کیا گیا۔ اس لئے کہ نہ یہ لوگ ہماری احادیث کو مانتے ہیں اور نہ ہم ان کی احادیث کو ہم نے صرف اُن براہین بدیہی پر محدود رکھا جن کو بڑے بڑے گروہوں نے (تواتر کے ساتھ) نقل کیا ہے۔ اگر امامت کا استحقاق فضائل میں سب سے بڑھنے کی وجہ سے ہوتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یقیناً ابو بکرؓ ہی سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے! چہ جائیکہ اُن کی خلافت پر نص بھی ثابت ہو۔ چونکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت صحیح تھی تو عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنانے میں اُن کی اطاعت بھی فرض ہوئی' لہٰذا عمرؓ کی امامت بھی ہماری بیان کی ہوئی دلیل سے اور اجماع اہل اسلام سے جس پر قطعاً کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے ضروری و واجب ہو گئی۔ اس کے بعد تمام امت نے امامت عثمانؓ پر بھی اجماع کر لیا'

اُن کی امامت کی صحت اور اس کے ماننے پر امت میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہوا۔

خلافت علیؓ بھی حق ہے مگر نہ نص سے نہ اجماع سے۔ بلکہ ایک برہان ضروری سے جیسے ہم انشاءاللہ ان کی جنگوں کے بارے میں کلام کے سلسلے میں بیان کریں گے۔

ابو بکرؓ کے مشہور فضائل میں سے یہ آیت ہے "اذا خرجه الذین کفروا ثانی اثنین اذهما فی الغار اذ یقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا" (جب کہ آپ کو کفار نے اس حالت میں نکال دیا کہ آپ دو میں کے دوسرے تھے جس وقت یہ دونوں غار ثور میں تھے جس وقت آپ اپنے رفیق اور ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ تم پریشان نہ ہو۔ بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔ یہ وہ فضیلت ہے جسے پوری جماعت نے نقل کیا ہے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ یہ ابو بکرؓ تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُن کے بھی نکالے جانے کی فضیلت ثابت کردی کیونکہ ابو بکرؓ کو اس نے آپ کی صحبت کے نام سے مخصوص کیا اور اس سے کہ وہ غار میں آپ کے دوسرے تھے۔ ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ تھا۔ یہ وہ فضیلت ہے جس میں کوئی بھی ابو بکرؓ کے ساتھ شامل نہیں۔

بعض بیحیاؤں نے اس میں اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اذ قال لصاحبه وهو یحاوره انا اکثر منك مالا و ولدا" (جب کہ اُس کافر نے اپنے ساتھی مومن بھائی سے جو اُس سے بات کر رہے تھے یہ کہا کہ میرا مال و اولاد تم سے بہت زیادہ ہے)۔ معترض نے کہا کہ ابو بکرؓ پریشان ہوئے تو انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا۔ لہذا اگر یہ حزن و پریشانی اللہ کی پسندیدہ ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز اس سے منع نہ کرتے۔

یہ باطل کا شور مچانا ہے۔ لیکن اس آیت میں یہ فرمانا کہ "لصاحبه وهو یحاوره"

(اپنے صاحب سے جو اُس سے بات کر رہے تھے) اللہ تعالٰے نے خبر دی ہے کہ ان میں سے ایک مومن تھے اور دوسرا کافر تھا۔ اس کی بھی خبر دی کہ دونوں میں اختلاف تھا۔ اللہ تعالٰے نے صرف بات چیت اور ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے اُسے صاحب اور ساتھی فرمایا۔ جیسا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے "والیٰ مدین اخاھم شعیبا" (اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا) اللہ تعالٰے نے اُنھیں (یعنی شعیب کو) ان لوگوں کا دین میں بھائی نہیں بنایا۔ وطن اور قوم میں بھائی بنایا۔ یہ کلام الٰہی ایسا نہیں ہے "اذ یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا" (جب کہ آپ اپنے رفیق وصاحب اور ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ تم گھبراؤ نہیں۔ بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔ بلکہ اللہ تعالٰے نے ابو بکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین میں ہجرت میں نکالے جانے میں غار میں، اللہ تعالٰے کے دونوں کی مدد کرنے میں' کہ دونوں سے کفار کو خوفزدہ کر دیا' اور اللہ تعالٰے کے دونوں کے ہمراہ ہونے میں صاحب ورفیق اور ساتھی بنایا۔ یہ صحبت انتہائی فضیلت ہے اور وہ دوسری صحبت بنص قرآن انتہائی نقص ہے۔ ۱۱۳

ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کا حزن پریشانی اور گھبراہٹ جو قبل اس کے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اس سے منع کریں' یہ اللہ تعالٰے کی انتہائی رضا تھی۔ اس لئے کہ یہ حزن وپریشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شفقت کی وجہ سے تھی اور اسی لئے اللہ اُن کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالٰے نافرمانوں کے ساتھ نہیں ہوتا' بلکہ اُن کے خلاف ہوتا ہے۔ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کو حزن سے منع کر دیا اس کے بعد سے انھیں کبھی حزن نہیں ہوا۔ اگر ان کمینوں کو حیاء ہوتی یا علم ہوتا تو وہ اس طرح کا اعتراض نہ کرتے۔ کیونکہ ابو بکرؓ کا حزن اگر اُن کے لئے عیب ہوتا تو یہ محمد وموسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی عیب ہوتا اس لئے کہ اللہ تعالٰے نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ہے کہ "سنشد عضدک باخیک ونجعل لکما سلطانا فلا یصلون الیکما بایتنا انتما ومن اتبعکما الغالبون"

دیں گے پھر فرعون والے تم دونوں تک نہ پہنچ سکیں گے۔ ہماری نشانیوں ہی کی وجہ سے تم دونوں اور تمہارے پیرو غالب رہیں گے۔) اللہ تعالٰے نے ساحرین کے متعلق فرمایا ہے کہ انھوں نے موسیٰ سے کہا کہ "اماان تلقی واماان نکون اول من القی۔ قال بل القوا۔ فاذا حبالهم و عصيهم يخيل اليه من سحرهم انها تسعىٰ۔ فاوجس فی نفسه خيفة موسىٰ۔ قلنا لاتخف انك انت الاعلى" (یا تو آپ شروع کیجئے یا ہم ہوں جو سب سے پہلے شروع کرے۔ موسیٰ نے کہا کہ بلکہ تمہیں شروع کرو۔ پھر ناگاہ اُن لوگوں کی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کے سحر کی وجہ سے موسیٰ کے خیال میں دوڑتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ پھر موسیٰ نے اپنے جی میں خوف محسوس کیا۔ تو ہم نے کہا کہ تم خوف نہ کرو۔ بیشک تمہیں غالب و برتر رہو گے)۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُس کے کلیم ہیں کہ جنھیں اللہ تعالٰے نے بتا دیا تھا کہ فرعون اور اُس کے لشکر کی ان کے پاس تک رسائی نہ ہو سکے گی اور موسیٰ اور اُن کے پیرو ہی غالب رہیں گے۔ اس کے بعد بھی جب موسیٰ نے ساحرین کا معاملہ دیکھا تو اپنے جی میں ڈر گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالٰے نے انھیں وحی بھیجی کہ نہ ڈرو۔ یہ معاملہ تو ابوبکرؓ کے معاملے سے زیادہ سخت ہے۔ جب یہ فاسق جو کچھ کہتے ہیں ابوبکرؓ کو لازم آئے گا حالانکہ اللہ نے اُس کے لازم آنے سے انھیں بری کیا ہے کہ ابوبکرؓ کا حزن اگر اللہ کی رضا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز اس سے منع نہ کرتے۔ اس سے زیادہ سخت موسیٰ علیہ السلام کو لازم آئے گا کہ اُن کا اپنے جی میں خوف کا محسوس کرنا اگر اللہ تعالٰے کی رضا ہوتا تو اللہ تعالٰے انھیں اس سے منع نہ کرتا۔ معاذ اللہ منہا۔

موسیٰ علیہ السلام کا اپنے جی میں خوف کا محسوس کرنا محض گزشتہ وعدے کے بھول جانے کی وجہ سے تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حزن اللہ تعالیٰ

کی رضا تھا جو اس کے قبل تھا کہ انھیں اس سے منع کیا جائے اور انھیں پہلے سے حزن کی کوئی ممانعت نہ تھی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ "ومن کفر فلا یحزنک کفرہ" (اور جنھوں نے کفر کیا ہے تو آپ کو ان کے کفر پر حزن وغم نہ کرنا چاہیئے)۔ اور فرمایا ہے "ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق" (اور آپ ان لوگوں پر حزن نہ کیجیئے اور آپ تنگی و پریشانی میں نہ پڑیئے)۔ اور فرمایا ہے "ولا یحزنک قولھم۔ ان العزۃ للہ جمیعا" (آپ کو ان کفار کے قول سے حزن نہ کرنا چاہیئے۔ بیشک ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے)۔ اور فرمایا ہے "ولا تذھب نفسک علیھم حسرات" (آپ حسرتوں کی وجہ سے ان لوگوں کو فراموش نہ کیجیئے۔) اور فرمایا ہے "فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا" (پھر شاید مارے افسوس کے آپ ان کے پیچھے جان دیدیں گے اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائیں گے)۔ ہم پاتے ہیں کہ اللہ تعالے نے یہ بھی فرمایا ہے "ولقد نعلم انہ لیحزنک الذی یقولون" (اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس سے آپ کو حزن ہوتا ہے)۔ اسی کو سورۂ انعام میں بھی فرمایا ہے۔

اللہ تعالے نے بتایا کہ وہ جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ کفار کہتے ہیں اس سے حزن و ملال ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالے نے تصریحاً اس سے آپ کو منع کیا ہے۔ ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حزن میں بھی جس سے اللہ تعالے نے آپ کو منع کیا بالکل مساوی طور پر وہی لازم آئے گا جس کا انھوں نے ابو بکرؓ کے حزن میں ارادہ کیا۔

کفار کی کفر کی باتوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن بھی قبل اس کے کہ اللہ تعالے آپ کو اس سے منع کرے اللہ تعالے کی طاعت تھا۔ جیسے آپ کو اللہ تعالے نے حزن سے منع کر دیا تو اس کے بعد آپ کو کبھی حزن نہیں ہوا۔ جیسا کہ ابو بکرؓ کا حزن بھی اللہ تعالے کے منع کرنے سے پہلے طاعت تھا۔

ابوبکرؓ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کر دینے کے بعد کبھی حزن نہیں ہوا۔ چہ جائیکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اُس روز ابوبکرؓ نے حزن کیا ہی نہ ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلے سے احتیاطاً) انھیں منع کر دیا ہو کہ انھیں حزن نہ ہونے پائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا ہے۔ "ولا تطع منهم آثما أو كفورا" (ان میں سے جو گنہگار یا ناشکر گذار ہیں ان کی پیروی نہ کیجئے)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان لوگوں کی اطاعت سے منع کیا حالانکہ آپ سے اُن لوگوں کی اطاعت سرزد نہیں ہوئی تھی۔ اس پر تو صرف جاہل و بیہودہ لوگ ہی اعتراض کرتے ہیں۔ ونعوذ باللہ من الضلال۔

بعض جہلا نے ہم پر اس واقعے سے اعتراض کیا ہے کہ جس حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرانے کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، اُن کے پیچھے ہی آپ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا کہ وہ سورۂ براءۃ (توبہ) کو ابوبکرؓ سے لے لیں آپ نے علیؓ کو اس پر مامور فرمایا تھا کہ وہ سورۂ براءۃ کی اہل موسم (یعنی حجاج) میں تبلیغ کر دیں اور انھیں پڑھ کر سنا دیں۔

یہ واقعہ ابوبکرؓ کے عظیم ترین فضائل میں سے ہے۔ اس لئے کہ علیؓ بن ابی طالب اور دوسرے اہل موسم یعنی حجاج پر امیر تھے کہ لوگ بغیر ان کی روانگی کے روانہ نہیں ہو سکتے تھے، نہ بغیر اُن کے وقوف وقیام کر سکتے تھے۔ اور نہ بغیر اُن کی نماز کے نماز پڑھ سکتے تھے۔ جب ابوبکرؓ خطبہ سناتے تھے تو لوگ خاموش رہتے تھے۔ اسی طرح علیؓ بھی ان سب لوگوں میں تھے۔ سورۂ براءۃ و توبہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت وارد ہوئی ہے اور اس میں غار کے حالات کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اُن کے نکلنے کا اور اللہ تعالیٰ کا ان دونوں حضرات کے ساتھ ہونے کا ذکر ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کا اس کو پڑھ کر سنانا اس امر کا اعلیٰ درجہ کا اعلان ہے کہ ابوبکرؓ علیؓ اور دوسرے صحابہ سے افضل تھے۔ یہ ابوبکرؓ کے لئے ایک قطعی حجت و دلیل ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۱۱۵

روافض انکار قرآن اور اس میں کمی و بیشی کے دعوے کی طرف رجوع کریں۔ تو یہ وہ امر ہوگا جس سے ہر عالم و جاہل کے نزدیک ان لوگوں کی حیائی جہالت اور بیہودگی ظاہر ہوگی۔ کسی کافر یا مومن کو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہی کتاب جو دونوں تختیوں اور جلد کے درمیان ہے یہ وہی کتاب ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور آپ نے اس کے متعلق یہ بتایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس بذریعۂ وحی بھیجی ہے۔ جس نے اس سے کجی کی اس نے اپنے دشمن کی آنکھ کو ٹھنڈا کیا۔

یہ عیبی لوگ جو ابو بکرؓ کی امامت پر اعتراض کرتے ہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں، ان کا یہ اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر ہے جو آپ نے اہل اسلام کی نماز کے لئے ابو بکرؓ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جس میں یہ ارادہ ہے کہ جس مقام پر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑا کیا اس سے انھیں ہٹا دیا جائے۔

ہم ان میں نہیں ہیں جو اس آیت کی تاویل میں جھوٹ بولتے ہیں "ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکینا ویتیما واسیرا" (اور وہ لوگ جو کھانے کو محبوب ہونے کے باوجود مسکین و یتیم و قیدی کو کھلاتے ہیں) کہ اس سے مراد علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ آیت اپنے عموم و ظاہر پر ہے جو ہر ایسے شخص کی مدح میں ہے جو ایسا کرے۔

ہمارے مذکورۂ بالا بیان و براہین مذکورہ سے ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکرؓ کی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت ثابت ہوگئی۔

اس بارے میں احادیث بھی بہت ہیں۔ مثلاً ابو بکرؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "میرے لئے میرے صاحب (یعنی ابو بکرؓ) کو چھوڑ دو" کیونکہ لوگوں نے (واقعۂ معراج کے بارے میں) آپ سے کہا تھا کہ آپ نے غلط فرمایا اور ابو بکرؓ نے عرض کیا تھا کہ آپ نے صحیح فرمایا اور اسی پر اللہ تعالیٰ نے انھیں صدیق کا خطاب عطا فرمایا)

آپ کا یہ فرمانا کہ "اگر میں کسی کو خلیل (یعنی دلی دوست) بناتا تو میں ضرور

ابو بکرؓ ہی کو خلیل بناتا۔ لیکن وہ میرے بھائی اور صاحب ہیں" یہ وہ وصف ہے جو سوائے ابو بکرؓ کے کسی اور کے لئے ثابت نہیں۔

علیؓ کی اخوت و برادری صرف سہل بن حنیف کے ساتھ ثابت ہے۔

منجملہ روایاتِ فضیلت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوائے ابو بکرؓ کی کھڑکی کے مسجد کے اندر کے ہر دروازے اور ہر کھڑکی کے بند کرنے کا حکم دینا ہے۔ یہ وصف بھی کسی اور کے لئے ثابت نہیں۔

منجملہ ان کے آپ کا اُن لوگوں پر ناراض ہونا ہے جنھوں نے ابو بکرؓ کو بیرونی قرار دیا تھا اور جنھوں نے امامت نماز کے لئے بجائے ابو بکرؓ کے کسی اور کا مشورہ دیا تھا۔

منجملہ ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ہے کہ اپنے مال میں سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابو بکرؓ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے بعد ابو بکرؓ کے پھر عمرؓ کے تمام اصحابہ سے افضل ہونے میں ہماری سب سے عمدہ دلیل یہ حدیث ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ کو کون سب سے زیادہ محبوب ہے تو آپ نے فرمایا کہ عائشہ۔ پھر عرض کیا گیا کہ مردوں میں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اُن کے والد۔ پھر عرض کیا گیا کہ ان کے بعد آپ نے فرمایا کہ عمرؓ۔

ہم نے اسی حدیث کے مطابق یقین کر لیا۔ پھر ہم رک گئے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مزید بیان فرماتے تو ہم بھی بڑھتے۔ لیکن ہم تو دین کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو نص میں وارد ہوا ہو۔

لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا کہ علی رضی اللہ عنہ۔

جو چیز ہمارے دل میں آتی ہے بغیر اس کے کہ ہم اس پر یقین کریں یا اس بارے میں اپنے مخالف کو خطا وار کہیں، یہ ہے کہ علیؓ سے عثمانؓ افضل ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس لئے کہ اکثر ان دونوں کے فضائل باہم ایک ہی

قدر و قیمت کے ہیں۔

عثمانؓ قرأت میں بڑھے ہوئے تھے اور علیؓ فتوٰی و روایت میں علیؓ کا قرأت میں بھی بڑا حصہ تھا اور عثمان کا بھی روایت و فتوٰی میں زبردست حصہ تھا۔

اپنی جان سے جہاد کرنے میں علیؓ کے بہت بڑے مقامات ہیں اور عثمانؓ کے لئے اسی طرح کے مقامات اپنے مال سے جہاد کرنے کی وجہ سے ہیں۔

عثمانؓ اس فضیلت میں علیؓ سے یکتا ہیں کہ بیعت رضوان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں دست مبارک سے عثمانؓ کے داہنے ہاتھ کی طرف سے بیعت فرمائی۔

اُنھوں نے دو ہجرتیں کی تھیں (حبشے کی اور مدینے کی)

اُن کا سابقہ قدیمہ ہے (یعنی بہت پہلے اسلام لائے)

وہ بڑے بزرگ و قابل ستائش داماد تھے۔

بدر میں شریک نہ تھے مگر اللہ تعالےٰ نے انھیں اُن کے کامل اجر اور مال غنیمت کے حصے سے اہل بدر میں شامل کر دیا ان کا شمار انھیں میں ہے۔ 116

اس کے بعد اسلام میں اُن کی وہ فتوحات عظیمہ تھیں جو علیؑ کی نہ تھیں۔

اُن کی سیرت سے اسلام کی ہدایت ہوتی ہے وہ کسی مسلم کی خونریزی کا سبب نہیں بنے۔

اُن کے فضائل میں صحیح احادیث آئی ہیں۔

ملائکہ اُن سے شرماتے تھے۔

وہ اور اُن کے پیرو حق پر تھے۔

فضائل علیؓ میں جو صحیح روایت ہے وہ حدیث یہ ہے کہ تمھارا میرے ساتھ وہ مرتبہ ہے جو موسیٰؑ کے ساتھ ہارونؑ کا تھا۔ بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

اور یہ حدیث ہے کہ کل صبح کو میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اُس سے محبت کرتے ہیں۔

یہ صفت ہر فاضل مومن کے لئے ضروری ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد کیا ہے کہ علیؓ سے مومن ہی محبت کرے گا اور ان سے منافق ہی بغض کرے گا۔ اور اسی طرح کی ایک صحیح روایت انصار رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی آئی ہے کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ انصار سے بغض نہ کرے گا۔
یہ روایت کہ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" (جس کا میں مولیٰ ہوں تو علیؓ بھی اس کے مولیٰ ہیں) یہ بطریق ثقات ہرگز ثابت نہیں۔ وہ تمام احادیث جن سے روافض استدلال کرتے ہیں وہ سب موضوع ہیں۔ جسے فن حدیث ورجال کا ذرا سا بھی علم ہے وہ اسے جانتا ہے۔
عمرؓ بن الخطاب کے بعد مہاجرین اولین کی قطعی فضیلت کے ہم قائل ہیں۔ مگر ان میں سے کسی ایک کی اپنے ساتھی کی فضیلت کا فیصلہ نہیں کرتے۔ مثلاً عثمانؓ بن عفان۔ عثمانؓ بن مظعون۔ علیؓ۔ جعفرؓ۔ حمزہؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ مصعبؓ بن عمیر۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ عبداللہؓ بن مسعود۔ سعدؓ بن ابی وقاص۔ زیدؓ بن حارثہ۔ ابو عبیدہؓ بن الجراح۔ بلالؓ سعیدؓ بن زید۔ عمارؓ بن یاسر۔ ابوسلمہؓ۔ عبداللہؓ بن جحش۔ اور دوسرے جو انہیں سے تھے۔ ان لوگوں کے بعد اہل عقبہ۔ پھر اہل بدر۔ پھر وہ اہل مشاہد جو تمام مشاہد میں ہر ہر مشہد میں تھے (یعنی ہر غزوے میں)۔ ہر مشہد والے ان لوگوں سے افضل ہیں جو اس مشہد کے بعد ہوں۔ یہاں تک کہ نوبت حدیبیہ تک پہنچ جائے۔ وہ سب مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم جن کا ذکر گذرا جو بیعت رضوان کے اختتام تک رہے، ہم ان کے قلوب کے غیبی و پوشیدہ ایمان پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کے سب مومنین صالحین تھے، ان کا خاتمہ ایمان و نیکی و ہدایت پر ہوا، یہ سب کے سب جنتی تھے، ان میں سے ہرگز کوئی دوزخ میں نہ جائے گا، اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ" والسابقون السابقون اولئک المقربون فی جنٰت النعیم" (اور جو لوگ پہلے ایمان لانے والے ہیں

وہ تو پہلے اور سبقت کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ مقرب ہیں نعمت والے باغوں میں ہیں) جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول "لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم" (بے شک اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہوا جب کہ انھوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی کیونکہ اللہ کو علم تھا کہ اُن کے دلوں میں کیا ہے۔ پھر اللہ نے اُن پر سکینہ (یعنی اطمینان) نازل کیا)۔

جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اُسے اُن کے دلوں کی حالت معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ اور اللہ نے ان پر سکینہ نازل کیا۔ ان کے معاملے میں کسی کو توقف کرنا اور ان کے بارے میں شک کرنا ہرگز جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے بھی کہ "کوئی ایسا شخص دوزخ میں نہ جائے گا جس نے درخت کے نیچے بیعت کی۔ بجز ایک سرخ اونٹ والے کے" آپ کی اس خبر کی وجہ سے کہ "کوئی ایسا شخص دوزخ میں نہ جائے گا جو بدر میں حاضر ہوا" اس کے بعد ہم ہر ایسے شخص کے متعلق یقین رکھتے ہیں جس نے سچی نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی اگرچہ وہ ایک ہی ساعت ہو کہ وہ اہل جنت میں سے ہے جو عذاب کے لئے دوزخ میں نہ جائے گا۔ مگر یہ لوگ اُن میں شامل نہ ہوں گے جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے ہے "لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل۔ اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا وقاتلوا من بعد وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" (تم میں سے کوئی بھی اُن کے برابر نہیں ہے جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔ یہ اُن لوگوں سے بہت بڑے درجے کے لوگ ہیں جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اور اللہ نے ہر ایک سے نیکی کا وعدہ کیا ہے)۔ اور فرمایا ہے "وعد اللہ لا یخلف اللہ وعدہ" (اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔) اور فرمایا ہے۔ "ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ اولئک عنھا مبعدون لا یسمعون حسیسھا وھم فیما اشتھت انفسھم خالدون۔ لا یحزنھم الفزع

الاکبر وتتلقٰہم الملٰئکۃ ھذا یومکم الذی کنتم توعدون" (بیشک وہ لوگ جن کے لئے پہلے سے ہماری جانب سے نیکی مقرر ہو چکی ہے وہ لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ اُس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ لوگ اپنی من مانی مرادوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان لوگوں کو سب سے بڑی گھبرانے والی (یعنی قیامت) بھی پریشان نہ کرے گی۔ اور فرشتے انھیں تسلی دیتے ہوں گے کہ یہ تمھارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا)۔

ضروری طور پر ثابت ہو گیا کہ جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا، جہاد کیا، اللہ تعالےٰ کے اُن کو فضیلت دینے کی وجہ سے اُن کے باطن پر بھی یقین کیا جائے گا۔ اللہ تعالےٰ سوائے مومن فاضل کے کسی کی فضیلت نہیں بیان کرتا۔ لیکن جن لوگوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا ان میں منافقین بھی تھے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں جانتے تھے تو بھلا ہم کیسے جان سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ" وممن حولکم من الاعراب منٰفقون۔ ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لاتعلمھم نحن نعلمھم سنعذبھم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم" (اور تم لوگوں کے اطراف میں جو اعراب ہیں اُن میں سے کچھ منافق بھی ہیں۔ اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق میں پختہ ہیں۔ اے نبی جنھیں آپ نہیں جانتے۔ ہم انھیں جانتے ہیں۔ ہم ان پر دوبار عذاب کریں گے۔ اس کے بعد وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹا دئے جائیں گے)۔

اسی لئے ہم نے ان میں سے کسی شخص کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ۱۱۷
لیکن ہم اُس کے قائل ہیں کہ اُن میں سے جو منافق نہیں ہے وہ یقیناً جنتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے اُن سب سے نیکی کا وعدہ کیا ہے۔ اور اُس نے خبر دی ہے کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ جس کے لئے اللہ کی طرف سے پہلے سے نیکی مقرر ہو چکی وہ دوزخ سے دور رکھا جائے گا۔ اُس کی آہٹ بھی نہ سنے گا، نہ اسے سب سے بڑی

پریشان کرنے والی چیز پریشان کرے گی، وہ اپنی من مانی مرادوں میں ہمیشہ رہے گا۔ اور یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

بیشک وہ تباہ و برباد ہوا جس نے اپنے رب کے اس قول کو رد کیا کہ "اللہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں سے راضی ہو گیا۔ اور اُسے اُن کے دلوں کا حال معلوم ہوا تو اُس نے اُن پر سکینہ و اطمینان نازل کیا"۔ جسے ذرا سا بھی علم ہے وہ جانتا ہے کہ ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر و عمار و مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اس صفت کے اہل ہیں۔ خوارج و روافض کے دونوں گروہ، جن پر اللہ کی لعنت ہے، جو ان حضرات سے بری و بیزار ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور اُس سے سرکشی کرنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہمارا یہ قول و عقیدہ ہے۔ تابعین رح و تبع تابعین رح میں سے ہم ایک ایک کے متعلق اُن کے باطن پر قطعی فیصلہ نہیں کرتے۔ بجز اُن لوگوں کے جن سے دین کے لئے صبر کرنے میں مشقت کی برداشت اور بغیر کسی فوری غرض کے ترک دنیا ظاہر ہوا۔ مگر ہم یہ نہیں جانتے کہ اُن کا خاتمہ کس چیز پر ہوا۔ اگرچہ ہم ان کی تعظیم و توقیر اور اُن کے لئے دعائے مغفرت و رحمت و رضائے الٰہی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ہم سب سے قطعاً محبت و دوستی رکھتے ہیں اُن میں سے ہر شخص سے ہم اُس کے ظاہر کے مطابق محبت رکھتے ہیں۔ لیکن کسی کے جنتی یا دوزخی ہونے کا فیصلہ نہیں کرتے۔ ہم ان کے لئے جنت کی امید کرتے ہیں اور ان پر عذاب کا خوف کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی خاص شخص کے لئے کوئی نص نہیں ہے۔ اور اللہ کی جانب سے کسی امر کی خبر دینے کے لئے اُسی کے پاس نص آنا ضروری ہے۔ ہم اسی طرح کہتے ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمھارا بہترین قرن وزمانہ وہ ہے جس میں مجھے بھیجا گیا، پھر وہ زمانہ ہے، جس میں ان لوگوں کے متصل ہوں گے، پھر وہ زمانہ ہے جس میں ان متصلین

کے متصل ہوں گے"۔ اس حدیث کے معنی یہی ہیں، اس کے سوا نہیں ہوسکتے کہ ان قرون میں سے ہر قرن کی جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا اجمالی طور پر اُس قرن سے زیادہ فضیلت ہے جو اس کے متصل اور اس کے بعد ہے۔

برہان یہ ہے کہ تابعین کے زمانے میں وہ لوگ بھی تھے جو فسق میں تمام فاسقوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ مثلاً مسلم بن عقبۃ المری۔ حبیش بن دلجۃ القینی۔ حجاج بن یوسف الثقفی۔ وقاتلان عثمان۔ قاتلان زبیر۔ قاتلان حسین رضی اللہ عنہم ولعن قتلتہم ومن بعثہم۔ (خدا ان کے قاتلوں پر اور ان کے قاتلوں کو ابھارنے والوں پر لعنت کرے)۔

اس حدیث کے بارے میں جو ہمارا قول ہے اُس کی مخالفت جو کرے گا اُسے لازم آئے گا کہ وہ اس کا قائل ہو کہ یہ فاسق وخبیث ترین لوگ قرن ثالث اور اس کے بعد کے ہر فاضل و بزرگ مومن سے افضل ہوں۔ مثلاً سفیان الثوری۔ فضیل بن عیاض۔ مسعر بن کدام۔ شعبہ۔ منصور بن المعتمر۔ مالک۔ اوزاعی۔ لیث۔ سفیان بن عیینہ۔ وکیع۔ ابن المبارک۔ شافعی۔ احمد بن حنبل۔ اسحاق بن راہویہ۔ داؤد بن علی رضی اللہ عنہم سے۔ اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

بعید نہیں کہ ہمارے زمانے میں یا اُن لوگوں میں جو ہمارے بعد آئیں گے ایسے لوگ ہوں جو اللہ سے نزدیک تابعین سے افضل ہوں۔ اس لئے کہ اس سے روکنے کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے اور نہ کوئی دلیل ہے۔

جو حدیث اویس القرنی کے بارے میں آئی ہے وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس کا مدار اُسید بن جابر پر ہے جو قوی راوی نہیں۔ شعبہ نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے عمرو بن مرہ سے اویس القرنی کو دریافت کیا۔ یہ عمرو کوفی قرنی مرادی ہیں، قبیلۂ مراد کے شریف تر اور بہت بڑے عالم ہیں، وہ اویس القرنی کے بارے میں سب سے زیادہ جانتے ہیں،

مگر وہ اپنی قوم میں اویس القرنی کو نہیں پہچانتے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال اس کے خلاف ہے۔ ناممکن ہے کہ روئے زمین کا کوئی انسان اُن میں سے کم از کم درجے والے کے ساتھ بھی شامل ہو سکے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

بعض روافض کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کی محض آپ کی قرابت کی وجہ سے فضیلت ہے۔ اور اس آیت سے استدلال کیا ہے "ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العلمین ذریۃ بعضہا من بعض" (بیشک اللہ نے آدمؑ ونوحؑ وآل ابراہیمؑ وآل عمران کو تمام عالموں پر برگزیدہ بنایا ہے کہ ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں)۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ "قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ" (آپ کہدیجئے کہ میں اس پر تم سے اجرت نہیں مانگتا بجز اس کے کہ تقرب الٰہی کی محبت چاہتا ہوں) اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے "وابعث فیھم رسولا منھم" (اے اللہ ان لوگوں میں ایسے رسول کو بھیج جو انھیں میں سے ہو۔)

ان سب میں کوئی بھی حجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا کہ اُس نے آل ابراہیمؑ وآل عمرانؑ کو تمام عالموں پر برگزیدہ کیا، تو یہ دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں۔ کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی۔

یا تو اُس نے ہر مومن کو مراد لیا ہو۔ بعض علماء اسی کے قائل ہیں۔

یا اُس نے ابراہیم وعمرانؑ کے اہل بیت کے مومن مراد لیے ہوں۔ 118

اس کے سوا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ آذر والد ابراہیم علیہ السلام کافر اور اللہ کا دشمن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف دوزخ میں داخل کرنے کے لئے اس کا انتخاب کیا تھا۔

اگر اس نے وہ وجہ مراد لی ہے جو ہم نے بیان کی تو ہم اسے نہ روکتے ہیں اور نہ اُس سے اس بارے میں جھگڑا کرتے ہیں کہ موسیٰؑ وہارونؑ آل عمرانؑ میں سے تھے، اسماعیلؑ واسحاقؑ ویوسفؑ ویعقوبؑ آل ابراہیمؑ میں سے تھے

جو تمام عالموں پر منتخب و برگزیدہ کیے گئے۔ مگر یہاں بنی ہاشم کے لیئے کونسی حجت ہوئی۔

اگر روافض اس دعاء کو بیان کریں جس کا حکم دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے "اللهم صل علی محمد وعلیٰ آل محمد وبارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد" تو اس میں بھی وہی کلام ہے جو ہم کہہ چکے ہیں، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہ دعا ہر مومن کے لیئے ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم ان صلوٰتك سكن لهم" (آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر لیجئے تاکہ آپ انھیں اس کے ذریعے سے پاک وصاف کر دیں اور ان کے لیئے دعا کیجیئے آپ کی دعا ان کے سکون کا باعث ہوگی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اے اللہ آل ابی اوفی پر صلاۃ نازل فرما"۔ بلا کسی اختلاف کے یہ وہی دعائے رحمت ہے جو ہر مومن ومومنہ کے لیئے ہوتی ہے۔

اسی طرح وہ دعا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہر نماز کے تشہد میں لازم ہے کہ "السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین" یہ سلام بھی ہر مومن ومومنہ کے لیئے ہے۔ بنی ہاشم وغیر بنی ہاشم بغیر کسی قید کے سب پر دعائے صلوٰۃ وسلام میں مساوی ہوئے۔ اور کوئی فرق نہ ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "وبشر الصابرين الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون اولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة واولئك هم المهتدون" اور آپ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ "انا لله وانا اليه راجعون" کہتے ہیں یعنی ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کے پاس پلٹنا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے رحمتیں ہیں اور مہربانی ہے۔ اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں)۔ ہر مومن صابر کے لیئے اللہ تعالےٰ کی رحمت وصلوٰۃ واجب ہوگئی۔ کل بنی ہاشم۔ قریش۔ عرب۔ عجم اور جو اس صفت کے ہوں سب برابر ہوگئے۔

جو اس آیت سے استدلال کرتا ہے "ان الله اصطفى آدم ونوحا

وآل ابراهیم وآل عمران علی العٰلمین" اُسے لازم آئے گا کہ یہ بھی کہے کہ جو ہارونی یہود اسلام لائے وہ بنی ہاشم سے افضل واشرف ہیں اور امامت وتقدیم کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لئے کہ یہ آل ابراہیمؑ وآل عمرانؑ ہیں اور انھیں کے بارے میں یہ نص وارد ہوئی ہے۔

ثابت ہوگیا کہ اس سے اللہ تعالےٰ نے صرف انبیاء علیہم السلام کو مراد لیا ہے۔ اسے اللہ تعالےٰ کے اُس قول نے بیانِ جلی کے طور پر واضح کر دیا ہے جو اُس نے حضرت ابراہیمؑ کے قول کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے "قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظٰلمین" (ابراہیم نے کہا کہ اور میری اولاد میں سے بھی امام بنانا۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میرا وعدہ ظالموں کو نہ پہنچے گا" (یعنی بناؤں گا مگر گناہ گاروں کو نہیں)۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کے ظالم ایسے ہی ہیں جیسے غیر ابراہیم کی ذریت کے ظالم۔ اور فرمایا ہے "ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین آمنوا" (بیشک سب سے زیادہ قریب تر ابراہیمؑ کے وہ لوگ ہیں جنھوں نے اُن کی پیروی کی اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے) اللہ تعالےٰ نے ابراہیمؑ کی ولایت ومحبت وقرب میں ان لوگوں کو مخصوص کر دیا جو ابراہیمؑ کی پیروی کریں خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اس میں ہر مومن ومومنہ داخل ہے اور کسی کو کوئی فضیلت نہیں۔

یہ کلام الٰہی قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودۃ فی القربیٰ" (آپ کہد یجئے کہ میں تم سے رسالت کا اجر نہیں مانگتا۔ صرف قرابتداری کی محبت چاہتا ہوں)۔ یہ حق ہے اور اپنے ظاہر پر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش سے صرف یہ خواہش تھی کہ وہ آپ کی آن لوگوں سے قرابتداری کی وجہ سے آپ سے محبت کریں امت میں سے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے کبھی اُس کی خواہش نہیں کی کہ وہ آپ کے چچا ابولہب سے محبت کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے مسلمانوں سے بلالؓ وعمارؓ وصہیبؓ وسلمانؓ

وسالمؓ مولائے ابی حذیفہؓ سے محبت کرنے کی خواہش کی ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے یہ فرمانا کہ "وابعث فیھم رسولا منھم" (ان میں ایسا رسول بھیج جو انھیں میں سے ہو)۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ "وان من اُمّۃ الاخلا فیھا نذیر" (کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا یعنی نبی نہ گزرا ہو)۔ اور فرمایا ہے "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم" (اور ہم نے جو رسول بھیجا وہ اُسکی قوم کی زبان ہی میں بھیجا تاکہ وہ انھیں سمجھا سکے)۔ حضرت ابراہیم کی اس دعا میں بھی تمام قومیں مساوی ہیں کیونکہ اُن سب میں جو رسول بھیجا جاتا تھا وہ انھیں میں سے ہوتا تھا اور اُسی قوم کا ہوتا تھا۔

اگر کوئی معترض اس حدیث صحیح سے استدلال کرے جس میں یہ ہے کہ "اللہ تعالےٰ نے اولاد اسماعیلؑ میں کنانہ کو منتخب کیا۔ کنانہ میں سے قریش کو قریش میں سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب کیا" تو اس کے معنی ظاہر ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کا بنی ہاشم میں سے ہونا پسند کیا، اور بنی ہاشم کا قریش میں سے ہونا، قریش کا کنانہ میں سے ہونا کنانہ کا بنی اسماعیل میں سے ہونا پسند کیا، جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے موسیٰؑ کا بنی لاوی میں سے ہونا پسند کیا، بنی لاوی کا بنی اسحاق علیہ السلام میں سے ہونا پسند کیا۔ ہر نبی کا اُسی خاندان میں سے ہونا پسند کیا جس میں وہ ہوا۔ اس کے سوا نہیں ہوسکتا۔

جو شخص اس حدیث کو دوسرے معنی پر محمول کرنا چاہتا ہے ہم اُس سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا بنی ہاشم یا قریش یا کنانہ یا بنی اسماعیل ۱۱۹
میں سے کوئی دوزخ میں جائے گا یا نہیں۔ اگر وہ اس کا انکار کریں تو کفر کریں گے اور اجماع و قرآن و حدیث کے بھی مخالف ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک شخص سے) فرمایا تھا کہ "میرے اور تیرے باپ دوزخ میں ہیں۔ اور ابو طالب دوزخ میں ہیں۔" قرآن میں آیا ہے کہ ابولہب دوزخ میں ہے۔ اور تمام کفار قریش دوزخ میں ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "تبت یدا ابی لھب وتب ما اغنی عنہ مالہ

وماکسب سیصلی نارا ذات لھب" (ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں۔ اور ٹوٹ گئے۔ اس کا مال اور اس کی کمائی اس کے کام نہ آئے گی۔ وہ شعلہ والی آگ میں گر پڑے گا)۔ اگر معترض اس کا اقرار کرلے کہ ان میں سے بھی وہ لوگ دوزخ میں جائیں گے جو دوزخ میں جانے کے مستحق ہونگے تو ان لوگوں میں (یعنی بنی ہاشم میں) اور دوسرے تمام لوگوں میں مساوات ثابت ہو جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس گمان فاسد کی تکذیب کرتا ہے کہ "اے فاطمہؓ بنت محمدؐ میں کچھ بھی تمھارے کام نہیں آسکتا۔ اے صفیہؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی۔) میں کچھ بھی تمھارے کام نہیں آسکتا۔ اے عباسؓ بن عبدالمطلب میں کچھ بھی آپ کے کام نہیں آسکتا۔ اے اولاد عبدالمطلب میں کچھ بھی اللہ سے تمھیں بے نیاز نہیں کرسکتا"۔ اور اللہ تعالےٰ کا یہ قول ان سب سے زیادہ واضح ہے "یاایھاالناس اناخلقنٰکم من ذکر وانثی وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم" (اے لوگو میں نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمھیں اس لئے مختلف شاخوں اور قبیلوں میں کردیا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم و بزرگ وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہو)۔ اور اللہ تعالےٰ کا یہ قول "لن تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم یوم القیٰمۃ یفصل بینکم" (تمھاری قرابتیں اور تمھاری اولاد ہرگز تمھیں نفع نہ دیں گی۔ قیامت کا دن تم میں جدائی ڈال دے گا)۔ اور اللہ تعالےٰ کا یہ قول "واخشوا یوما لایجزی والد عن ولدہ ولامولود عن والدہ شیئا" (اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ باپ اپنی اولاد کے کچھ کام آسکے گا اور نہ بیٹا اپنے والد کے) اللہ تعالےٰ نے عاد و ثمود و قوم لوطؑ کا ذکر کرکے فرمایا ہے کہ "اکفارکم خیر من اولئکم ام لکم براءۃ فی الزبر" (کیا تمھارے کفار ان لوگوں سے

بہتر ہیں یا تمھاری برأت کتابوں میں لکھی ہوئی ہے)۔
ثابت ہوگیا کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی قرابت کی وجہ سے نفع نہ اٹھا سکے گا۔ اگرچہ اُس کا بیٹا یا باپ یا ماں بہن کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ نے فرزند نوح و والد ابراہیمؑ و عم محمد علیہم السلام کے بارے میں جو تصریح فرمائی ہے وہی کافی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ جن لوگوں نے قبل فتح مکہ خرچ کیا، جہاد کیا، وہ اُن لوگوں سے بہت بڑے درجے والے ہیں جنھوں نے بعد فتح مکہ خرچ کیا اور جہاد کیا۔ لہٰذا بداہۃً ثابت ہوگیا کہ بلال و صہیب و مقداد و عمار و سالم و سلمان۔ عباس و فرزندان عباس عبداللہ و فضل و قثم و معبد و عبیداللہ و عقیل بن ابی طالب و حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالےٰ کی شہادت کے مطابق افضل ہیں۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں، آخرت میں صرف عمل ہی پر جزا ملے گی، اللہ تعالےٰ کے یہاں قرابتوں اور پدری و پسری سے کوئی نفع نہ ہوگا اور دنیا مقام جزا نہیں ہے، تو پھر ہاشمی و قرشی و عربی و عجمی و حبشی اور کسی حبشی عورت کے بیٹے میں باہم کوئی فرق نہیں۔ بزرگی و کامیابی اُسی کی ہے جو اللہ تعالےٰ کا متقی ہو۔ عمرؓ بن الخطاب سے مروی ہے کہ "انسان کی بزرگی اُس کا دین ہے، اُس کا خاندان اس کی پیدائش ہے خواہ وہ فارسی ہو یا نبطی"۔

علیؓ مرتضےٰ کی جنگ، اور جن صحابہؓ نے ان سے جنگ کی

اس جنگ کے بارے میں تین فرقے ہوگئے ہیں۔ کل شیعہ اور بعض مرجیہ اور اکثر معتزلہ اور بعض اہل سنت نے کہا ہے کہ علیؓ اپنی جنگ میں حق پر تھے اور ان کے مخالف غلطی پر۔

واصل بن عطاء، وعمرو بن عبید وابو الہذیل اور معتزلہ کے چند گروہوں نے کہا ہے کہ علیؓ معاویہؓ سے اور اہل نہر (یعنی خوارج) سے جنگ کرنے میں حق پر تھے۔ لیکن ان لوگوں نے حضرتؓ کی اہل جمل سے جنگ کے بارے میں توقف کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت خطا پر تھی مگر ہم نہیں جانتے کہ وہ کونسی تھی۔

خوارج نے کہا ہے کہ اہل جمل واہل صفین سے جنگ کرنے میں حضرت علیؓ حق پر تھے مگر اہل نہر (یعنی خوارج) سے جنگ کرنے میں خطا پر تھے۔

سعدؓ بن ابی وقاص وعبداللہ بن عمرؓ اور اکثر صحابہ نے علیؓ اور اہل جمل وصفین کی جنگ کے بارے میں توقف کا مذہب اختیار کیا ہے۔ اکثر اہل سنت وابوبکرؒ بن کیسان بھی اسی کے قائل ہیں۔

صحابہؓ کی ایک جماعت اور بہتیرے تابعین وتبع تابعین کے چند گروہ اس طرف گئے ہیں کہ حضرت علیؓ سے جنگ کرنے میں اہل جمل وصفین حق پر تھے یہ وہی لوگ تھے جو یوم جمل ویوم صفین میں حضرت علیؓ سے جنگ کرنے آئے تھے۔ ابوبکرؒ بن کیسان نے اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

خوارج اور ان کے اسلاف کی خطا تو ہم اپنی اسی کتاب کے ۱۲۰
گذشتہ حصے میں واضح کر چکے ہیں سوائے اس استدلال کے جو انھوں نے دو حکموں کے حکم بنانے کے انکار پر کیا ہے، اس میں بھی ہم انشاءاللہ اسی طرح کلام کریں گے جس طرح ان کے تمام احکام پر کلام کیا ہے۔ والحمد للہ رب العلمین

جن لوگوں نے توقف کیا ہے ان کے پاس اس سے زیادہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ انھیں حق واضح نہیں ہوا۔ جسے حق واضح نہ ہوا اس سے مناظرے کی اس سے زیادہ گنجائش نہیں کہ ہم اس کے لیے وجہ حق بیان کریں تاکہ اسے بھی حق نظر آجائے۔ ان لوگوں نے اختلاف کی صورت میں ترک قتال کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں وہ بھی بیان کی ہیں۔ انشاءاللہ ہم ان سب کو بیان کریں گے۔ اب وہی گروہ رہ گیا جو تمام جنگوں میں حضرت علیؓ کو حق پر

سمجھتا ہے اور وہ گروہ رہ گیا جو اہل جمل وصفین والوں کو جنھوں نے علیؓ سے جنگ کی حق پر سمجھتا ہے۔

جن لوگوں نے جمل وصفین میں علیؓ سے جنگ کرنے والوں کو حق پر سمجھنے کا طریقہ اختیار کیا ہے انھوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو بحالتِ مظلومی قتل کیا گیا ہے لہذا ان کے قاتلوں سے قصاص لینے کا مطالبہ فرض ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا" (اور جو شخص بحالتِ مظلومی قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کے لئے اختیار مقرر کر دیا ہے)۔ اور فرمایا ہے "وتعاونوا علی البر والتقوىٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (اور آپس میں نیکی و پرہیزگاری پر مدد کیا کرو اور گناہ وظلم پر مدد نہ کیا کرو)۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ جس نے ظالموں کو پناہ دی وہ یا تو ان کا شریک ہے اور یا اُن سے حق وصول کرنے سے کمزور ہے۔ یہ دونوں امر ایسے ہیں کہ جو ان کو کرے اس کی امامت کے ساقط کرنے اور اس سے جنگ واجب کرنے میں حجت ہیں۔

حضرت عثمانؓ پر جو ان لوگوں کا اعتراض ہے کہ انھوں نے چند چیزیں جاری کر دیں جن کا انھیں علم نہ تھا۔ تو اس قسم کی چیزیں تو خفیہ طور پر بھی جاری ہو جاتی ہیں۔ جن کو بغیر ظاہر ہوئے کوئی نہیں جانتا۔ بالفرض حضرت عثمانؓ کے جن امور پر اعتراض کیا گیا ہے وہ سب صحیح ہوں تب بھی امت میں بغیر کسی کے اختلاف کے ان امور سے کسی کا خون وقتل حلال نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے ان پر یہی اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے زائد اور بچے ہوئے اموال میں سے بہت ہی قلیل حصہ پوشیدہ کر دیا تھا جو کسی خاص شخص کے حق وحصے کا نہ تھا۔ عثمانؓ نے اس مال کو روک لیا۔

اس پر اعتراض ہے کہ انھوں نے اپنے اقارب کو حکومت کے عہدے دیدئیے تھے۔ جب لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے ان اقارب کی (جو عہدوں پر مامور تھے) شکایت کی تو انھوں نے ان کو معزول کر دیا اور جو سزا کے مستحق تھے انھیں سزا بھی دی۔

یہ اعتراض ہے کہ انھوں نے حکم بن ابی العاص کو مدینے واپس بلا لیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کو شہر بدر کرنا نہ تو حد واجب کے طور پر تھا اور نہ کوئی دوامی شرعی حکم تھا۔ یہ محض ایک جرم کی سزا تھی جس کی وجہ سے وہ مستحق جلائے وطنی ہو گیا تھا۔ توبہ میں بڑی گنجائش ہے۔ پھر جب اس نے توبہ کر لی تو اہل اسلام میں سے بغیر کسی کے اختلاف کے وہ سزا اس سے ساقط ہو گئی اور ساری زمین اس کے لئے مباح ہو گئی۔

حضرت عثمانؓ نے عمار کے پانچ کوڑے مارے اور ابوذر کو ربذہ میں جلائے وطن کر دیا۔ یہ تمام امور خون کو مباح نہیں کرتے۔

خوارج نے کہا ہے کہ بڑے بڑے حوادث برپا کرنے والوں کا پناہ دینا یعنی خون حرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں بہانا، اور ناحق امام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا بہت ہی بڑا حادثہ ہے، یہ حوادث پیدا کرنے والے جس امر کے نفاذ کے مستحق تھے اس سے باز رہنا بلاشک امور مذکورۂ بالا سے (جو حضرت عثمانؓ پر قابل اعتراض بتائے جاتے ہیں) زیادہ شدید ہے۔

خوارج نے کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا بیعت حضرت علیؓ سے باز رہنا ایسا ہی ہے جیسا حضرت علیؓ کا حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے باز رہنا۔ مگر ابو بکرؓ نے نہ تو ان سے جنگ کی اور نہ انھیں مجبور کیا۔ حالانکہ حضرت ابو بکرؓ حضرت علیؓ پر بہ نسبت حضرت علیؓ کے حضرت معاویہؓ پر زیادہ قادر تھے۔ معاویہؓ بیعت علیؓ سے اپنی تاخیر میں بہ نسبت علیؓ کے بیعت ابو بکرؓ سے تاخیر میں زیادہ معذور تھے اور انھیں گفتگو کی زیادہ گنجائش تھی۔ اس لئے کہ انصار اور حضرت زبیر کے ابو بکرؓ سے بیعت کرنے کے بعد بجز علیؓ کے کوئی مسلمان ابو بکرؓ کی بیعت سے نہیں رکا۔ لیکن علیؓ کی بیعت سے اکثر صحابہؓ باز رہے یا تو ان کے خلاف ہونے کی وجہ سے یا غیر جانبداری کی وجہ سے۔

صحابہؓ میں جن لوگوں نے علیؓ کی پیروی کی وہ بہت ہی قلیل اور

اُن ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کے علاوہ تھے جو شام عراق مصر اور حجاز میں تھے کہ یہ سب کے سب اُن کی بیعت سے باز رہے۔ تو اس معاملے میں معاویہؓ بھی انھیں میں سے شامل ایک کے تھے۔

بیعت علی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولیعہدی کی بناء پر نہ تھی جیسی کہ ابو بکرؓ کی بیعت (ولیعہدی کی بناء پر) تھی۔ نہ اجماع امت سے تھی جیسی کہ حضرت عثمانؓ کی بیعت تھی۔ نہ کسی واجب الاطاعۃ خلیفہ کی ولیعہدی سے تھی جیسی کہ حضرت عمرؓ کی بیعت تھی، نہ فضیلت میں کسی ایسی ظاہری فوقیت کی وجہ سے تھی جو کسی اور میں نہ ہوتی۔ اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ اور نہ شوریٰ سے تھی، لہذا جو لوگ اُن کی بیعت سے علحدہ رہے اور معاویہؓ بھی بہ نسبت حضرت علیؓ کے زیادہ معذور ہیں جو چھ مہینے تک بیعت ابو بکرؓ سے علحدہ رہے یہاں تک کہ انھیں بصیرت پیدا ہوگئی اور انھوں نے اس معاملے میں جو اُن پر حق تھا اُس کی طرف رجوع کیا۔

خوارج نے کہا ہے کہ اگر تم لوگ یہ کہو کہ ابو بکرؓ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نص تھی وہ علیؓ سے مخفی رہی۔ تو ہم تم سے کہیں گے کہ بلاشک وہ اُس سے بھی نہ ڈرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھا دیا اور علیؓ کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ابو بکرؓ کے پیچھے نماز پڑھیں۔ اس کے بعد بھی اُن کا
۱۲۱ بیعت ابو بکرؓ سے پیچھے رہنا اُن کی طرف سے ابو بکرؓ کو اُس مقام سے ہٹانے کی کوشش تھی جس مقام پر ابو بکرؓ کے حق کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مقرر کیا تھا۔ اُن کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کو جو ابو بکرؓ کو نماز کے لئے آگے بڑھانے پر تھی فسخ کرنے کی کوشش تھی۔ یہ فعل کسی ایسے شخص کو واپس بلانے سے زیادہ سخت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جرم کی وجہ سے شہر بدر کر دیا، پھر اُس نے اس فعل سے توبہ کر لی۔

حضرت علیؓ نے توبہ کرلی اور اپنی خطار کا اعتراف کرلیا۔ ان چھ مہینوں کے بعد جن میں وہ بیعت ابو بکرؓ سے باز رہے جب اُن سے بیعت کرلی تو ضروری طور پر یہ دو حال سے خالی نہیں۔

یا تو یہ کہ وہ بیعت سے رُکنے میں حق پر ہوں، پھر جب اُنھوں نے بیعت کرلی تو یہ خطا ہوئی۔

یا یہ کہ بیعت کرنے میں وہ حق پر ہوں اور جب انھوں نے اس میں تاخیر کی تو یہ خطا تھی۔

بیعت علیؓ سے پیچھے رہنے والوں نے بیعت سے پیچھے رہنے میں کبھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کیا۔ اگر ان کا یہ فعل خطا بھی تھا تو یہ اُس خطا سے بہت خفیف ہے جو بیعت ابو بکرؓ میں تاخیر کرنے سے علیؓ سے سرزد ہوئی۔ اور اگر ان لوگوں کا فعل حق وصواب تھا تو یہ سب خطا سے بری ہیں۔

وہ فرق جو طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص و علیؓ میں تھا وہ نہایت خفی وباریک تھا۔ کیونکہ یہ سب لوگ شوریٰ میں علیؓ کے ساتھ تھے اور علیؓ کی کوئی فضیلت و فوقیت ان سب پر یا ان میں سے کسی ایک پر ظاہر نہ تھی لیکن وہ فرق جو علیؓ و ابو بکرؓ میں تھا نہایت واضح وظاہر تھا۔ لہذا یہ لوگ علیؓ کی بیعت سے باز رہنے میں زیادہ معذور ہیں اس لئے کہ باہمی فضیلت کی کمی بیشی پوشیدہ تھی۔

علیؓ نے قاتلان عثمانؓ کے بارے میں وہی کیوں نہ کیا جو انھوں نے قاتلان عبداللہ بن خباب بن الارت کے ساتھ کیا تھا، کیونکہ حرام ہونے میں دونوں قصے مساوی ہیں۔ پھر قتل عثمانؓ کی مصیبت اسلام میں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مسلمانوں کے نزدیک بہت بڑا جرم اور بہت وسیع رخنہ اور بدترین گناہ اور نہایت ہولناک فسق ہے بہ نسبت اُس مصیبت کے جو قتل عبداللہ بن خباب میں ہے۔ جو لوگ علیؓ سے متعلق یہ تاویل کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ علیؓ کی رائے میں ایک شخص کے بدلے ایک جماعت کا قتل جائز نہ ہو۔

تو علیؓ کا یہ فعل جو انھوں نے عبداللہ بن خباب کے خون کے مطالبے میں کیا حجت قاطعہ ہے۔

کل یہی دلائل ہیں جن سے اس گروہ کا استدلال ممکن ہے جن کو ہم نے اکٹھا کر دیا ہے۔ انشاءاللہ ہم ان میں سے ہر گروہ کے مذہب پر کلام کریں گے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد و تائید سے اس مسئلے میں حق واضح ہو جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے خوارج کے انکار تحکیم سے شروع کرتے ہیں۔ (یعنی جنگ صفین میں جو فریقین نے دو حکم بنائے تھے اس پر خوارج کو اعتراض ہے)

خوارج نے کہا ہے کہ علیؓ نے دین الٰہی کے بارے میں لوگوں کو حکم بنا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس کلام سے حرام کیا ہے "ان الحکم الا للہ" (حکم صرف اللہ ہی کے لئے ہے) اور اس قول سے "وما اختلفتم فیہ من شیئ فحکمہ الی اللہ" (اور جس چیز میں تم لوگ اختلاف کرو تو اس کا حکم و فیصلہ اللہ کے سپرد کرو)۔

علی رضی اللہ عنہ نے ہرگز اللہ تعالیٰ کے دین میں کسی آدمی کو حکم نہیں بنایا۔ وہ اس سے بری ہیں۔ انھوں نے صرف کلام اللہ کو حکم بنایا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا تھا۔ جب قرآن نیزوں پر بلند کیے گئے اور لوگوں نے ان احکام کے مطابق باہم فیصلے کی دعوت دی جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل کئے ہیں، تو ساری قوم متفق ہو گئی۔ یہی وہ حق ہے کہ کسی کو اس کے سوا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر" (پھر اگر تم میں کسی بات میں آپس میں اختلاف ہو تو اسے اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو۔ بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو)۔ علی رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری و عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہی کو حکم بنایا تھا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جانب سے حجت کو ظاہر کرے۔ یہ دونوں صاحب ان دونوں گروہوں کی جانب سے مباحثہ کریں، قرآن جس کے لئے حکومت کو واجب کرے اس کے لئے فیصلہ و حکم کر دیں۔ جب یہ

ایسا محال وممتنع تھا۔ کہ دونوں لشکروں کے شوروغل کو سمجھا جائے یا تمام اہل لشکر اپنی حجت کو بیان کریں تو لامحالہ علیؓ کا حق وصواب ظاہر ہو گیا جو ان سے دونوں حکموں کے حکم بنانے میں اور قرآن نے جو کچھ واجب کیا ہے اس کی طرف رجوع کرنے میں ظاہر ہوا۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

خوارج کے اسلاف اعراب و بدوی تھے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کے سمجھنے سے پہلے قرآن پڑھ لیا، ان میں کوئی تفقیہ نہ تھا، نہ کوئی ابن مسعودؓ کے شاگردوں میں سے تھا، نہ عمرؓ کے، نہ علیؓ کے، نہ عائشہؓ کے، نہ ابوموسیٰ کے، نہ معاذ بن جبل کے، نہ ابوالدرداؓ کے نہ سلمان کے، نہ زید وابن عباس وابن عمرؓ کے، اسی سے تم ان لوگوں کی یہ کیفیت پاؤ گے کہ جب کسی باریک ومختصر فتوے کی ان پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو یہ آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگتے ہیں۔ لہذا اس قوم کا ضعف اور ان کے جہل کی قوت واضح ہو گئی۔ اور یہ ظاہر ہو گیا کہ ۱۲۲
انھوں نے اس کا انکار کیا ہے جس کے حق ہونے پر ہم برہان لائے ہیں۔

کاش، یہ لوگ قرب زمانہ ہی کے باعث واقعۂ یوم سقیفہ سے اور انصار کے مہاجرین کے ساتھ اطاعت کرنے سے بے خبر نہ ہوتے کہ حکومت وخلافت قریش میں قرار پذیر ہوئی نہ کہ انصار وغیرہم میں۔ ان لوگوں کا زمانہ بقدر پچیس سال اور چند ماہ کے قریب تھا۔ ان میں سے اکثروں نے اس کو ایک ہی سال میں پایا۔ سب کے نزدیک یہ واقعہ ایسا ہی ثابت ہے جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ جن لوگوں نے ان لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال نقل کیا اور قرآن واحکام شریعت کو نقل کیا، انھیں نے یہ سب امور بھی نقل کیے۔ سب نے مان لیا کہ ان میں نہ کوئی بڑھا نہ کم ہوا۔ انھیں لوگوں نے ان سے واقعۂ سقیفہ اور انصار کا اس طرف رجوع کرنا نقل کیا کہ حکومت صرف قریش ہی میں ہو گی۔

خوارج اللہ تعالےٰ کے اس قول کو پڑھتے اور مانتے ہیں کہ

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا و کلا وعد اللہ الحسنیٰ" (تم میں سے کوئی اُن لوگوں کے برابر نہیں ہے جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔ یہ لوگ اُن سے بہت بڑے درجے والے ہیں جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اور ہر ایک سے اللہ نے نیکی کا وعدہ کیا ہے)۔

اور فرمایا ہے "محمد رسول اللہ۔ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ ذالک مثلھم فی التوراۃ۔ و مثلھم فی الانجیل۔ کزرع اخرج شطأہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علیٰ سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصٰلحٰت منھم مغفرۃ و اجراً عظیما" (محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں۔ آپس میں مہربان ہیں۔ تو انھیں جب دیکھے گا رکوع و سجدے میں دیکھے گا۔ جو اللہ کے فضل و رضا کی تلاش میں رہتے ہیں سجدے کے نشان ان کے چہروں میں نمایاں ہیں۔ ان کا یہی حال توریت میں بیان کیا گیا ہے۔ اور انجیل میں ان کا یہ حال ہے کہ یہ مثل اُس کھیتی کے ہیں کہ جس نے اپنا انکھوا نکالا ہو۔ پھر اُسے توانا کر دیا ہو پھر وہ موٹا ہو گیا ہو پھر اپنے تنے پر قائم ہو گیا ہو جس کو دیکھ کر کاشتکار خوش ہوتے ہوں۔ تاکہ اُن کی ترقی سے کفار کا دل دکھے۔ اللہ تعالےٰ نے ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں سے مغفرت و ثواب عظیم کا وعدہ کیا ہے)۔

اور فرمایا ہے "لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم فتحاً قریبا۔ (مومنین جس وقت درخت کے نیچے (حدیبیہ میں) آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ بیشک اللہ ان سے راضی ہوا۔ اور ان کے دلوں میں جو کچھ (خوف) تھا اُسے وہ معلوم ہوا تو اُس نے اُن پر سکینہ و اطمینان نازل کیا اور انھیں ایک نزدیک والی فتح (یعنی فتح خیبر) دیدی)۔

باایں ہمہ شیطان نے خوارج کو نابینا کر دیا اور باوجود علم ہونے کے اللہ تعالےٰ نے انھیں ایسا گمراہ کر دیا کہ علیؓ جیسے کی بیعت توڑ دی، سعید بن زید وسعد وابن عمرؓ جیسوں سے منہ پھیر لیا جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا تھا، اُن تمام صحابہؓ سے منہ موڑ لیا جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا تھا اور اللہ تعالےٰ نے اُن سے نیکی کا وعدہ کیا تھا۔ ان سب کو چھوڑ دیا جن کے متعلق یہ لوگ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کو اُن کے دلوں کا حال معلوم ہوا تو اُس نے اُن پر سکینہ واطمینان نازل کیا، اُن سے راضی ہوا۔ اور اُن لوگوں نے اللہ سے بیعت کی۔

خوارج نے اُن تمام صحابہ کو چھوڑ دیا جو کفار پر سخت اور آپس میں مہربان تھے۔ رکوع وسجدے کیا کرتے تھے' اللہ کے فضل ورضا کے طالب تھے۔ ان کے چہروں میں سجدے کے نشان تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توریت وانجیل میں جن کی مدح کی گئی ہے جن کی ترقی سے اللہ نے کفار کا دل دکھایا، جن کے متعلق یہ یقینی ہے کہ اُن کا باطن بھی خیر میں مثل اُن کے ظاہر کے ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شہادت دی ہے۔

خوارج نے ان میں سے تو کسی سے بیعت نہیں کی۔ شیث بن ربعی مؤذن سجاح سے اُس زمانے میں بیعت کی جب اُس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے اُس کا تدارک فرمایا تو وہ خود ان لوگوں کے پاس سے بھاگا انھیں اپنی گمراہی واضح ہوئی۔ تو ان لوگوں نے عبداللہ بن وہب الراسبی کا انتخاب کیا جو اپنے پس پشت موتنے والا اعرابی تھا، جس کا نہ کوئی پہلا کارنامہ تھا، نہ یہ صحابی تھا، نہ فقیہ وعالم، اور نہ اللہ تعالےٰ نے اُس کے متعلق خیر کی شہادت دی تھی۔ اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جس کی یہ سیرت وخصلت اور یہ انتخاب ہو۔ وہ شخص اسی کا مستحق ہے جس کا دست راست ذوخویصرہ جیسا شخص ہو جس کے ضعفِ عقل وقلتِ دین نے اُسے

یہاں تک پہنچا دیا ہو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ظلم و جور و خطا بتائے۔ اور اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ متقی و پرہیزگار سمجھے۔ اس کے باوجود وہ یہ بھی مانتا ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہو کر اس کے پاس آئے ہیں، آپ ہی سے اُس نے ہدایت پائی، آپ ہی سے اُس نے دین کی معرفت حاصل کی، اور اگر آپ نہ ہوتے تو وہ گدھا بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہوتا۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

وہ گروہ جو قاعدین کو (یعنی جنگ علیؓ و معاویہؓ میں شرکت نہ کرنے والوں کو) حق پر سمجھتے ہیں، ان میں سے جسے حق نہ واضح ہوا ہو اُس سے کلام کیا جائے گا کہ حق واضح ہو جائے اور وہ اُسے اس کی طرف رجوع کرنا لازم ہو جائے۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ ایجاب امامت کے بیان میں جو کچھ اس کے قبل کہہ چکے ہیں اُس سے ثابت ہے کہ امامت واجب ہے۔ یہ واجب ہے لہٰذا واجب کا کھونا جائز نہیں۔ ایک امام کی موت پر دوسرے امام کو پیشوا بنانے میں سبقت کرنا واجب ہے، اور ہم امام کی پیروی کرنے کے وجوب کو بیان کر چکے ہیں۔

جب عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور وہ امام تھے تو ایسے امام کا قائم کرنا واجب ہوا جس کی لوگ پیروی کریں۔ کہ لوگ بغیر امام کے نہ رہیں۔ جب حضرت علیؓ نے سبقت کی اور اُن سے کسی ایک مسلمان یا زیادہ نے بیعت کر لی تو وہ امام ہو گئے اور اُن کی اطاعت فرض ہو گئی۔ خاصکر اُن کی بیعت سے پہلے کسی اور کی بیعت نہیں ہوئی اور نہ اُن سے امامت میں کسی نے جھگڑا کیا۔ یہ نہایت واضح ہے۔ اور اُن کی امامت کے وجوب اور ان کی بیعت کی صحت اور اُن کے حکم کے مسلمانوں پر لازم ہونے کے لئے لازم ہے۔ وہ امام برحق ہوئے، اور اُن سے اُن کی وفات تک کبھی کوئی ایسی چیز ظاہر نہیں ہوئی جو اُن کی بیعت توڑنے کو واجب کرتی۔ اُن سے ہمیشہ نیکی و تقویٰ و عدل و خوبی ہی

ظاہر ہوئی۔ اسی طرح اگر طلحہ یا زبیر یا سعد یا سعید یا کسی اور مستحق امامت کی بیعت پہلے ہو جاتی تو یہ بھی بیعت حق ہوتی اور علیؓ اور دوسروں کو لازم ہوتی دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہذا حضرت علیؓ اپنی طرف اور اپنی امامت کے تحت میں داخل ہونے کی دعوت دینے میں حق بجانب تھے۔ یہ وہ برہان ہے جس سے مفر نہیں۔ ۱۲۳

ام المومنین و زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہم اور ان کے ہمراہیوں نے امامت علیؓ کو کبھی باطل نہیں کیا، نہ اس میں کوئی اعتراض کیا، نہ کسی ایسی جرح کا ذکر کیا جو انھیں امامت سے ہٹا دیتی۔ نہ کوئی دوسری امامت بنائی اور نہ کسی اور کی بیعت کی تجدید کی۔ اس کا تو کوئی شخص کسی طرح بھی دعویٰ نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہر صاحب علم اس کا یقین رکھتا ہے کہ اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

بدیہی طور پر ثابت ہو گیا، جس میں کوئی اشکال نہیں کہ یہ سب حضرات بصرہ میں نہ تو علیؓ سے جنگ کرنے گئے تھے، نہ ان کی مخالفت کے لئے، اور نہ اُن کی بیعت توڑنے کے لئے۔ اگر یہ لوگ اس کا ارادہ کرتے تو ضرور علیؓ کی بیعت کے سوا کوئی نئی بیعت کرتے۔ یہ وہ امر ہے جس میں نہ کوئی شک کرتا ہے اور نہ کوئی اس کا انکار کرتا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ فوراً اس لئے بصرہ گئے تھے کہ اُس رخنے کو بند کریں جو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ظلماً قتل سے پیدا ہو گیا ہے۔

برہان یہ ہے کہ یہ لوگ اکٹھا ہوئے مگر انھوں نے نہ خونریزی کی اور نہ جنگ کی۔ جب رات ہوئی تو قاتلان عثمانؓ کو معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی تلاش ہے اور ان کے خلاف تدبیر ہو رہی ہے۔ یہ لوگ لشکر طلحہ و زبیر میں ظاہر ہوئے، اُن لوگوں میں تلوار چلنے لگی تو اُس جماعت نے مدافعت کی دعوت دی۔ یہاں تک کہ یہ لوگ لشکر علیؓ سے مل گئے۔ پھر اُن کے اہل لشکر نے مدافعت کی۔ ہر گروہ بغیر کسی شک کے یہ گمان کرتا تھا کہ دوسرے

گروہ نے اس کے ساتھ جنگ کی ابتدا کی ہے۔ معاملہ ایسی الجھن میں پڑ گیا کہ کوئی شخص اس سے زیادہ قادر نہ ہو سکا کہ مدافعت کرے۔ وہ فاسق جو قاتلان عثمانؓ تھے، جنگ کو مشتعل کرنے میں سرگرم تھے۔ دونوں گروہ اپنے اس غرض و مقصد یعنی مدافعت میں حق پر تھے۔ زبیر جنگ کو اس کی حالت پر چھوڑ کے واپس چل دیے۔ طلحہ کو ایک نامعلوم شخص کا تیر لگا، وہ کھڑے تھے انھیں اس الجھن کی حقیقت کا پتا نہ چلا تھا کہ وہ تیر اُن کی پنڈلی کے اس زخم میں لگا جو غزوۂ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُن کو لگ چکا تھا۔ وہ بھی واپس ہوئے اور اسی وقت اُن کی وفات ہو گئی۔ حضرت زبیر کو وادی السباع میں جو بصرے سے ایک روز سے بھی کم کی مسافت پر ہے قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا۔ اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل بھی تھا۔ مصریوں نے اور جو اُن سے وابستہ تھے، آپ کا محاصرہ کر لیا تھا، اصرار تھا کہ آپ مروان کو ان کے حوالے کر دیں، آپ اس سے انکار کرتے تھے اور جانتے تھے کہ اگر مروان کو حوالے کر دیں گے تو وہ بغیر تحقیق و تفتیش کے قتل کر دیا جائے گا۔

یہ حالت اسی طرح رہی۔ صحابہؓ کی ایک جماعت جن میں حسنؓ و حسینؓ فرزندان علیؓ و عبداللہ بن الزبیر و محمد بن طلحہ و ابو ہریرہ و عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم تقریباً سات سو صحابہؓ کے ساتھ اُن کے ہمراہ اسی مکان میں اُن کی حفاظت کر رہے تھے اور اُن سے جنگ کے لیے اصرار کر رہے تھے، مگر حضرت عثمانؓ سنجیدگی کے ساتھ تنبیہ کر رہے تھے، یہاں تک کہ محاصرہ کرنے والے اُن کے ہمسایہ ابن حزم انصاری کے مکان کی ایک کھڑکی سے دھوکا دے کے دیوار پھاند کر اُن کے پاس پہنچ گئے اور انھیں قتل کر دیا جس کی کسی کو بھی خبر نہ ہوئی۔ (قتل کرنے والوں پر اور قتل سے خوش ہونے والوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے)۔ صحابہؓ میں سے کوئی بھی اُن کے قتل سے خوش نہ تھا، اور نہ اُن لوگوں کو یہ علم تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کا ارادہ کیا گیا ہے اس لئے کہ اُن سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا تھا جو

خون حرام کو حلال کر دے۔

یہ کہنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تین دن تک گھورے پر پڑے رہے۔ یہ خالص کذب اور بنائی ہوئی تہمت اور کسی بیحیا کی ایجاد ہے۔ وہ شام کو قتل کیے گئے اور اسی شب کو دفن کر دیے گئے۔ دفن میں صحابہؓ کی ایک جماعت موجود تھی۔ کہ جبیر بن مطعم وابو الجہم بن حذیفہ وعبداللہ بن الزبیر و مکرم بن نیار تھے اور ایک اور جماعت بھی تھی۔ یہ وہ امر ہے جس میں کوئی ایسا شخص شک نہ کرے گا جسے اخبار و تاریخ کا علم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم بدر میں حکم دیا تھا کہ کفار قریش کی لاشیں گڑھے میں ڈال دی جائیں اور ان پر مٹی ڈال دی جائے۔ حالانکہ یہ لوگ بدترین خلائق تھے۔ آپ نے یہود قریظہ کے مقتولین کے لئے بڑے بڑے گڑھے کھدوائے تھے، حالانکہ یہ لوگ ان سب میں بدترین تھے جنھیں زمین نے چھپایا ہے۔ لہذا مومن و کافر کا چھپانا مسلمانوں پر فرض ہے۔ بھلا کسی حیادار کو کس طرح زیبا ہے کہ وہ علیؓ کی طرف جو امام تھے، اور ان صحابہؓ کی طرف جو مدینے میں تھے، یہ منسوب کرے کہ یہ سب حضرات ایک مردے کو جو ان کے درمیان میں گھورے پر پڑا ہو، بغیر دفن کئے چھوڑ دیں۔ ہم اس کا خیال نہ کریں گے کہ وہ مومن ہے یا کافر۔ مگر اللہ تعالےٰ تو جھوٹوں کو ان کی زبانوں ہی سے رسوا کرنا چاہتا ہے۔ اگر علیؓ ایسا کرتے تو اعتراض ہوتا، اس لئے کہ اس سے خالی نہیں کہ یا تو حضرت عثمانؓ کافر و فاسق تھے یا مومن۔ اگر وہ حضرت علیؓ کے نزدیک کافر یا فاسق تھے تو علیؓ پر فرض تھا کہ ان کے ان احکام کو منسوخ کر دیتے جو مسلمانوں میں جاری تھے۔ جب انھوں نے یہ نہیں کیا تو ثابت ہو گیا کہ وہ ان کے نزدیک مومن تھے۔ کسی حیادار کو یہ کیونکر زیبا ہے کہ حضرت علیؓ کی طرف یہ منسوب کرے کہ انھوں نے ایک مومن کی میت کو گھورے پر اس طرح پڑا ہوا چھوڑ دیا
۱۲۴ کہ اس کے چھپانے کا حکم نہیں دیتے، یا یہ کیونکر زیبا ہے کہ یہ گمان کیا جائے کہ انھوں نے کافر یا فاسق کے احکام کو مسلمانوں پر نافذ رکھا۔ ان جھوٹے بدکاروں سے زیادہ علیؓ کی ہجو کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

برہان یہ ہے کہ یہ رسوا کن جہالت ہے کہ کوئی یہ گمان کرے کہ علی رضی اللہ عنہ اپنے احکام میں تناقض و اختلاف اور اپنے دین میں خواہشات نفسانی کی پیروی کی حد تک پہنچے ہوئے تھے، یہ جہل ہے کہ سعد بن ابی وقاص۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ اسامہ بن زید۔ رافع بن خدیج۔ محمد بن مسلمہ۔ کعب بن مالک وزید بن ثابت حسان بن ثابت اور ان تمام صحابہؓ کو جنہوں نے علیؓ سے بیعت نہیں کی تھی، وہ ان کو چھوڑ دیتے اور علیؓ ان لوگوں پر حملہ نہ کرتے۔ حالانکہ یہ لوگ اُن کے ساتھ مدینے میں تھے۔ البتہ خوارج اپنی بلند آوازوں سے مسجد کے اطراف میں حضرت علیؓ کے سامنے جب وہ مسجد کوفہ کے منبر پر تھے چلا رہے تھے کہ "سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں۔ سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں۔"
علی رضی اللہ عنہ ان سے کہہ رہے تھے کہ ہم پر تمہارے تین حقوق ہیں۔

ہم تمہیں مساجد میں آنے سے نہ روکیں گے۔
غنیمت میں سے تمہارا حق بند نہ کریں گے۔
تمہارے ساتھ جنگ کی ابتدا نہ کریں گے۔

حضرت علیؓ نے خوارج سے جنگ شروع نہیں کی تا وقتیکہ انھوں نے عبداللہ بن خباب کو قتل نہ کر دیا۔ اس کے بعد بھی انھوں نے اُن سے جنگ نہیں کی تا وقتیکہ اس کی دعوت نہ دیدی کہ وہ لوگ قاتلان عبداللہ بن خباب کو اُن کے حوالے کر دیں۔ جب ان لوگوں نے کہا کہ ہم سب نے انھیں قتل کیا ہے تو اس وقت ان لوگوں سے جنگ کی۔

ان تمام امور کے بعد بھی جاہل لوگ اُن کے متعلق یہ گمان کریں کہ حضرت علیؓ نے اپنی بیعت سے باز رہنے کی وجہ سے لوگوں سے جنگ کی، تو یہ کھلی ہوئی تہمت ہے، جھوٹ ہے اور خالص کذب ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ اس کے برخلاف ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے اُن سے اس لئے جنگ نہیں کی کہ وہ اُن کی بیعت سے باز رہے۔ اس لئے کہ معاویہؓ کو بھی اس میں وہی گنجائش تھی جو ابن عمرؓ وغیرہ کو تھی۔ اُن سے اس لئے جنگ کی کہ ملک شام میں حضرت علیؓ کے احکام کو نافذ کرنے سے روکتے تھے۔

حالانکہ علیؓ امام تھے اور ان کی اطاعت واجب تھی۔ اس لئے علیؓ اس میں حق پر تھے۔ معاویہ نے علیؓ کی فضیلت و استحقاق خلافت کا کبھی انکار نہیں کیا۔ البتہ اُن کے اجتہاد نے یہاں تک پہنچا دیا کہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کو بیعت پر مقدم سمجھے۔ اپنے آپ کو خون عثمانؓ کے مطالبے میں اور اس میں گفتگو کرنے میں اولاد عثمانؓ و اولاد حکم بن ابی العاص سے زیادہ مستحق و مناسب سمجھا۔ اس لئے کہ اُن کا سن بھی ان لوگوں سے زیادہ تھا اور انھیں اس کی قوت بھی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں عبدالرحمن بن سہل برادر عبداللہ بن سہل مقتول کو خاموشی کا حکم دیا تھا، حالانکہ وہ مقتول کے حقیقی بھائی تھے اور اُن سے فرمایا تھا کہ "بڑا۔ بڑا" (یعنی کوئی بڑا اور سن رسیدہ آدمی بولے) عبدالرحمن خاموش ہو گئے اور محیصہ و حویصہ فرزندان مسعود نے گفتگو کی، حالانکہ یہ دونوں۔ مقتول کے چچازاد بھائی تھے۔ اس لئے کہ یہ دونوں مقتول کے بھائی سے عمر میں زیادہ تھے۔ معاویہؓ نے جو مطالبہ کیا تو انھیں اس کے مطالبے کا حق تھا۔ اس مطالبے میں انھوں نے حدیث مذکورۂ بالا پر عمل کیا۔ البتہ اُن سے غلطی یہ ہوئی کہ مطالبے کو بیعت پر مقدم کر دیا۔ مگر اس میں بھی انھیں ایک ثواب ہی ہے، کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ حق تک رسائی سے محروم رہے۔ جس طرح اُن تمام لوگوں کو ایک ثواب ہوتا ہے جو اپنے اجتہاد میں خطا کرتے ہیں، مجتہد کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ان کو ایک ثواب ہے اور حق کو پہنچنے والے کو دو ثواب ہیں۔

اُس شخص سے زیادہ عجیب کون ہوگا جو خون۔ عورت۔ نسب مال اور امور شرعیہ کے حرام۔ حلال۔ اور واجب کرنے میں اجتہاد کو جائز رکھتا ہے، ان امور میں خطا کرنے والوں کو معذور سمجھتا ہے اور اس کو لیث وبتی وابوحنیفہ و ثوری و مالک و شافعی و احمد و داؤد و اسحاق وابوثور وغیرہم مثل زفر وابو یوسف و محمد بن الحسن و حسن بن زیاد وابن القاسم و

اشہب وابن الماجشون والمزنی کے لئے مباح سمجھتا ہے۔ کہ ان مجتہدین میں سے ایک شخص اس انسان کے خون کو مباح کرتا ہے اوران میں سے دوسرا مجتہد اُسے حرام کر دیتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص جنگ کرے اور قتل نہ کرے۔ یا کوئی شخص قوم لوط کا سا عمل کرے اسی طرح بہت سی باتیں ہیں۔

ایک مجتہد اس عورت کو حلال بتاتا ہے، دوسرا اُسے حرام کہتا ہے۔ مثلاً ایک دوشیزہ عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کے والد نے بغیر اس کی مرضی واجازت کے کر دیا۔ اس قسم کے مسائل بھی بہت ہیں۔ اسی طرح شرائع واحکام وانساب میں بھی مجتہدین کے اختلافات ہیں۔ ایسا ہی معتزلہ نے اپنے مشائخ کے ساتھ کیا ہے۔ مثلاً واصل وعمرو اوران کے تمام فقہاء و مشائخ ایسا ہی خوارج نے اپنے مفتی وفقہاء کے ساتھ کیا ہے۔ بااین ہمہ یہ لوگ اسی اجتہاد کو اُن لوگوں پر تنگ کر دیتے ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور فضیلت وعلم وتقدم واجتہاد حاصل ہے۔ مثلاً معاویہ وعمرو بن العاص اوران دونوں کے ساتھ والے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ان صحابہ نے بھی خون کے مسائل میں اجتہاد کیا ہے جس طرح دوسرے مفتیوں نے کیا ہے۔

۱۲ ھ دو مفتیوں میں سے ایک وہ ہے جو ساحر کے قتل کو حلال سمجھتا ہے، دوسرا مفتی اس کو حلال نہیں سمجھتا۔ ایک مفتی غلام کے عوض میں آزاد کے قتل کو حلال سمجھتا ہے دوسرا مفتی اسے حلال نہیں سمجھتا ایک مفتی کافر کے بدلے مومن کے قتل کو جائز سمجھتا ہے، دوسرا مفتی اسے جائز نہیں سمجھتا۔ ان اجتہادات میں اور معاویہ وعمرو بن العاص وغیرہ کے اجتہاد میں کونسا فرق ہے۔ اے کاش جہل ونابینائی و بے علمی کی بدحواسی نہ ہوتی۔

ہمیں معلوم ہے کہ جس پر کوئی حق واجب لازم ہو اور وہ اس کے ادا کرنے سے باز رہے اور اس کے لئے جنگ وقتال کرے تو امام پر اُس سے قتال کرنا واجب ہے اگر چہ وہ ہمیں میں سے ہو (یعنی مسلمان ہو) یہ اُس (امام) کی عدالت وفضیلت میں مؤثر نہ ہوگا اور نہ اُس کے لئے

موجب فسق ہوگا، بلکہ اُسے اُس کے اجتہاد و طلب خیر کی نیت کی وجہ سے ثواب ہوگا۔ اسی سے ہم نے علی رضی اللہ عنہ کے حق پر ہونے اور اُن کی امامت کے برحق ہونے کا یقین کیا کہ وہ صاحب حق تھے اور اُن کے لیے دو اجر ہیں، ایک اجر اجتہاد، اور دوسرا اجر حق رسی۔ ہم نے یہ بھی یقین کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ہمراہی خطا پر تھے اور سب مجتہد تھے جن کو ایک ایک اجر ملے گا۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ایک فساد انگیز جماعت ظاہر ہوگی جو آپ کی امت کے دو گروہوں میں فساد برپا کرائے گی۔ اُسے ان دو گروہوں میں سے حق کے قریب تر گروہ قتل کرے گا۔ اسی فساد انگیز جماعت نے فساد برپا کیا، یہ لوگ وہی خوارج تھے جو اصحاب علیؓ و اصحاب معاویہ میں سے تھے جنہیں علیؓ اور اُن کے اصحاب نے قتل کیا۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ اصحاب علیؓ دونوں گروہوں میں سے زیادہ حق کے قریب تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ عمار کو باغیوں کی جماعت قتل کرے گی۔

خطا کرنے والا مجتہد جب اُس امر پر جنگ کرے جسے وہ حق سمجھتا ہے، اپنی نیت میں وہ اللہ تعالے کی رضامندی کا قصد کرے، یہ نہ جانتا ہو کہ وہ خطاوار ہے، تو وہ گروہ باغی میں ہے۔ اگرچہ اُسے اس پر اجر ملے گا اور اُس پر کوئی حد یعنی شرعی سزا نہ ہوگی جب وہ جنگ ترک کرے گا اور نہ اُس پر قصاص ہوگا لیکن جب وہ یہ جان کر جنگ کرے کہ وہ خطا کر رہا ہے تو محارب اور جنگجو ہے، محاربت (باہمی جنگ کرنے) کا خمیازہ اور قصاص لازم آئے گا۔ اور اسے فاسق و باغی کہا جائے گا نہ کہ خطا کار مجتہد۔ اس کا بیان اللہ تعالے کا یہ قول ہے "وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما فان بغت احدٰہما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ۔ فان فآت فاصلحوا بینہما بالعدل واقسطوا۔ ان اللہ یحب المقسطین انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون" (اگر مسلمانوں کے دو گروہ

آپس میں لڑیں تو ان دونوں میں صلح کرادو۔ مگر اگر ان دونوں میں سے کوئی دوسرے پر ظلم وزبردستی کرے تو اس سے جنگ کرو جو زبردستی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پھر اگر وہ رجوع کرلے تو عدل کے ساتھ دونوں میں صلح کرادو۔ اور انصاف کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں۔ لہٰذا اپنے بھائیوں میں صلح کرادو۔ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے)۔

بغیر کسی تاویل و تکلف کے یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ ظاہر آیت سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے اُس کی رد کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں باغی مومن نامزد کیا ہے۔ دوران جنگ میں بھی بعض کو بعض کا بھائی بتایا ہے۔ جن پر ظلم وزبردستی کی جائے انھیں اہل عدل بتایا ہے اور انھیں کو اپنے اور اُن کے درمیان صلح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس باہمی خونریزی کی وجہ سے ان میں سے کسی کو نہ فسق سے موصوف کیا نہ نقص ایمان سے۔ صحابہؓ محض خطا وار باغی تھے۔ ان میں سے ایک بھی دوسرے کے قتل کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

عمار رضی اللہ عنہ کو ابوالعادیہ یسار بن سبع السلمی نے قتل کیا جو بیعت رضوان میں موجود تھے۔ وہ اُن لوگوں میں تھے اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے کہ اُسے اُن کے دل کا حال معلوم ہے، اُس نے اُن پر سکینہ و اطمینان نازل کیا ہے اور اُن سے راضی ہوا ہے۔ ابوالعادیہ رضی اللہ عنہ تاویل کرنے والے مجتہد ہیں اور اس میں خطا وار ہیں۔ عمار پر ظلم وزبردستی و بغاوت کرنے والے ہیں اور اس پر ایک اجر کے مستحق ہیں۔ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں کسی اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ نہ انھوں نے کسی کو قتل کیا، نہ باہم حرب وجنگ کی، نہ قتال کیا، نہ مدافعت کی، نہ زنا کیا اور نہ مرتد ہوئے کہ حرب وجنگ کرنے والوں کو کسی تاویل کی گنجائش ہو۔ یہ حرب وجنگ

کرنے والے، عمداً بغیر کسی تاویل کے محض ظلم و زبردستی کے طور پر ایک حرام خون کے بہانے والے تھے، اس لیے یہ سب کے سب فاسق و ملعون تھے۔

اس امر کے بطلان سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ علیؓ ہی صاحب حق تھے تو وہ احادیث جن میں گھروں میں رہنے اور جنگ ترک کرنے کی تاکید ہے یہ اُن لوگوں کے بارے میں ہیں جنہیں یقینی حق واضح نہ ہوا ہو کہ وہ کہاں ہے۔ ہم اسی کے قائل ہیں۔ جب حق واضح ہو جائے تو باغی جماعت سے جنگ کرنا بنص قرآن فرض ہے۔ اسی طرح اگر دونوں گروہ باغی ہوں تو اُن دونوں سے جنگ کرنا واجب ہے۔ اللہ کا کلام اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے معارض نہیں ہوتا۔ کلام نبی بھی اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" (آپ اپنے دل سے بات نہیں کرتے بلکہ وہ صرف وحی ہوتی ہے جو آپ کو بھیجی جاتی ہے)۔ اور فرمایا ہے "ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا" (اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں یہ لوگ کثیر اختلافات پاتے)۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے۔ جب یہ ایسا ہے تو ایسی کوئی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور اس میں اختلاف ہو۔ والحمد للہ رب العلمین۔

اب صرف اُن وجوہ پر کلام کرنا رہا جن سے اُن لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کو درست سمجھتے ہیں۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینا فرض تھا جو اللہ و رسول سے جنگ کرنے والے زمین میں فساد برپا کرنے والے اور اسلام و حرم امامت و ہجرت و خلافت وصحبت و سابقہ کی حرمت کے توڑنے والے تھے۔ تو ہاں۔ علیؓ نے اس میں ۱۲۶
اور قاتلوں سے بیزاری ظاہر کرنے میں کبھی ان لوگوں سے اختلاف نہیں کیا، لیکن اُن لوگوں کی بہت بڑی اور زبردست تعداد تھی کہ علیؓ کو

ان پر قدرت نہ تھی۔ لہذا علی رضی اللہ عنہ سے وہ چیز ساقط ہوگئی جو اُن کی استطاعت میں نہ تھی۔ جیسا کہ علیؓ سے اور ہر مسلمان سے جو عاجز ہو نماز میں قیام اور حج وروزہ ساقط ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے: "لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا" (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت زیادہ تکلیف نہیں دیتا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں جب تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو تم اس میں سے اتنا ہی کرو جتنی تمھیں استطاعت ہو۔

اگر معاویہ علیؓ سے بیعت کر لیتے تو وہ اُن کی وجہ سے قاتلان عثمانؓ سے حصول حق میں ضرور طاقتور ہو جاتے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ اختلاف ہی نے قاتلان عثمانؓ پر حق نافذ کرنے میں علیؓ کے ہاتھ کو کمزور کر دیا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو وہ ضرور ان لوگوں پر حق کو نافذ کرتے جس طرح انھوں نے قاتلان عبداللہ بن جناب پر اس کو نافذ کیا، کیونکہ وہ ان کے قاتلوں سے مطالبہ کرنے پر قادر تھے۔

معاویہ کا بیعت علیؓ سے باز رہنے میں علیؓ کے ابوبکرؓ کی بیعت میں تاخیر کرنے کے نمونے کی تقلید کرنا درست نہیں۔ اس لیے کہ خطا میں نمونہ نہیں ہوتا۔ علیؓ نے رجوع کر لیا اور کچھ زمانے کے بعد ہی بیعت کر لی۔ اگر معاویہ بھی ایسا ہی کر لیتے تو وہ حق کو پہنچتے۔ اس وقت بلاشک وہ تمام صحابہؓ بھی بیعت کر لیتے جنھوں نے تفریق کی وجہ سے بیعت نہیں کی تھی۔ علیؓ وطلحہؓ وزبیرؓ وسعدؓ کا تقارُب یعنی ایک ہی پایہ کا ہونا تو مسلم ہے مگر پہلے جن کی بیعت ہوگئی وہی اہل ومستحق خلافت ہے، وہی امام ہے جس کی اُن امور میں اطاعت واجب ہے جن میں اللہ کی طاعت ہو۔ خواہ وہاں پر اُس کے برابر یا اُس سے افضل لوگ موجود ہوں۔ جس طرح بیعت عثمانؓ پہلے ہوگئی تو اُن کی اطاعت وامامت دوسروں پر واجب ہوگئی۔ اگر اس مقام پر اُسی زمانے میں شوریٰ کے وقت علیؓ یا طلحہ یا زبیر یا عبدالرحمٰن یا سعد سے بیعت کر لی جاتی تو بلاشک وہی امام ہو جاتے اور لامحالہ انھیں کی اطاعت

عثمانؓ کو بھی لازم ہوتی۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ علیؓ ہی صاحب حق اور امام تھے جن کی اطاعت فرض تھی۔ معاویہ خطاوار مجتہد تھے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صاحب علم پر کسی ایسے امر دین میں جو اس سے بھی زیادہ صاف و واضح ہوتا ہے حق و صواب مخفی ہو جاتا ہے۔ اکثر تو جب اس پر حق واضح ہو جاتا ہے وہ اس سے رجوع کر لیتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حق واضح نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اس پر اس کی وفات ہو جاتی ہے۔ ہماری توفیق تو محض اللہ ہی کی طرف سے ہے، اسی سے ہدایت اور خطا سے بچانے کی درخواست ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

علیؓ نے اپنا حق طلب کیا اور اس پر جنگ کی۔ ان کا باغیوں کو چھوڑ دینا اس لئے تھا کہ مسلمانوں کی بات متحدر ہے۔ جیسا کہ ان کے بیٹے حسنؓ نے کیا۔ اس کی وجہ سے انھیں بہت بڑی فضیلت حاصل ہوگئی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشنگوئی نے پہلے سے بیان کر دیا تھا کہ "میرا یہ فرزند سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے سبب سے میری امت کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا"۔ اس فضیلت کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قابل رشک قرار دیا۔ جو شخص مسلمانوں کے خون کی حفاظت کی خواہش میں اپنا حق چھوڑ دے۔ اس نے تو وہ فضیلت حاصل کی کہ اس سے زیادہ نہیں، اس پر کوئی ملامت نہیں اور وہ اس میں حق پر ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

امامتِ مفضول

خوارج و معتزلہ و مرجیہ کے چند گروہوں کا، جن میں محمد بن الطیب الباقلانی اور ان کے متبعین، اور گروہ شیعہ کے تمام روافض کا مذہب یہ ہے کہ

ایسے شخص کی امامت جائز نہیں جب لوگوں میں اُس سے افضل موجود ہو۔ خوارج
و معتزلہ و مرجیئہ، تمام شیعہ زیدیہ اور تمام اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ
ایسے شخص کی امامت بھی جائز ہے کہ دوسرا اُس سے افضل موجود ہو۔
روافض نے تو یہ کہا ہے کہ عالم میں صرف ایک ہی امام ہوتا ہے جو مقرر ہوتا ہے
اور شخص معین ہوتا ہے، جیسا کہ ہم پہلے ان کے ان اقوال کو بیان کر چکے ہیں
جن کا ابطال بھی ہو چکا ہے، والحمد للہ رب العلمین۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اُس کی امامت جائز نہیں جس سے افضل موجود ہو۔
ہمیں ان کی کسی قسم کی حجت و دلیل کا علم نہیں ہوا۔ نہ قرآن سے۔
نہ حدیث سے۔ نہ اجماع سے۔ نہ صحت عقل سے۔ نہ قیاس سے۔ نہ قول
صحابی سے۔ جو ایسا ہو تو وہ قول پھینک دئے جانے کا مستحق ہے۔ یوم سقیفہ
۱۲۷ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے لئے ان دو میں سے
ایک شخص کو پسند کرتا ہوں۔ یعنی ابو عبیدہؓ اور عمرؓ کو۔ حالانکہ ابوبکرؓ بلاشک
ان دونوں سے افضل تھے۔ مگر کسی مسلمان نے بھی یہ نہ کہا کہ ابوبکرؓ نے
وہ بات کہی جو دین میں حلال نہیں۔ انصار نے سعد بن عبادہ کی بیعت کی
دعوت دی تھی۔ حالانکہ مسلمانوں میں ایک کثیر تعداد ایسی موجود تھی جو
بلاشک سب کے سب سعد بن عبادہ سے افضل تھے۔ مذکورۂ بالا بیان سے
تمام صحابہؓ کا اس پر اجماع ثابت ہو گیا کہ مفضول کی امامت (فاضل و افضل کے
ہوتے ہوئے) جائز ہے۔

عمرؓ رضی اللہ عنہ نے امر خلافت کو چھ شخصوں کے سپرد کر دیا۔
لا محالہ ان میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت تھی۔ اُس زمانے میں تمام اہل اسلام
کا اجماع تھا کہ ان چھ میں سے جس کی بیعت کی جائے گی وہی امام ہوگا
اور اسی کی اطاعت واجب ہوگی۔ اس واقعہ میں بھی ان سب کا اس پر
اجماع ہے کہ مفضول کی امامت جائز ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔ اور حسنؓ سے بیعت کی گئی۔
حسنؓ نے خلافت معاویہ کے سپرد کر دی۔ جو صحابہؓ موجود تھے ان میں وہ بھی تھے

جو معاویہ وحسن دونوں سے افضل تھے، جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا تھا مگر اول سے آخر تک سب نے معاویہ سے بیعت کرلی اور ان کی امامت کو حق سمجھا۔ یہ ایک اجماع کے بعد اس پر دوسرا اجماع یقینی ہے کہ اس کی امامت بھی جائز ہے جس سے دوسرا شخص ایسے یقین کے ساتھ افضل ہو جس میں کوئی شک نہ ہو۔

یہاں تک کہ ایسے لوگ پیدا ہو گئے، جن کا اللہ کے نزدیک کوئی وزن نہیں، ان لوگوں نے اپنی فاسد رایوں سے بغیر کسی دلیل کے اس اجماع کو توڑ ڈالا۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

تعجب تو یہ ہے کہ باقلانی کا یہ قول کہ "اس شخص کی امامت جائز نہیں جس سے افضل لوگ موجود ہوں" کیونکر جمع ہو گا۔ حالانکہ اس نے تو نبوت و رسالت کو ایسے شخص کے لئے جائز رکھا ہے جس سے افضل لوگ موجود ہوں۔ اس کے شاگرد ابوجعفر السمنانی نابینا قاضی موصل نے اس سے جو کچھ نقل کیا ہے اس میں تصریح کی ہے کہ ممکن و جائز ہے کہ امت میں ایسا شخص ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے زمانۂ بعثت سے زمانۂ وفات تک میں افضل ہو۔

ان دونوں قضیوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی بے توفیقی و ترک مدد کی کوئی چیز مستحق نہیں۔ خاصکر جب دونوں قضیے جمع ہو جائیں۔ اسلام پر اللہ کی حمد و شکر ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم یہاں انصار رضی اللہ عنہم کے اس قول سے کیسے استدلال کر سکتے ہو جو سعد بن عبادہ کی طرف بلانے کے لئے تھا۔ حالانکہ تمھارے نزدیک وہ قول خطا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کے خلاف ہے۔ نیز اس معاملے میں تم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کیسے استدلال کر سکتے ہو کہ میں تمھارے لئے ان دو میں سے ایک کو پسند کرتا ہوں۔ حالانکہ تمھارے نزدیک ابوبکرؓ کی خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کی وجہ سے تھی۔ ابوبکرؓ کو یہ کیسے جائز تھا

کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کو ترک کر دیتے۔
بتوفیق الٰہی ہم کہیں گے کہ انصار رضی اللہ عنہم کا فعل دو حکموں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک تو ایسے شخص کو آگے کرنا ہے جو قرشی نہ تھا۔ اور یہ خطا ہے۔ اس میں مہاجرین نے اُن سے اختلاف کیا تھا۔ لہٰذا یہ قضیہ تو ختم ہو گیا۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ ایسے شخص کے آگے بڑھانے کا جواز کہ دوسرا شخص اُس سے افضل ہو۔ یہ درست ہے جس پر ابو بکرؓ وغیرہ نے انصار سے اتفاق کر لیا تھا، لہٰذا یہ اجماع ہو گیا اور اس سے حجت قائم ہو گئی۔ اُس شخص کی خطا جو ایک قول میں خطا کرے اور ایسے شخص کی مخالفت کرے جو حق تک پہنچ گیا ہو، اس امر کی موجب نہیں کہ اُس کے صواب و حق سے استدلال نہ کیا جا سکے جس میں وہ اہل حق کے موافق ہو گیا ہو۔ اس امر میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ابو بکرؓ کا معاملہ یہی ہے کہ بذریعۂ نص حق انہیں کا تھا۔ لیکن انسان کو اس کا حق ہے کہ جب اپنے حق کے ترک کرنے میں مسلمانوں کی باہمی اصلاح دیکھے تو اپنے حق کو ترک کر دے۔ اُس عطیہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو عطا فرمائیں اور اُس مرتبہ میں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو فائز فرمائیں کوئی فرق نہیں۔ ابو بکرؓ کو اس کا حق تھا کہ وہ کسی اور کے لیے اس مرتبے کے حق سے دست بردار ہو جائیں۔ کیونکہ اُس سے نہ کوئی نص انہیں مانع تھی نہ اجماع۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اُس شخص کے قول کی صحت جو یہ کہتا ہے کہ ایسے کی امامت جائز ہے جس سے افضل کوئی دوسرا موجود ہو، اور اُس شخص کے قول کا بطلان جو اس (جوازِ امامتِ مفضول) کا مخالف ہے یہ ہے کہ افضل کی شناخت بغیر ظہورِ نص یا اجماع یا معجزے کے ناممکن ہے۔ معجزہ تو یہاں ناممکن ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ اسی طرح اجماع بھی، اور اسی طرح نص بھی۔ برہانِ ثانی یہ ہے کہ افضل کی جس شناخت کی ان کو تکلیف دی گئی ہے

یہی محال و ناممکن ہے۔ اس لئے کہ قریشی انتہائے سندھ سے انتہائے اندلس تک اور انتہائے یمن اور بربر کے صحراؤں کے آخری حصوں تک اور انتہائے ارمینیہ واذربیجان وخراسان تک کے شہروں میں اور ان کے درمیانی شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے نام ہی معلوم ہونا محال ہے تو بھلا ان کے احوال کیسے معلوم ہو سکتے ہیں۔ جب اسماء واحوال نہیں معلوم ہو سکتے تو افضل کی شناخت کیسے ہو سکتی ہے۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ ہم لوگ حس و مشاہدے سے جانتے ہیں کہ کسی شخص کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد دوسرے سے افضل ہونا محض گمان ہی سے جان سکتے ہیں۔ ظن وگمان سے فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالٰی نے ١٢٨
ایک قوم کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین" (ہم تو صرف گمان ہی کرتے ہیں اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں) اور فرمایا ہے "ما لھم بذلک من علم ان ھم الا یخرصون" (انہیں اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔ یہ لوگ محض اٹکل کی باتیں کرتے ہیں)۔ اور فرمایا ہے ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس ولقد جاءھم من ربھم الھدی۔ ام للانسان ما تمنی" (یہ لوگ محض ظن وگمان کی اور اس کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے جی چاہتے ہیں حالانکہ بلاشک ان کے پاس ان کے رب کے پاس سے ہدایت آچکی ہے۔ انسان کو وہ چیز حاصل نہیں ہوتی جس کی وہ آرزو کرتا ہے)۔ اور فرمایا ہے "ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً" (یہ لوگ محض ظن وگمان کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ گمان حق سے ذرا بھی بے نیاز نہیں کرتا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث" (تم لوگ گمان سے بچو کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے)۔

ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ فضائل میں جدا جدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص زیادہ زاہد ہوتا ہے، دوسرا زیادہ متقی، تیسرا زیادہ سیاست داں، چوتھا زیادہ بہادر، پانچواں زیادہ عالم ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ

فضائل میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہوتے ہیں جن میں فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ لہٰذا افضل کی شناخت باطل ہوگئی۔ اور ثابت ہوگیا کہ یہ قول فاسد اور تکلیف مالایطاق ہے اور ایسی چیز کا لازم کرنا ہے جس کی استطاعت نہ ہو۔ اور یہ باطل و ناجائز ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کی حکومت اور اُن تمام احکام کے نافذ کرنے کا تصرف جنھیں آئمہ نافذ کرتے ہیں، ایسی قوم کے سپرد فرمائی کہ بلاشک دوسرے اُن سے افضل تھے۔ آپ نے یمن کے علاقوں پر معاذ بن جبل و ابوموسیٰ اشعری و خالد بن ولید کو عمان پر عمرو بن العاص کو، بحرین پر علاء بن حضرمی کو، نجران پر ابوسفیان کو مکے پر عتاب بن اسید کو، اور طائف پر عثمان بن ابی العاص کو عامل بنایا۔ حالانکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر و عمار بن یاسر و سعد بن ابی وقاص و عبدالرحمٰن بن عوف و ابوعبیدہ و ابن مسعود و بلال و ابوذر رضی اللہ عنہم مذکورۂ بالا عاملین سے افضل تھے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ جن صفات کی وجہ سے امامت و خلافت کا استحقاق ہوتا ہے ان میں سے یہ نہیں ہے کہ وہ فضائل میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔

فضائل تو بیحد ہیں، اُن میں سے ورع و تقویٰ ہے، زہد ہے، علم ہے، شجاعت ہے، سخاوت ہے، حلم ہے، عفت و پاک دامنی ہے، صبر ہے، صرامت و استقلال ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی ہیں۔ ایسا کوئی شخص نہیں پایا جا سکتا کہ ان تمام فضائل میں فوقیت رکھتا ہو۔ بعض میں فوقیت رکھتا ہوگا اور بعض میں اوروں سے پیچھے ہوگا۔ جو شخص مفضول کی امامت کو جائز نہیں سمجھتا تو وہ کن صفات میں فضیلت کا لحاظ کرے گا۔ اگر بعض صفات پر محدود کردے گا تو بغیر دلیل کے مدعی ہوگا، اور اگر تمام صفات کو شامل کردے گا تو ایسی چیز کی تکلیف دے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس کے وجود کی کوئی سبیل نہیں۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں لہٰذا امامت مفضول کا ماننا ثابت ہوگیا اور جو قول اس کے خلاف ہے وہ باطل ہوگیا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

باقلانی نے شروط امامت میں ذکر کیا ہے کہ یہ گیارہ شرطیں ہیں۔ حالانکہ یہ دعوی بھی بلا دلیل ہے۔ اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔ ضروری ہوا کہ اُن شرائط امامت میں غور کیا جائے کہ جس میں یہ شرائط نہ ہوں اُس کی امامت جائز نہ ہو۔ ہم نے وہ شرائط یہ پائے کہ۔

قریش کے خاندان سے ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں کہ امامت انھیں میں ہو۔

بالغ و صاحب تمیز ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے (یعنی انھیں معاف کر دیا گیا ہے) بچہ تا وقتیکہ بالغ نہ ہو۔ مجنون تا وقتیکہ اُسے افاقہ نہ ہو۔ اور سونے والا تا وقتیکہ بیدار نہ ہو۔

مرد ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ قوم کامیاب نہ ہوگی جس نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا۔

مسلم ہو اس لئے کہ اللہ تعالے فرماتا ہے "ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا" (اور اللہ تعالے کافروں کے لئے مومنین پر ہرگز کوئی سبیل نہ کرے گا) خلافت تو سب سے بڑی سبیل ہے۔ اللہ تعالے کے اہل کتاب کو حقیر کرنے اور اُن سے جزیہ لینے کے حکم کی وجہ سے اور جو اہل کتاب نہ ہوں تا وقتیکہ وہ اسلام نہ لائیں اُن کے قتل کرنے کے حکم کی وجہ سے اس سبیل کی بزرگی ظاہر ہے۔

اپنے امر کا بڑھانے والا ہو یعنی بارعب ہو۔

جو فرائض دین اُسے لازم ہیں ان کا عالم ہو۔

متقی اور اللہ تعالے سے ڈرنے والا ہو۔

کم از کم ملک میں علانیہ فساد نہ کرتا ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ "تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (باہم نیکی و پرہیزگاری میں مدد کیا کرو اور گناہ و ظلم میں باہم مدد نہ کیا کرو)۔ جو شخص ایسے کو آگے کر دے گا کہ اللہ تعالے سے ڈرتا نہ ہو نہ اُس میں

یہ صفات ہوں، ملک میں علانیہ فساد کرتا ہو، تو اُس سے اطمینان نہیں۔ یا جو شخص کسی حکم کو نافذ و جاری نہ کر سکے، یا جو اپنے دین میں سے کچھ نہ جانتا ہو تو اُس نے گناہ و ظلم پر مدد کی، نیکی و تقویٰ پر مدد نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا کوئی حکم نہیں ہے
۱۲۹ وہ رد ہے۔ اور فرمایا کہ اے ابوذر بیشک تم کمزور ہو۔ تم ہرگز دو آدمیوں کے درمیان کوئی فیصلہ نہ کرنا اور نہ مال یتیم کے والی بننا۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے کہ " فان کان الذی علیہ الحق سفیھا او ضعیفا او لا یستطیع ان یمل ھو فلیملل ولیہ بالعدل۔ (پھر اگر وہ شخص جس پر حق واجب ہے احمق یا کمزور ہے یا وہ لکھوانا نہیں جانتا ہے تو عدل کے ساتھ اُس کے ولی کو لکھوا دینا چاہیئے) ثابت ہو گیا کہ سفیہ یعنی احمق اور ضعیف یعنی کمزور اور وہ شخص جو کسی چیز پر قادر نہ ہو تو اُس کے لئے ولی و کارکن ضروری ہے جس کو خود ولی کی ضرورت ہو اس کے لئے مسلمانوں کا ولی بننا جائز نہیں۔ لہذا اُس شخص کی ولایت جس میں یہ آٹھوں شرطیں پوری نہ ہوں باطل ہے، ناجائز ہے، اور ہرگز منعقد نہ ہوگی۔

اُس کے بعد مستحب یہ ہے کہ وہ اُن امور دین کا عالم ہو جو اُس کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً عبادات و سیاست و احکام۔ تمام فرائض کا ادا کرنے والا ہو۔ اُن میں سے کسی کو ترک نہ کرتا ہو۔ ظاہر و باطن میں کبائر سے پرہیز کرنے والا ہو۔ صغائر کا چھپانے والا ہو اگر اُس سے سرزد ہوتے ہوں۔ یہ چار صفات ہیں کہ جس میں یہ نہ ہوں اُس کا والی امت بننا مکروہ ہے، اگر ایسا شخص والی بن جائے تو اُس کی ولایت صحیح ہے مگر ہم اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ جن امور میں وہ اللہ کی اطاعت کرے اُن میں اُس کی اطاعت واجب ہے اور جن امور میں وہ اللہ کی اطاعت نہ کرے اُن سے اُسے روکنا واجب ہے۔ اُس سے اس امر کی انتہائی امید ہے کہ بغیر کسی کمزوری کے لوگوں کے ساتھ نرمی و رحم کرے اور بدی و خلاف شریعت امور کے انکار میں بغیر سختی و زبردستی کے سختی کرے۔

جتنا واجب و ضروری ہے اس سے آگے نہ بڑھے۔ بیدار رہے غافل نہ ہو۔ دلیر ہو، مال کو اس کے حق میں خرچ کرنے میں بخل نہ کرے ناحق مال کا اسراف نہ کرے۔ ان تمام شرائط کا جامع صرف یہ ایک جملہ ہے کہ امام احکام قرآن و سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کرنے والا ہو! بس یہ ہر فضیلت کا جامع ہے۔

امام کی خلقت و پیدائش میں کسی عیب کا ہونا اس کی امامت کے لئے مضر نہیں۔ مثلاً نابینا۔ بہرا۔ نکٹا۔ جذامی۔ کبڑا ہونا۔ یا ٹھول کانہ ہونا۔ یا نوں کا نہ ہونا۔ یا جو بےحد بوڑھا ہو جائے بشرطیکہ عقل باقی رہے خواہ وہ سو برس کا ہو گیا ہو۔ جیسے مرگی کا دورہ آتا ہو پھر افاقہ ہو جاتا ہو۔ وہ شخص جس سے اس کے بلوغ کے بعد ہی بیعت کی جائے اور اس میں شرائط امامت پوری ہوں۔ نوان تمام لوگوں کی امامت جائز ہے۔ کیونکہ اس سے نہ تو نص قرآن مانع ہے، نہ حدیث، نہ اجماع، نہ عقل، اور نہ کوئی دلیل۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "کونوا قوامین بالقسط" (انصاف کے قائم کرنے والے بنو)۔ جس نے انصاف کو قائم کیا تو اس نے وہ ادا کر دیا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔

اہل اسلام میں سے کسی میں بھی اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ امامت میں میراث جاری کرنا جائز نہیں۔ اس میں بھی اختلاف نہیں کہ نابالغ کی امامت جائز نہیں۔ سوائے روافض کے کہ انھوں نے دونوں امر جائز کر دیے ہیں۔ اس میں بھی کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ امامت عورت کے لئے جائز نہیں۔ اور اللہ ہی ہماری تائید کرتا ہے۔

عقدِ امامت کس چیز سے صحیح ہوتا ہے

ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مختلف شہروں کے فضلائے امت کے

اجماع کے بغیر امامت صحیح نہیں ہوتی۔

دوسروں کا مذہب یہ ہے کہ امامت صرف اُن لوگوں کے عقد سے صحیح ہو جاتی ہے جو امام کے پاس موجود و حاضر ہوں اور اُسی مقام میں ہوں جہاں آئمہ کا مستقر ہو

ابو علی محمد بن عبدالوہاب الجبائی کا مذہب یہ ہے کہ امامت پانچ مردوں سے کم کے عقد سے صحیح نہیں ہوتی۔ اس میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے کہ مرنے والے امام کے ولی عہد بنانے سے امامت صحیح ہو جاتی ہے۔ جبکہ اُس نے اس (ولی عہد بنانے) میں اپنی موت کے وقت امت کے لئے اچھا انتخاب کیا ہو اور اس سے اپنی خواہش نفسانی مقصود نہ ہو۔ روافض وکیسانیہ کے فساد اقوال ہیں اور جو بعینہ کسی کی امامت کا دعویٰ کرے تو ظاہر ہے کہ یہ محض دعوے ہیں جن سے کوئی زبان رکھنے والا عاجز نہیں جب وہ اللہ سے نہ ڈرے اور نہ لوگوں سے شرمائے۔ کیونکہ ان میں سے کسی دعوی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

جو یہ کہتا ہے کہ اطراف ملک کے فضلاء کے عقد کے بغیر امامت صحیح نہیں ہوتی، تو یہ باطل ہے اس لئے کہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے اور وہ چیز ہے جو وسعت میں نہیں آسکتی۔ ایسی بات ہے جس میں بہت بڑا حرج ہے۔ اللہ تعالٰی کسی کو اُس کی وسعت سے زائد تکلیف نہیں دیتا اور اُس نے فرمایا ہے کہ "وما جعل علیکم فی الدین من حرج"، (اور اُس نے دین کے بارے میں تم پر کوئی حرج مقرر نہیں کیا) (یعنی کوئی ایسا حکم نہیں دیا جس سے تنگی و پریشانی ہو)۔

اس سے زیادہ حرج و عاجز کرنا کیا ہوگا کہ اُن فضلاء کے اجماع کو معلوم کیا جائے جو مولتان ومنصورہ سے بلاد مہرہ تک ہیں، جو عدن تک اور مصامدہ کے انتہائی علاقوں تک ہیں، بلکہ طنجہ سے اشبونہ تک، اور وہاں سے جزائر بحر تک، وہاں سے سواحل شام تک، وہاں سے ارمینیہ وکوہ فتح تک، وہاں سے اسبیجاب وفرغانہ واشروسنہ تک، وہاں سے خراسان کے انتہائی علاقوں تک، وہاں سے کابل مولتان تک، اور وہاں تک جو شہر و دیہات ان حدود کے درمیان ہیں۔ قبل اس کے کہ ان شہروں کے فضلاء کے

سوئیں جسے کا بھی اجماع ہو سکے مسلمانوں کے بہت سے امور کا ضایع ہوجانا ضروری ہے۔ لہذا یہ قول فاسد بھی باطل ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی اگر یہ ممکن بھی ہوتا تب بھی لازم نہ تھا" اس لئے کہ یہ ایک دعوی ہے جس پر کوئی برہان نہیں۔

۱۳۰ اللہ تعالے نے یہی فرمایا ہے کہ "تعاونوا علی البر والتقوی" (باہم نیکی وتقوی پر مدد کیا کرو)۔ وکونوا قوامین بالقسط" (اور انصاف کے قائم کرنے والے بنو) ان دونوں امور میں سے ایک تو ہر انسان کی طرف شخصی طور پر متوجہ ہے اور دوسرے کے انتظار میں اس شخص سے انصاف کے قائم کرنے کا وجوب ساقط نہیں ہوتا۔ نیکی وتقوی پر تعاون (یعنی باہم مدد کرنا) یہ حکم دونوں یا زائد کی طرف متوجہ ہے، اس لئے کہ تعاون دو فاعلوں کا فعل ہے۔ ایک فاعل کا فعل نہیں ہے۔ تیسرے شخص کا انتظار دو شخصوں سے نیکی وتقوی کے فرض تعاون کو ساقط نہ کرے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ کسی کو انصاف کا قائم کرنا لازم ہوتا نہ نیکی وتقوی میں تعاون اور باہم مدد کرنا واجب ہوتا۔

۲۔ تمام روئے زمین کے باشندوں کا اس پر جمع ہونا ان کے اطراف کے باہمی بعد و دوری کی وجہ سے، اور کسی کے ان امور سے علیحدہ رہنے کی وجہ سے خواہ وہ عذر سے ہو یا بطور معصیت ونافرمانی کے ہونا ممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالے کا انصاف کے قائم کرنے اور باہم نیکی وتقوی پر مدد کرنے کا حکم باطل اور بے معنی ہوتا۔ یہ خیال کرنا اسلام سے نکل جانا ہے۔ لہذا قول مذکور ساقط ہوگیا۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

جو یہ کہتا ہے کہ امامت صرف اُن لوگوں کے عقد سے صحیح ہوتی ہے جو امام کے پاس موجود وحاضر ہوں اور اسی مقام میں ہوں جہاں آئمہ کا مستقر ہو۔ اہل شام نے اپنے لئے اس کا دعوی کیا تھا یہاں تک کہ اس دعوی نے انھیں اس پر آمادہ کیا کہ مروان سے اور اس کے بیٹے عبد الملک سے بیعت کر لی۔ اس کے ذریعے سے انھوں نے اہل اسلام کے خون کو حلال سمجھ لیا۔

یہ قول فاسد ہے اس قول والوں کے پاس کوئی حجت نہیں ہے۔ دین کے بارے میں ہر قول جو قرآن یا حدیث یا یقینی اجماع امت سے خالی ہو وہ باطل ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" (آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ اگر سچے ہو تو اپنی برہان پیش کرو) ثابت ہوگیا کہ جس کے پاس اپنے قول کی صحت پر کوئی برہان نہ ہو۔ وہ اُس قول میں سچا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ قول بھی ساقط ہوگیا۔

جبائی نے اپنے قول میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے جو انھوں نے شوریٰ کے مقرر کرنے میں کیا تھا استدلال کیا ہے۔ کیونکہ انھوں نے ایسے چھ اشخاص کے سپرد فرمایا تھا اور انھیں یہ حکم دیا تھا کہ اپنے میں سے ایک کا انتخاب کریں۔ لہٰذا انتخاب اُن میں سے پانچ کے سپرد ہوگیا۔

یہ بھی بچند وجوہ کوئی چیز نہیں۔

اول حضرت عمرؓ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ پانچ سے کم کو انتخاب کا سپرد کرنا جائز نہیں۔ بلکہ اُن سے یہ روایت بھی آئی ہے کہ اگر اُن میں سے تین شخص ایک کی طرف مائل ہوں اور تین شخص ایک کی طرف تو اُن تین کی پیروی کرنا جن میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں۔ حضرت عمرؓ نے تین کے عقد کو جائز رکھا۔

وجہ ثانی یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل تا وقتیکہ نص قرآن و حدیث کے موافق نہ ہو' امت پر لازم نہیں' عمرؓ بھی مثل تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہیں جائز نہیں کہ دوسرے صحابہؓ کو چھوڑ کر خاص طور پر حضرت عمرؓ کے اتباع کو واجب کر دیا جائے۔

سوم یہ پانچوں حضرات انتخاب سے بری الذمہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنے میں سے ایک شخص یعنی عبدالرحمٰن بن عوف کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ اُن کے لئے اور مسلمانوں کے لئے جس کو امامت کا اہل سمجھیں منتخب کر دیں حاضرین صحابہؓ میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا اور غائبین صحابہؓ کو بھی جب یہ معلوم ہوا تو کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ لہٰذا تمام صحابہؓ کا اس پر اجماع ہوگیا کہ امامت ایک شخص کے عقد سے منعقد ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ یہ اس لئے جائز ہوگیا کہ فضلائے مسلمین کے پانچ اشخاص نے اس کو عبدالرحمٰن کے سپرد کر دیا تھا' تو اُس سے

کہا جائے گا کہ اگر تمہارے نزدیک یہ اعتراض ہے تو بالکل اسی طرح اور اسی کے مساوی یہ اعتراض بھی تم پر لازم آتا ہے کہ ان پانچ اشخاص کا عقد صحیح ہوگیا اس لئے کہ مرنے والے امام نے اس کو ان لوگوں کے سپرد کیا تھا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کا عقد صحیح نہ ہوتا۔

برہان یہ ہے کہ انھیں جو حق انتخاب دیا گیا تھا وہ انھیں میں سے کسی کے لئے تھا نہ کہ غیر کے لئے۔ اگر یہ لوگ غیر میں سے کسی کو منتخب کر لیتے تو ہرگز ان لوگوں کی اطاعت لازم نہ ہوتی۔ پانچ یا زیادہ اشخاص کا عقد بجز اس کے جائز نہیں کہ امام ہی اس کو ان کے سپرد کرے۔ یہ عقد اس لئے صحیح تھا کہ اس زمانے کے فضلا کا اس پر اجماع تھا کہ وہ سب اسے پسند کریں گے جس کا یہ پانچوں انتخاب کریں گے۔ اگر یہ لوگ رضامندی اور پسندگی پر اجماع و اتفاق نہ کرتے تو ہرگز ان کا عقد جائز نہ ہوتا۔ اور یہ وہ امر ہے جس سے کسی حال میں مفر نہیں۔ لہذا یہ قول بھی بغیر کسی اشکال کے یقیناً باطل ہوگیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

چونکہ یہ تمام اقوال باطل ہو گئے لہذا اس معاملے میں اُس پر غور کرنا واجب ہے جو اللہ تعالٰے نے قرآن میں اور سنت و اجماع مسلمین نے واجب کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالٰے نے ہم پر فرض کیا ہے جو فرماتا ہے کہ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر (اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور تم میں سے جو صاحب حکومت ہوں اُن کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم میں باہم کسی امر میں اختلاف ہو تو اُسے اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو)۔

ہم نے دیکھا کہ عقد امامت چند وجوہ سے صحیح ہو جاتا ہے۔

سب سے اولٰی و افضل و صحیح تر یہ ہے کہ مرنے والا امام اپنے بعد جس کو
۱۳۱ امام منتخب کرے اُسے ولی عہد بنا دے۔ خواہ یہ فعل اپنے زمانۂ صحت میں کرے، یا زمانۂ مرض میں، یا موت کے وقت۔ کیونکہ ان میں سے کسی صورت کے

ممنوع ہونے پر نہ تو کوئی نص ہے نہ اجماع۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کے ساتھ کیا، اور جیسا ابو بکرؓ نے عمرؓ کے ساتھ کیا، اور جیسا سلیمان بن عبدالملک نے عمرؒ بن عبدالعزیز کے ساتھ کیا۔ ہم اس وجہ کو پسند کرتے ہیں اور اس کے ماسوا کو مکروہ سمجھتے ہیں، اس لئے کہ اس میں امامت کا اتصال اور امر اسلام و اہل اسلام کا انتظام ہے (یعنی ان کے امور کی لڑی ٹوٹنے نہیں پاتی، سلسلہ ملا رہتا ہے) اس اختلاف اور شور و شغب کا ازالہ بھی ہے جس کا اندیشہ دوسری صورت میں کیا جا سکتا ہے جبکہ مسلمانوں کو بغیر کسی امیر کے چھوڑ دیا جائے۔ اس میں پراگندگی و سرگشتی و طمع کا انسداد بھی ہے۔

جن صحابہؓ و تابعین نے بیعت یزید بن معاویہؓ و ولید و سلیمان سے انکار کیا تھا وہ محض اس وجہ سے کیا تھا کہ یہ لوگ ناپسندیدہ تھے۔ نہ اس لئے کہ امام نے اپنے زمانۂ حیات میں انھیں ولی عہد بنا دیا تھا۔

وجہ ثانی (صحت امامت کی) یہ ہے کہ اگر امام مر جائے اور کسی کو ولی عہد نہ بنائے تو جو ایسا شخص سبقت کرے جو مستحق امامت ہو اور اپنے لئے دعوت دے اور اس سے کوئی نزاع کرنے والا بھی نہ ہو تو اس کا اتباع اور اس کی بیعت کا ماننا اور اس کی امامت و اطاعت کی پابندی کرنا فرض ہے۔ جیسا کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے تو علی رضی اللہ عنہ نے کیا اور جیسا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کیا۔ جب امرائے لشکر زید بن حارثہ و جعفر بن ابی طالب و عبداللہ بن رواحہ قتل کر دیے گئے تو خالدؓ بن ولید نے یہی کیا تھا۔ خالدؓ نے جھنڈا دوسرے شخص سے لے لیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خالدؓ کے اس فعل کی خبر پہنچی تو آپ نے اس کی درستی ظاہر فرمائی۔ تمام مسلمانوں نے خالدؓ کی مدد کی۔

اسی طرح کسی (امام کی) بدکاری و خلاف شرع امر کے ظاہر ہونے پر کوئی شخص اسے دیکھ کر سدباب کے لئے کھڑا ہو تو نیکی و تقوے پر اس کی

مدد کرنا لازم ہے اور اُس سے پیچھے رہنا جائز نہیں۔ یہ (تاخر یعنی پیچھے رہنا) گناہ و ظلم کی مدد کرنا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (باہم نیکی و تقوے پر مدد کیا کرو اور باہم گناہ و ظلم پر مدد نہ کیا کرو)۔ جیساکہ یزید بن الولید و محمد بن ہارون المہدی رحمہم اللہ نے کیا۔

وجہ ثالث (صحت امامت کی) یہ ہے کہ امام اپنی وفات کے وقت انتخاب خلیفہ کا اختیار کسی ایک ثقہ شخص کے یا ایک سے زائد کے سپرد کر دے جیساکہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت کیا۔ ہمارے نزدیک اس صورت میں مسلمانوں کو اُسی کو تسلیم کرنا پڑے گا جس پر اُس زمانے کے مسلمانوں کا اجماع ہو جائے۔ انتخاب کرنے میں تین دن سے زیادہ تردد کرنا جائز نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث ثابت ہے کہ جو شخص اس حالت میں کوئی رات بسر کرے کہ اُس کی گردن میں کوئی بیعت نہ ہو۔ اور اس لئے کہ مسلمانوں کا اس پر اس سے زائد مدت میں اجتماع نہیں ہوا ہے۔ اس پر زیادہ کرنا باطل ہے جو حلال نہیں۔ علاوہ اس کے کہ اُس روز مسلمانوں نے وفات عمر رضی اللہ عنہ کے وقت سے ایک لازم اور ضروری بیعت اپنی گردنوں میں ڈال لی تھی جو بلاشک اُن چھ میں سے کسی ایک کے لئے ضروری و لازم تھی۔ وہ اگرچہ کسی معین کو نہیں جانتے تھے مگر بلاشک وہ اُن چھ میں سے ایک تھا۔ ان تین وجوہ میں سے کسی ایک سے امامت صحیح ہوتی ہے، بغیر ان وجوہ کے امامت ہرگز صحیح نہیں ہوتی۔

اگر امام مرجائے اور وہ کسی معین شخص کو ولیعہد نہ بنا جائے تو کوئی ایسا شخص جو امامت کی صلاحیت رکھتا ہو اُٹھ کھڑا ہو، اُس سے ایک یا زیادہ اشخاص بیعت کریں۔ اس کے بعد دوسرا شخص اُٹھ کر اُس سے نزاع کرے، اگرچہ پلک جھپکنے کے بعد ہی کیوں نہ ہو، تو حق پہلے ہی کا ہے اگرچہ یہ دوسرا شخص اُس سے افضل یا برابر یا اُس سے کم ہو۔ اس لئے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "توا ببیعۃ الاول فالاول من جاء ینازعہ فاضربوا عنقہ کائنا من کان" (پہلے امام کی بیعت کی حفاظت کرو پھر جو شخص امام اول سے نزاع کرنے آئے تو اس کی گردن مار دو خواہ وہ کوئی بھی ہو)۔

اگر دو یا زیادہ وقت واحد میں اٹھ کھڑے ہوں اور یہ معلوم کرنے سے ناامیدی ہو کہ ان میں سے کس کی بیعت پہلے ہوئی تو دیکھا جائے گا کہ دونوں میں کون افضل اور زیادہ سیاست دال ہے۔ حق اسی کا ہوگا (جو افضل اور زیادہ سیاست دال ہوگا)۔ دوسرے کا معزول کرنا واجب ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے "وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (اور باہم نیکی و تقوے پر مدد کرو اور ظلم وگناہ پر باہم مدد نہ کرو)۔ زیادہ سیاست دال کی تقلید کرنا نیکی ہے' یہ پہلے ہونے والی بیعت نہیں ہے جس کو پورا کرنا واجب ہو۔ نہ یہ صاحب بیعت ہے جو نزاع کرے اس سے جنگ کرنا ہے۔ اگر دونوں فضیلت میں مساوی ہوں تو سیاست دال کو متقدم کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ فضیلت میں کم ہو۔ جبکہ وہ فرائض وسنن ادا کرتا ہو۔ کبائر سے بچتا ہو صغائر کو چھپاتا ہو۔ اس لئے کہ امامت سے غرض حسن سیاست اور امور کے قائم کرنے کی قوت ہے۔ اگر فضیلت و سیاست میں بھی دونوں مساوی ہوں تو انہیں دونوں میں قرعہ ڈالا جائے گا یا کسی اور میں غور کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ایسی تنگی نہیں کرتا' نہ انھیں ایسے حرج پر قائم کرتا ہے' اس لئے کہ اس نے فرمایا ہے "وما جعل علیکم فی الدین من حرج" (اس نے تم پر دین میں کسی حرج کو مقرر نہیں کیا)۔ اور یہ بہت بڑا حرج ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ۱۳۲

اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے بغیر کسی اختلاف کے تمام امت امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر متفق ہے کہ " ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر" (اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے جو خیر کی طرف بلائے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرے) کیفیت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ اہل سنت میں بعض قدمائے صحابہ رضی اللہ عنہم اور اُن کے بعد بزرگانِ دین کہتے ہیں، یہی قول احمد بن حنبل وغیرہ کا ہے اور یہی قول سعد بن ابی وقاص واسامہ بن زید وابن عمرؓ ومحمد بن مسلمہ وغیرہم کا بھی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر دل سے ہے اور ضروری ہے زبان سے بھی ہے بشرطیکہ اس پر قدرت ہو۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہرگز ہاتھ سے یا تلوار سونتنے سے یا ہتیار چلانے سے نہیں۔ یہی قول ابو بکر بن کیسان الاصم کا ہے۔

تمام روافض بھی اسی کے قائل ہیں چاہے یہ سب کے سب قتل کر دیے جائیں مگر ہات اور تلوار سے مدافعت جائز نہ رکھیں گے جب تک ناطق (امام غائب) نہ برآمد ہو۔ جب وہ برآمد ہوگا تو اُس وقت اُس کے ساتھ تلوار سونتنا واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

اہل سنت نے اس معاملے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اور ہمارے مذکورۂ بالا صحابہ رضی اللہ عنہم کی اور اُن کی جنھوں نے اہل سنت میں سے خاموش بیٹھنا مناسب سمجھا، پیروی کی ہے۔ مگر اس مقالے کے سب ماننے والے جو اہل سنت میں سے ہیں انھوں نے اُس کو اُس وقت تک مناسب سمجھا ہے جب تک عادل نہ ہو۔ اگر عادل ہوا اور اُس کے مقابلے میں فاسق کھڑا ہو جائے تو بلا اختلاف اُن کے نزدیک امام عادل

کے لیئے ہمارا تلوار سونتنا واجب ہے۔ ہم سے ابن عمرؓ سے روایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ باغی گروہ کون ہے۔ اگر ہم جانتے تو اُس کے قتال میں تم یا اور کوئی مجھ سے سبقت نہ لے جاتا۔

یہ ایسی بات ہے کہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کے سوا کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اہل سنت کے چند گروہ اور تمام معتزلہ اور تمام خوارج اور شیعہ زیدیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں منکر و بدی کا بغیر تلوار کھینچے ہوئے دفع کرنا ممکن نہ ہو تو تلوار سونتنا واجب ہے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ جب اہل حق ایک ایسی جماعت میں ہوں کہ اُنھیں (منکر کا) دفع کرنا ممکن ہو اور فتح وکامیابی سے ناامید نہ ہوں تو اُن پر یہ فرض ہے۔ اگر وہ ایسی تعداد میں ہوں کہ اُن کی قلت اور ضعف کی وجہ سے کسی کامیابی کی امید نہ ہو تو ہاتھ سے منکر کے بدلنے کو ترک کر دینا جائز ہے۔ یہی قول علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ والے صحابہؓ کا ہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا وطلحہ وزبیر اور ان کے ساتھ کے صحابہؓ بھی یہی کہتے ہیں۔ معاویہؓ وعمروؓ بن العاص ونعمان بن بشیر اور ان کے ساتھ صحابہؓ بھی اسی کے قائل ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہی قول عبداللہ بن الزبیر ومحمد (ابن الحنفیہ) وحسنؓ بن علیؓ اور اُن بقیہ مہاجرین وانصار کا ہے جو یوم الحرہ میں (لشکر یزید کے مقابلے میں) کھڑے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہی قول اُن سب کا ہے جنھوں نے حجاج پر اظہار حق کیا، اور اُن صحابہؓ کا ہے جو حجاج کے قریب تھے، مثلاً انس بن مالک اور اُن تمام فضلائے تابعین کا ہے جن کا ہم نے ذکر کیا۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔ سعید بن جبیر۔ ابن البختری الطائی۔ عطا دالسلمی الازدی حسن بصری۔ مالک بن دینار مسلم بن بشار۔ ابوالحوراء۔ شعبی۔ عبداللہ بن غالب۔ عقبہ بن عبدالغافر۔ عقبہ بن صہبان۔ ماہان۔ مطرف بن المغیرہ بن شعبہ۔ ابوالمعد۔ حنظلہ بن عبداللہ۔ ابوسح الہنائی۔ طلق بن حبیب۔ مطرف

بن عبداللہ بن السیخر۔ نصر بن انس۔ عطاء بن السائب۔ ابراہیم بن یزید التیمی۔ ابوالموسا۔ جبلہ بن زحر۔ وغیرہم۔ اتباع تابعین اور ان کے لاحقین بھی یہی کہتے ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن عمرؒ ومحمد بن عجلان۔ اُن کا بھی جو محمد بن عبداللہ بن الحسن وہاشم بن بشر و مطرالوراق کے ساتھ نکلے۔ اور اُن کا بھی جو ابراہیم بن عبداللہ کے ساتھ نکلے۔ اور اسی قول پر فقہاء کے اقوال دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً ابوحنیفہ۔ حسن بن حیی۔ شریک۔ مالک۔ شافعی۔ داؤد۔ اور ان سب کے شاگرد۔ کیونکہ ہم نے جن قدیم و جدید حضرات کا ذکر کیا ہے یہ سب یا تو اپنے فتوے میں یہی کہتے تھے یا اپنے تلوار سونتنے سے اسی پر عمل کرتے تھے۔ یہ جو منکر دیکھتے تھے اُس کا انھیں دو وجوہ سے انکار کرتے تھے۔

سب سے پہلے جس گروہ کا ذکر کیا گیا ہے انھوں نے اُن احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں یہ مضمون ہے کہ یارسول اللہ کیا ہم ایسے آئمہ سے قتال کریں۔ تو آپ نے فرمایا کہ "جب تک یہ لوگ نماز پڑھیں نہ کرو۔" بعض احادیث میں ہے کہ "بجز اس کے کہ تم کھلا ہوا کفر دیکھو جس کے بارے میں اللہ کی طرف سے تمھارے پاس کوئی برہان ہو۔" بعض احادیث میں یہ ہے کہ "مارنا واجب ہے" اگر ایسا شخص ہم میں سے کسی کی پشت پر ضرب لگائے یا ۱۳۴
اس کا مال لے لے۔" بعض احادیث میں ہے کہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ وہ تمھیں تلوار کی چمک دکھائے گا تو اپنے چہرے پر چادر ڈال لو اور یہ کہو کہ "انی ارید ان تبوء باثمی واثمک فتکون من اصحاب النار" (میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے اور اپنے گناہ کا تو ہی ذمہ دار بنے اور تو ہی دوزخ والا ہو) بعض احادیث میں ہے کہ "تم اللہ کے مقتول بندے بنو اور اللہ کے قاتل بندے نہ بنو۔"

ان لوگوں نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے "واتل علیھم نبأ ابنی آدم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الآخر۔ قال لاقتلنك۔ قال انما یتقبل الله من المتقین"۔ (اور آپ ان لوگوں کو آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر سنا دیجئے۔

جبکہ دونوں نے ایک ایک قربانی چڑھائی۔ پھر وہ ایک کی قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی تو اس نے کہا کہ میں تجھے ضرور قتل کردوں گا۔ تو اس نے کہا کہ (اس میں میری کیا خطا ہے) اللہ تو پرہیزگاروں ہی کا عمل قبول کرتا ہے)۔

اس میں سے کسی میں بھی ان کے لئے کوئی حجت نہیں، اس لئے کہ ہم نے اس کو انتہائی تلاش وجستجو کے ساتھ ایک ایک حدیث کو اس کی سند و معنی کے ساتھ اپنی کتاب مسمی بہ "الانصال الی فهم معرفتہ الخصال" میں جمع کیا ہے، انشاء اللہ ہم یہاں اس کا مختصر و کافی حصہ بیان کرتے ہیں اور اللہ ہی ہماری تائید کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مال لے لینے اور پیٹھ پر مارنے پر صبر کرنے کا جو حکم ہے تو یہ جب ہے کہ امام صحیح طور پر اس کا انتظام کرے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم پر اس کے لئے صبر فرض ہے اور اگر وہ اس سے باز رہے بلکہ اپنی گردن مارے جانے سے بچے، بشرطیکہ اس پر واجب ہو، تو وہ فاسق اور اللہ تعالٰی کا گناہ گار ہے۔ لیکن اگر یہ ناحق ہو تو معاذاللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر صبر کا حکم کیوں دیتے۔ برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان" (اور باہم نیکی وتقوے پر مدد کرو اور باہم ظلم وگناہ پر مدد نہ کرو)۔ ہمیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اپنے رب کے کلام کے خلاف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے "وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحی یوحی" (آپ اپنی طرف سے بات نہیں کرتے۔ وہ صرف وحی ہی ہوتی ہے جو آپ کو بھیجی جاتی ہے)۔ اور فرمایا ہے" ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا" (اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت سے اختلافات پاتے)۔

لہٰذا ثابت ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے وحی ہی تھی جس میں نہ اختلاف ہے نہ تعارض نہ تناقض۔ جب یہ ایسا ہے تو

ہر مسلمان ایسے یقین کے ساتھ جس میں کوئی شک نہیں، جانتا ہے کہ مسلم یا ذمی کا ناحق مال لینا یا ناحق اُس کی پیٹھ پر مارنا گناہ وظلم وحرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تمہارے خون۔ تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم پر حرام ہیں" اس میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کسی مسلمان کا اس میں اختلاف ہے، وہ مسلمان جس کا مال ظلماً لیا جائے یا ظلماً اُس کی پیٹھ پر مارا جائے اور وہ جس وجہ سے بھی ممکن ہو اس سے بچنے پر قادر ہو (اور نہ بچے) تو وہ اپنے ظالم کا ظلم وگناہ میں مددگار ہے۔ اور یہ بنص قرآن حرام ہے۔

وہ تمام احادیث جو ہم نے بیان کیں، اور آدمؑ کے بیٹوں کا قصہ، تو ان میں سے کسی میں بھی کوئی حجت نہیں۔ فرزندانِ آدمؑ کا قصہ ایک دوسری شریعت ہے جو ہماری شریعت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے "ولکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا" (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک طریقہ مقرر کیا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی منکر وخلاف شریعت امر دیکھے تو اگر ہو سکے تو اُسے اپنے ہاتھ سے بدل دے نہ ہو سکے تو اپنی زبان سے کہے، اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل میں برا جانے اور یہ کمزور تر ایمان ہے کہ اس کے بعد ایمان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ کسی گناہ میں اطاعت جائز نہیں اور اطاعت تو صرف طاعت ہی میں ہے۔ تم میں سے ہر شخص پر سننا اور ماننا واجب ہے جب تک اُسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سننا چاہیئے نہ طاعت کرنا چاہیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مال کے پیچھے قتل کیا جائے تو وہ شہید ہے۔ جو اپنے دین کے پیچھے قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔ اور جو کسی اپنے حق کے پیچھے قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔

آپ نے فرمایا کہ تمہیں ضرور ضرور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا چاہیئے، ورنہ اللہ تعالٰی تمہیں بھی اپنے پاس کے عذاب میں شامل کر دے گا۔

ان احادیث کا ظاہر دوسری احادیث کے معارض و خلاف ہے، لہذا ثابت ہو گیا کہ ان دونوں قسم کی تمام احادیث میں سے ایک قسم کی احادیث دوسری قسم کی احادیث کی منسوخ کرنے والی ہیں۔ جس کے سوا نا ممکن ہے۔ اب یہ غور ضروری ہے کہ ان دونوں میں سے کون منسوخ کرنے والی ہیں۔

ہم نے یہ پایا کہ وہ احادیث جن سے قتال کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ زمانۂ اصل کے موافق ہیں اور اُس حال کے موافق ہیں جو اول اسلام میں تھا۔ یہ دوسری احادیث زائد احکام لانے والی ہیں اور وہ قتال ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اُن احادیث کے معنی (جو اول اسلام میں تھیں) منسوخ کر دیے گئے اور جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دوسری احادیث بیان کر دیں تو بلا شک اُن پہلی احادیث کا حکم اٹھ گیا۔ یہ محال و حرام ہے کہ منسوخ پر عمل کیا جائے اور ناسخ کو ترک کر دیا جائے۔ شک کو اختیار کیا جائے اور یقین کو ترک کر دیا جائے۔

جو یہ دعویٰ کرے کہ یہ احادیث پہلے تو ناسخ تھیں، اس کے بعد ہی منسوخ ہو گئیں، تو اُس نے اُس شخص کی طرح باطل کا دعویٰ کیا جس کو اس کا علم نہ ہو۔ اُس نے اللہ پر وہ بات کہی جس کا اُسے علم نہیں، اور یہ حلال نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالےٰ کبھی اس حکم کو ایسی دلیل و برہان سے خالی نہ چھوڑتا جس میں یہ بیان کیا جاتا کہ منسوخ کو ناسخ کی طرف رجوع کر دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن میں ہر شے کا واضح بیان نازل فرمایا ہے۔ ۱۳۴

برہان ثانی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما۔ فان بغت احداھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ" (اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو ان دونوں میں صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے دوسرے پر ظلم و بغاوت کرے اُس سے جنگ کرو جو بغاوت کرے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف واپس آجائے)۔ اس میں دو مسلمانوں کا بھی اختلاف نہیں کہ اس آیت میں کہ باغی گروہ سے جنگ کرنا فرض کیا گیا ہے یہ حکم غیر منسوخ نہیں ہے۔

لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ آیت اُن احادیث کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ جو اس آیت کے موافق ہو گا تو وہ ناسخ و ثابت ہو گا اور جو اس کے خلاف ہو گا وہ منسوخ و مرفوع ہو گا۔

ایک جماعت نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت و احادیث چوروں کے بارے میں ہیں نہ کہ بادشاہ کے بارے میں۔

یہ یقیناً باطل ہے۔ اس لئے کہ یہ قول بلا برہان ہے، کوئی مدعی بھی ان تمام احادیث میں یہ دعویٰ کرنے سے عاجز نہیں ہے کہ وہ فلاں قوم کے بارے میں ہیں نہ کہ فلاں قوم کے بارے میں۔ فلاں زمانے کے بارے میں ہیں نہ کہ فلاں زمانے کے بارے میں۔ جو دعویٰ بلا برہان کے ہو وہ صحیح نہیں ہوتا۔ نصوص کی تخصیص دعوے سے جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ بلا علم کے اللہ تعالیٰ پر حکم لگانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ ایک سائل نے آپ سے اُس شخص کے متعلق دریافت کیا جو ناحق اس کا مال طلب کرے، آپ نے فرمایا کہ اُسے نہ دو۔ اس نے کہا کہ اگر وہ مجھ سے جنگ کرے آپ نے فرمایا کہ تم بھی اُس سے جنگ کرو۔ اُس نے کہا کہ اگر میں اُسے قتل کر دوں، آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گا۔ اُس نے کہا کہ اگر وہ مجھے قتل کر دے، آپ نے فرمایا کہ تم جنت میں جاؤ گے۔ یا آپ نے کوئی ایسا کلام فرمایا جس کے معنی یہی ہیں۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو یہ اُس کا مال چھینے اور نہ اُس پر ظلم کرے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا کہ جس سے صحیح طور پر طلب کی جائے وہ اُسے ادا کر دے اور جس سے ناحق یا غلط مانگی جائے وہ اُسے نہ ادا کرے۔

یہ حدیث ہم سے بطریق ثقات انس بن مالک سے، ابو بکر الصدیق سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے۔ یہ حدیث اس کی تاویل کو باطل کرتی ہے جس نے مال کے متعلق قتال کرنے کی احادیث کو اُن چوروں پر پھیر دیا ہے جو زکوٰۃ نہیں طلب کرتے، اس کو تو حاکم ہی طلب کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی (زکوٰۃ) پر اختصار فرمایا (اور صرف زکوٰۃ ہی کو بیان فرمایا)

جب اُسے اس قاعدے کے خلاف مانگا جائے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ اگر تمام اہل حق متفق ہو جائیں تو اہل باطل کی قوت ان لوگوں پر غالب نہیں آسکتی۔ ہم اللہ سے مدد و توفیق کے طالب ہیں۔

ان لوگوں نے فعل عثمانؓ سے جو اعتراض کیا ہے تو انھیں ہرگز اس کا علم نہ تھا کہ وہ قتل کر دئیے جائیں گے۔ وہ صرف یہی دیکھتے تھے کہ لوگ ان کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی اس کو امام عادل سے جنگ کرنا نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اُن کے ساتھ قتال کو فرض سمجھتے تھے۔ لہذا امر عثمان رضی اللہ عنہ میں ان لوگوں کے لئے کوئی حجت نہیں رہی۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بغاوت میں حرام کی اور خونریزی کی اور مال لے لینے کی اور پردے توڑنے کی اور حالت کے پراگندہ کرنے کی اباحت و جواز ہے۔ دوسروں نے انھیں جواب دیا ہے کہ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ حرام کو چاک کرے اور ناحق مال لے لے اور اسے چھیڑے جو اس سے جنگ نہیں کرتا۔ اگر وہ اس میں سے کچھ کرے تو اس نے وہی کام کیا جس کو اس سے بدلنا مناسب ہے۔

اہل منکر (و مرتکب بدی) کو قتل کرنا۔ اس کے قتل کرنے کی نسبت ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر یہ لوگ بہت ہیں تو (امام) پر یہ فرض ہے لیکن اہل منکر کا لوگوں کو قتل کرنا اور لوگوں کا مال لینا اور ان کی حرمت کا چاک کرنا تو یہ سب کا سب وہی منکر ہے جس کا بدلنا لوگوں کو لازم ہے۔

جو کچھ انھوں نے بیان کیا اگر اس کا خوف منکر کے بدلنے اور امر بالمعروف کرنے سے مانع ہے تو بعینہ یہی امر دار الحرب والوں کے جہاد سے مانع ہوگا۔ حالانکہ اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں۔ نصاری مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو قید کرلیں، ان کے مال لے لیں، اُن کے خون بہائیں اور اُن کی حرمت چاک کریں، تو مسلمانوں میں اس میں اختلاف نہیں کہ ان تمام امور کے ہونے پر جہاد واجب ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہ سب جہاد

اور قرآن و حدیث کی طرف دعوت ہے۔

ان سے کہا جائے گا کہ تم اُس سلطان کے بارے میں کیا کہتے ہو جو یہود کو حاکم اور نصاریٰ کو صاحب لشکر (فوج و سپاہی) بنا دے، مسلمانوں پر جزیہ مقرر کر دے، مسلمانوں کے بچوں پر تلوار اُٹھائے، مسلمانوں کی عورتوں کو زنا کے لئے مباح کرے، جو مسلمان پایا جائے اُس پر تلوار اُٹھائے ان کی عورتوں اور بچوں پر قبضہ کر لے مسلمانوں کے دین کے ساتھ علانیہ تمسخر کرے اور وہ ان تمام امور کے ساتھ اسلام کا اقرار کرے اور اسی کا اعلان کرے اور نماز کو ترک نہ کرے۔

اگر یہ لوگ کہیں کہ اُس کے خلاف کھڑا ہونا جائز نہیں، تو اُن سے کہا جائے گا کہ کسی مسلمان کو وہ بغیر قتل کیے نہ چھوڑے گا۔ اگر اس کو چھوڑ دیا گیا تو لامحالہ یہ لازم آئے گا کہ صرف وہ سلطان اور اس کے ساتھ اہل کفر
۱۳۵ باقی رہیں۔ اگر ان لوگوں نے اس حالت پر بھی صبر کو جائز رکھا تو انھوں نے اسلام کی پوری مخالفت کی اور اس سے نکل گئے۔

اگر یہ کہیں کہ اُس کے خلاف کھڑے ہوں گے اور اُس سے قتال کیا جائے گا۔ اور ان کا یہی قول بھی ہے۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ اگر دس میں سے نو مسلمان یا کل مسلمان قتل کر دیے جائیں، صرف ایک باقی رہے، اسی طرح ان کی سب عورتیں قید کر لی جائیں، مال لے لئے جائیں، تو اگر یہ لوگ اُس سلطان کے خلاف کھڑا ہونے سے منع کریں تو انھوں نے تناقض اختیار کیا اور خود اپنے ہی بیان کی مخالفت کی۔ اگر انھوں نے مقابلے کو واجب کر دیا تو ہم ان سے اس تعداد سے کم کے متعلق سوال کریں گے اور برابر ان کو گھیرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کو صرف ایک مسلم کے قتل پر، یا ایک مسلمہ پر، یا مال لینے پر، یا ظلماً ایک تنکے کے لوٹنے پر قائم کریں گے۔ اگر وہ ان میں سے کسی میں بھی فرق کریں گے تو اختلاف بیان و تناقض اختیار کریں گے اور بلا دلیل زبردستی حکم کریں گے اور یہ جائز نہیں۔
اگر وہ ان تمام امور کی مخالفت کو واجب کہیں گے تو حق کی طرف رجوع کریں گے۔

ہم ان سے اس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جس کا ظالم و بدکار بادشاہ اُس کی بیوی یا بیٹی یا بیٹا چھین لے کہ ان کے ساتھ بدکاری کرے، یا خود اسی کے ساتھ کوئی بدی کرے، آیا اسے جائز ہے کہ اپنے آپ کو، اپنی بیوی کو، اپنے لڑکے کو، اور اپنی بیٹی کو، بدکاری کے لئے سپرد کردے یا اس پر فرض ہے کہ جوان کے ساتھ اُس کا ارادہ کرے اُس کی مدافعت کرے۔ اگر وہ کہیں کہ اُس پر اپنا اور اپنے متعلقین کا حوالے کر دینا فرض ہے، تو وہ ایک ایسی بڑی بات لائے جیسے کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔ اگر یہ کہیں کہ اس پر فرض ہے کہ وہ اُن اُمور سے رُکے اور قتال کرے، تو انھوں نے حق کی طرف رجوع کیا۔ اور یہ ہر مسلمان کو ہر مسلمان کے بارے میں لازم ہے اور اسی طرح مال کے بارے میں بھی۔

جب کوئی ظلم بھی واقع ہو، اگرچہ وہ قلیل ہی ہو، تو واجب ہے کہ اُس کے بارے میں امام سے گفتگو کی جائے اور اُسے اُس سے روکا جائے۔ اگر امام اس سے باز رہے، حق کی طرف رجوع کرے، جلد یا اعضاء کے متعلق قصاص پر آمادہ ہو، اور اس پر حد زنا اور حد قذف (تہمت کی سزا) حد شرابخواری کا اقرار کرے، تو اُس کے معزول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ امام ہے جیسا کہ تھا۔ اُس کا معزول کرنا جائز نہیں۔ اور اگر وہ ان اُمور کے جو اس پر واجب ہیں، نافذ کرنے سے باز رہے اور رجوع بھی نہ کرے تو اُس کا معزول کرنا اور دوسرے ایسے امام کا قائم کرنا واجب ہے جو حق کو قائم کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (باہم نیکی و پرہیزگاری پر مدد کیا کرو اور گناہ و ظلم پر مدد نہ کیا کرو) واجباتِ شرائع میں سے کسی چیز کا ضائع کرنا جائز نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

فاسق کے پیچھے نماز

فاسق کے ہمراہ جہاد و حج کرنا زکوۃ دینا اور اُس کے احکام قضا و حدود کا نفاذ

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز سوائے فاضل و بزرگ کے اور کسی کے پیچھے جائز نہیں۔ یہ قول خوارج، شیعہ زیدیہ، روافض اور بعض اہل سنت کا ہے۔ دوسروں نے کہا ہے کہ سوائے جمعہ و عیدین کے اور سب نمازیں جائز ہیں۔ یہ قول بعض اہل سنت کا ہے۔ تمام گروہ صحابہؓ کا، جن میں کسی کا بھی اختلاف نہیں، اور تمام گروہ تابعین کا، جن میں کسی کا بھی اختلاف نہیں، اور اکثر تبع تابعین اور اکثر اصحابؒ حدیث کا مذہب یہ ہے اور یہی قول احمد و شافعی و ابو حنیفہ و داؤد وغیرہم کا ہے کہ فاسق کے پیچھے جمعہ وغیرہ جائز ہے۔ ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ اس کے خلاف کہنا بدعت ہے۔ کیونکہ جن صحابہؓ نے مختار بن عبید و حجاج و عبید اللہ بن زیاد و حبیش بن دلجہ وغیرہم کو پایا وہ کبھی ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے نہیں رکے۔ حالانکہ یہ لوگ تو فاسقوں میں بھی فاسق تر تھے۔ اور مختار کے دین پر تو کفر کا گمان و شبہہ تھا۔

جنھوں نے ان کے پیچھے نماز کو منع کیا ہے انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "انما یتقبل اللہ من المتقین" (اللہ تعالے صرف پرہیزگاروں سے قبول کرتا ہے)۔

ان سے کہا جائے گا کہ ہر فاسق نے جب اپنی نماز کی نیت کی تو اللہ نے اس پر رحمت کر دی۔ اور وہ اس بارے میں متقیوں میں ہے۔

لہذا اُس کی نماز بھی قبول کی جائے گی۔ اگر متقیوں میں صرف وہی شخص ہوتا جس کا کوئی گناہ نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد متقی کہلانے کا کوئی بھی مستحق نہ ہوتا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "ولو یؤاخذ الناس بظلمهم ما ترک علیها من دابة" (اور اگر اللہ تعالےٰ لوگوں سے اُن کے ظلم پر مواخذہ کرتا تو وہ روئے زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا)۔ فاسق کے متعلق یہ یقین کرنا جائز نہیں کہ اُس نے اپنی نماز سے اللہ تعالےٰ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کیا ہے جس نے اس کا یقین کیا وہ ایسی چیز کے درپے ہوا جس کا اُسے کوئی علم نہیں اور وہ بات کہی جو وہ نہیں جانتا، اور یہ حرام ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "ولا تقف ما لیس لک به علم" (اور اُس چیز کے درپے نہ ہو جس کا تجھے علم نہیں)۔ اور فرمایا ہے "وتقولون بافواهکم ما لیس لکم به علم وتحسبونه هینا وهو عند الله عظیم" (اور تم لوگ اپنے سے وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ اور تم اسے ہلکا سمجھتے ہو حالانکہ یہ اللہ کے نزدیک گراں ہے)۔

بعض نے کہا ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز سے وابستہ ہے۔

۱۳۶ یہ تو انتہائی فساد ہے۔ اس لئے کہ قول بلا دلیل ہے۔ برہان سے اس کا بطلان ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "ولا تکسب کل نفس الا علیها" (اور ہر شخص جو کچھ حاصل کرے گا اُس کا ذمہ دار وہی ہوگا)۔ اور فرمایا ہے "ولا تزر وازرة وزر اخری" (کسی بوجھ اٹھانے والے کو دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھانا پڑے گا)۔ یہاں ارتباط اور وابستہ ہونے کے دعوے پر بھی کوئی برہان نہیں۔ نہ قرآن، نہ حدیث، نہ اجماع، نہ معقول، حالانکہ اس پر ان سب کا اجماع ہے کہ امام کا وضو مقتدی کے وضو کا قائم مقام نہیں، نہ اس کا قیام اس کے قیام کا، نہ اُس کا قعود اس کے قعود کا، نہ اِس کا سجود اُس کے سجود کا، نہ اِس کا رکوع اُس کے رکوع کا، اور نہ اِس کی نیت اُس کی نیت کی۔ اُس وقت اس ارتباط و وابستگی کے، جس کا یہ دعویٰ کرتے ہیں، کیا معنی ہوں گے جس کے ظاہر میں فضل و بزرگی ہو اُس کے باطن کے متعلق یقین کرنا جائز نہیں۔

یہ محض ظن وگمان ہے (کہ اُس کا باطن اچھا ہے)۔ لہٰذا اس بارے میں فاسق و فاضل کا معاملہ یکساں ہوا اور ثابت ہوگیا کہ کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھتا، ہر ایک اپنی ہی طرف سے نماز پڑھتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "اجیبوا داعی اللہ" (اللہ کے بلانے والے کی دعوت قبول کرو) اس سے ضروری طور پر واجب ہوگیا کہ جو داعی کسی خیر کی دعوت دے، خواہ وہ نماز ہو، حج ہو، جہاد ہو، یا نیکی و تقویٰ پر باہم مدد کرنا ہو، تو اُس کی دعوت کا قبول کرنا اور اس کے ساتھ اس کارِ خیر کا کرنا فرض ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (نیکی و تقوے پر باہم مدد کرو اور گناہ و ظلم پر باہم مدد نہ کرو) جو داعی شر کی دعوت دے اُس کی دعوت قبول کرنا جائز نہیں! بلکہ اُس کی مدافعت اور اُس کا رد کرنا فرض ہے۔ اور اللہ ہی ہماری تائید کرتا ہے۔

فسق اُس شخص کے مقابلے میں نقص کا مرتبہ ہے جو اس سے افضل ہے۔

جس امر میں کوئی شک ہی نہیں وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے فاسق و فاجر اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے سب سے بڑے فاضل و افضل کے درمیان قریب تر نسبت ہے اس نسبت سے جو افضل صحابہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بھی گناہ و تقصیر کے قصد سے خالی نہیں۔ مسلمانوں میں جو باہمی فضیلت کی کمی بیشی ہے وہ محض گناہوں کی کثرت و قلت اور کبائر سے بچنے اور ان میں مبتلا ہونے کے اعتبار سے ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد صغائر سے تو کوئی بھی نہیں بچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ و عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور اسی سے ثابت ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم کہ "جماعت کا امام وہ شخص ہو جو سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہو۔ پھر اگر سب برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ فقیہ و عالم ہو" مستحب ہے فرض نہیں۔ لہٰذا اس کے بعد کسی فاضل کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے سے انتہائی کمتر کے پیچھے نماز پڑھنے سے رکے۔

لیکن زکوٰۃ کا امام کو ادا کرنا۔ تو اگر امام قرشی فاضل یا فاسق ہو اور اس سے کسی فاضل نے جھگڑا نہیں کیا تو یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی وجہ سے ہے کہ اپنے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی رکھو۔ پھر وہ شخص مُصدِّق (زکوٰۃ وصول کرنے والا) نہیں ہے جو اپنے کو مصدق کہے۔

مُصدق وہ ہے جس کے مُصدِق ہونے پر یہ برہان قائم ہو کہ اُسے ایسے امام نے بھیجا ہے جس کی طاعت واجب ہے۔ ایسا شخص زکوٰۃ مانگے جو امام نہیں ہے یا امام کا مُصدق نہیں ہے تو وہ ایک راہ گیر ہے اُسے زکوٰۃ لینے کا کوئی حق نہیں۔ لہٰذا اُسے زکوٰۃ کا دینا کافی نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے ایسے شخص کو زکوٰۃ دے دی جس کے دینے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ رد ہے"۔ یہی کلام تمام احکام اور حدود و قصاص وغیرہ میں بھی ہے۔ کہ اگر انھیں ایسا امام قائم کرے جس کی طاعت واجب ہے اور جس کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ اگر وہ احکام قرآن و حدیث کے موافق ہوں گے تو نافذ ہوں گے ورنہ سب رد ہوں گے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اگر انھیں غیر امام نے یا امام کے والی نے قائم کیا تو یہ سب کے سب رد ہوں گے اور ان کا شمار نہ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ انھیں ایسے شخص نے قائم کیا ہے جسے ان کے قائم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اگر امام ان کے قائم کرنے پر قادر نہ ہو تو اُس وقت جو شخص بھی حق میں سے کچھ بھی قائم کرے گا وہ نافذ ہو جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم انصاف کو قائم کریں۔ امت میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں کہ جب امام موجود ہو، صاحب اقتدار ہو، یا امام کا امیر یا والی ہو۔ ایسی حالت میں جو شخص کسی ایسے حکم کے نافذ کرنے کی مبادرت کرے جو امام کے متعلق ہے تو وہ مبادرت یا تو کسی ظلم کی نسبت داد خواہی ہوگی جو رد کر دی جائے گی یا کسی کی موقوفی ہوگی تو نافذ نہ ہوگی۔ اسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور تمام شہروں میں آپ کے عمال کا عمل جاری رہا جس کو تمام مسلمانوں نے زمانہ بزمانہ نقل کیا ہے۔

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اسی پر کاربند تھے۔
جہاد ہر امام اور ہر زبردستی غلبہ کر لینے والے اور ہر باغی اور ہر جنگ کرنے والے کے ہمراہ واجب ہے جو مسلمانوں میں سے ہوں۔ اس لئے کہ یہ تو نیکی وتقوے پر باہمی مدد ہے۔ ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی اور دین اسلام کی دعوت دے اور اس شخص سے مسلمانوں کی حفاظت کرے جوان کا ارادہ کرے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے" فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم کل مرصد" (مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور انھیں گرفتار کرو۔ اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کے لئے ہر کمین گاہ میں بیٹھو) ۱۳۷
یہ حکم ہر مسلم اور ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لئے عام ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔
الحمد للہ کتاب الامامۃ والمفاضلۃ تمام ہوئی۔

جو باتیں کفر کی طرف لیجاتی ہیں

اہل بدعت یعنی معتزلہ وخوارج ومرجیۂ وشیعہ کے محال اقوال

ہم نے اس کتاب میں دین اسلام کے مخالف مذاہب کی اُن رسوائیوں کو لکھا ہے جو ان کی کتابوں میں ہیں۔ یعنی یہود ونصاریٰ ومجوس کی۔ کہ اس کے بعد ان لوگوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔ جو اس پر واقف ہوگا اُسے اس میں کوئی شک نہ رہے گا کہ یہ لوگ گمراہی وباطل میں مبتلا ہیں۔
انشاء اللہ ہم ان چاروں فرقوں (معتزلہ۔ خوارج۔ مرجیۂ۔ شیعہ)

کے ایسے فحش اقوال لکھیں گے کہ جو انھیں پڑھے گا اُس پر یہ مخفی نہ رہے گا کہ یہ لوگ گمراہی و باطل میں مبتلا ہیں۔ غرض یہ ہے کہ یہ بیان لوگوں کو ان کی شرکت یا ان کے اندر باقی رہنے سے روکنے والا ہو جن کی توفیق کا ارادہ اللہ نے کیا ہے ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ہماری کتاب کا پڑھنے والا یہ بھی جان لے کہ جس چیز کو وہ لوگ حلال سمجھتے ہیں جن میں خیر نہیں ہے ہم اُسے حلال نہیں سمجھتے کہ کسی شخص پر ایسے قول کی تہمت لگائی جائے جو اُس نے نصاً و تصریحاً نہیں کہا اگرچہ اُس کا قول اُسی کی طرف رجوع کرتا ہو۔ کیونکہ کبھی وہ چیز لازم نہیں آئی جو اُس کے قول سے بطور نتیجہ نکلتی ہے اور تناقض ہو جاتا ہے۔

کسی کہنے والے پر کسی ایسے قول کی تہمت لگانا، خواہ وہ کہنے والا کافر ہو یا بدعتی ہو یا خطا و غلطی کرنے والا ہو، جو وہ تصریحاً نہیں کہتا اس پر بہتان لگانا اور جھوٹ بولنا ہے۔ کسی پر بہتان لگانا اور جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ لیکن اکثر یہ لوگ فحش مطلب کو کسی فریب آمیز لفظ میں پوشیدہ کر دیتے ہیں کہ اسے اہل جہل پر آسان کر دیں اور اُن کے پیرو ان پر اچھی نظر رکھیں۔ اور تاکہ اُن کے مخالفین کے عام لوگوں سے ان عقدوں کا حل دور رہے۔ مثلاً بدعت۔ و

مثلاً بعض بدعتی و گمراہ گروہوں کا یہ کہنا کہ اللہ تعالے کو قدرت محال و قدرت ظلم و قدرت کذب سے موصوف نہ کیا جائے گا یا جو وہ جانتا ہے کہ ہو گا اُس کے خلاف کی قدرت سے بھی اُسے موصوف نہ کیا جائے گا۔ اس قضیے میں ان لوگوں نے بہت بڑے کفر کو پوشیدہ کر دیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ اس قول سے اپنے جاہل پیرودں کی وحشت کا دور کرنا، انھیں اپنا رفیق بنانا ہے، اپنے مخالفوں کے جوش کو سکون میں لانا اور اپنے اس قبیح عقیدے کا پردہ چاک ہونے سے بھاگنا ہے کہ اللہ تعالٰی ظلم پر قادر نہیں، اُسے کذب پر قدرت نہیں۔ اور نہ اُسے محال کی طاقت ہے۔ ان لوگوں نے جو ملمع کاری کی تھی اُسے ہم نے واضح کرنے کے لئے اس طرح بدل دیا ہے اور اُسے بالکل کھلے ہوئے اور ظاہر الفاظ و عبارت میں بیان کر دیا ہے۔

کہ ان کی فریب کاری کھل جائے، اُن کے پردے چاک کرنے اور راز کھولنے سے اللہ تعالے کے یہاں ہمیں تقرب حاصل ہو۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

شناعت شیعہ

اس فرقے کے بدکار تین گروہ ہیں۔ اول جارودیہ زیدیہ۔ دوم امامیہ رافضیہ۔ سوم غالیہ۔

جارودیہ کے ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن الحسن بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب جو مدینے میں ابوجعفر منصور کے مقابلے کے لیے اُٹھے تھے، منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس کو اُن کی مدافعت کے لیے روانہ کیا اور محمد بن عبداللہ بن الحسن رحمۃ اللہ قتل کر دیے گئے باایں ہمہ یہ گروہ کہتا ہے کہ محمد مذکور زندہ ہیں، نہ قتل کیے گئے، نہ مرے، اور نہ اس وقت تک مریں گے جب تک زمین کو انصاف سے نہ بھر دیں جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوئی ہے۔

انھیں کے ایک دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن الحسین بن زید بن علی بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب جو زمانۂ خلیفہ مستعین میں کوفے میں مقابلے کے لیے اُٹھے تھے۔ مستعین نے محمد بن عبداللہ بن طاہر بن الحسین کو روانہ کیا جو ان کے چچا حسن بن اسماعیل بن الحسین کا بیٹا تھا اور وہ طاہر بن الحسین کے بھائی کا بیٹا تھا۔ یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ قتل کر دیے گئے۔ مگر اس گروہ نے کہا ہے کہ یہ یحییٰ بن عمر زندہ ہیں، قتل نہیں کیے گئے، نہ مرے، اور نہ مریں گے تاوقتیکہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے نہ بھر دیں جس طرح وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہے۔

انھیں کے ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ محمد بن القاسم بن علی بن عمر بن علی بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب جو زمانۂ خلیفہ معتصم میں طالقان میں مقابلے کیلئے اٹھے تھے،

زندہ ہیں مرے نہیں ۔ نہ قتل کیے گئے، اور نہ مریں گے تاوقتیکہ زمین کو انصاف سے نہ بھر دیں جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوئی ہے ۔

کیسانیہ نے کہا ہے جو مختار بن ابی عبید کے ساتھی ہیں اور ہمارے نزدیک یہ لوگ بھی زیدیہ ہی کی ایک شاخ ہیں ۔ کہ محمد بن علیؓ بن ابی طالب جو ابن الحنفیہ تھے زندہ ہیں، رضویٰ کے پہاڑوں میں ہیں۔ ان کے داہنی طرف شیر اور بائیں طرف چیتا ہے ۔ ان سے ملائکہ باتیں کرتے ہیں ۔ صبح و شام ان کے پاس ان کا رزق آتا ہے، وہ نہیں مرے اور نہ مریں گے تاوقتیکہ زمین کو عدل سے نہ بھر دیں

۱۳۸ جس طرح وہ جور سے بھری ہوئی ہے ۔

بعض روافض امامیہ نے کہا ہے اور اسی فرقے کو ممطورہ کہا جاتا ہے کہ موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب زندہ ہیں ۔ مرے نہیں اور نہ مریں گے تاوقتیکہ وہ زمین کو عدل سے نہ بھر دیں جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوئی ہے ۔

انہیں کے ایک گروہ نے جو ناؤسیہ ہیں اور ناؤس مصری کے ساتھی ہیں، یہی بات ان کے والد جعفر بن محمد کے بارے میں کہی ہے ۔

انہیں کے ایک گروہ نے یہی بات ان کے بھائی اسماعیل بن جعفر کے بارے میں کہی ہے ۔

سائیہ نے جو عبداللہ بن سبا حمیری یہودی کے ساتھی ہیں، یہی بات علیؓ بن ابی طالب کے بارے میں کہی ہے ۔ اور اتنا اضافہ کیا ہے کہ وہ ابر میں ہیں ۔

اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ کونسے ابر میں ہیں کیونکہ ابر تو بہت سے ہیں جو ہوا کے اطراف میں زمین و آسمان کے درمیان مسخر ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے (ابر کے بارے میں) فرمایا ہے ۔

جس وقت عبداللہ بن سبا کو علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ اگر تم لوگ ستر بار بھی ان کا دماغ ہمارے پاس لاتے تب بھی ہم ان کی موت کو نہ مانتے ۔ وہ نہیں مریں گے تاوقتیکہ زمین کو عدل سے نہ بھر دیں جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوئی ہے ۔

بعض کیسانیہ نے کہا ہے کہ ابومسلم سراج زندہ ہیں۔ مرے نہیں اور وہ ضرور ظاہر ہوں گے۔

بعض کیسانیہ نے کہا ہے کہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب زندہ ہیں، اب تک اصبہان کے پہاڑوں میں ہیں، اور اُن کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ یہ عبداللہ وہی ہیں جو زمانۂ مروان بن محمد میں فارس میں مقابلے کے لیے کھڑے ہوئے تھے، ابومسلم نے زمانۂ دراز تک قید رکھنے کے بعد اُن کو قتل کر دیا تھا، یہ عبداللہ بددین آدمی تھے، اللہ کو معطل سمجھتے تھے اور دہریے کی صحبت میں رہتے تھے۔

یہ سب کے سب یہود کے مددگار ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ ملکصیدق بن عامر بن ارفخشد بن سام بن نوح اور وہ غلام جس کو ابراہیم علیہ السلام نے روانہ کیا تھا کہ وہ ربقا بنت بتوائل بن ناحور بن تارح کو اُن کے بیٹے اسحاق علیہ السلام کے ساتھ شادی کا پیام دے۔ اور الیاس علیہ السلام اور فنحاس بن العاذار بن ہارون علیہ السلام آج تک زندہ ہیں۔ بعض ترکی صوفیہ بھی اسی راستے پر چلے ہیں، انھوں نے گمان کیا ہے کہ خضر و الیاس علیہما السلام آج تک زندہ ہیں۔ بعض صوفیہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ جنگلوں میں الیاسؑ سے اور گھاس والے جنگلوں اور باغوں میں خضرؑ سے ملاقات کرتے ہیں۔ جب خضرؑ کو یاد کرتے ہیں تو وہ اُن کے یاد کرتے ہی آجاتے ہیں۔

زمین کے شرق و غرب و شمال و جنوب میں ایک ہی شخص ایک ہی دقیقہ میں ہزار بستیوں میں کیسے کام کر سکتا ہے۔ اور کس طرح نمایاں ہو سکتا ہے، حالانکہ ہم ایک مخلوق سے ملے ہیں۔ جن کا یہی مذہب ہے۔ اُن سے ہم نے کلام کیا ہے۔ اُن میں سے ایک صاحب کا عرف ابن شق اللیل ہے جو طلبیرہ میں محدث ہیں، صاحب العنایۃ ہیں، اور کثیر الروایۃ ہیں، انھیں میں سے محمد بن عبداللہ الکاتب بھی ہیں، خود انھیں نے مجھ سے کہا کہ میں خضرؑ کا ہم نشین ہوں اور بارہا اُن سے گفتگو کی ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سننے کے باوجود ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" (لیکن آپ اللہ کے رسول اور انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی کہ "لا نبی بعدی" (میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)۔ کوئی مسلمان کیسے جائز سمجھتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین میں کسی نبی کو ثابت کرے بجز اُن نبی کے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستثنیٰ فرمایا ہے جو اُن احادیث صحیحہ ومسندہ میں ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے آخر زمانے میں نازل ہونے کے بارے میں ہیں۔

برغواطہ کے کفار آج تک اُس صالح بن طریف کے منتظر ہیں جس نے ان کے لئے ان کا دین شروع کیا۔

رافضیۂ امامیہ کے تمام قیطعیہ نے کہا ہے، اور یہی جمہور شیعہ ہیں، ان میں متکلمین ومناظرین بھی ہیں، اور اُن کی بڑی تعداد ہے کہ محمد بن الحسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب زندہ ہیں مرے نہیں۔ اور نہ مریں گے تاوقتیکہ وہ نکل کر زمین کو عدل سے نہ بھر دیں جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوئی ہے، ان کے نزدیک یہی وہ مہدی ہیں جن کا انتظار کیا جا رہا ہے۔

ان کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ ان کی ولادت کا زمانہ (جو ہرگز کبھی پیدا نہیں ہوئے) سنہ ۲۶۰ھ میں ہے جو ان کے والد کی وفات کا سال ہے۔

ان کے ایک گروہ نے کہا کہ وہ اپنے والد کی وفات کے ایک مدت بعد پیدا ہوئے۔

ان کے ایک گروہ نے کہا کہ وہ اپنے والد کی زندگی ہی میں پیدا ہوئے۔ اسے ان لوگوں نے حکیمہ بنت محمد بن علی بن موسیٰ سے روایت کیا ہے جو ان کی ولادت کے وقت موجود تھیں، جس وقت وہ اپنی ماں کے پیٹ سے نکلے تو حکیمہ نے انھیں بات کرتے اور قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ ان کی والدہ نرجس تھیں۔ اور یہی حکیمہ قابلہ یعنی دایہ تھیں۔

جمہور شیعہ نے کہا ہے کہ ان کی والدہ صقیل تھیں۔

ان کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ ان کی والدہ سوسن تھیں۔ حالانکہ یہ سب ہوسناکی وہوا بندی ہے۔ حسن مذکور نے اپنا کوئی پس ماندہ نہیں چھوڑا نہ بیٹا نہ بیٹی۔ سفہائے شیعہ کا یہ اولین عقیدہ اُن کے سب چھوٹے بڑے امور کی مفتاح ہے، اگرچہ وہ چھوٹے بھی ہلاک کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد ۱۳۹
جب ان سے اُن کے قول کی حجت دریافت کی گئی تو سب نے یہ کہا کہ ہماری حجت الہام ہے۔ اور جو ہمارا مخالف ہے وہ نیکی وہدایت کی بنا پر مخالف نہیں ہے۔

یہ ایک طرفہ جدت ہے۔ اے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ ان میں اور انھیں جیسے نفس پرست عیار میں کیا فرق ہوگا جو ان کے قول کے ابطال میں الہام کا دعویٰ کرے اور یہ کہے کہ شیعہ ہدایت ونیکی کی بنا پر نہیں ہیں، یہ سب کے سب اپنے زمانے کے بدترین لوگ ہیں جن کے سروں میں جنون کا ایک شعبہ ہے۔ ایسے شخص کو یہ لوگ کیا کہیں گے جو ان میں تھا پھر غیر میں چلا گیا یا جو غیر میں تھا پھر ان میں آگیا۔ کیا تم یہ سمجھو گے کہ وہ گمراہی کی پیدائش سے ہدایت کی پیدائش کی طرف منتقل ہوگیا اور ہدایت کی پیدائش سے گمراہی کی پیدائش کی طرف آگیا۔ اگر یہ لوگ یہ جواب دیں کہ حکم اُس حالت پر ہوگا جس پر وہ مرے گا۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ ممکن ہے کہ تم لوگ بھی گمراہی کی اولاد ہو۔ کیونکہ اس کا اطمینان نہیں کیا جاسکتا کہ تم میں سے ایک ایک شخص آج جس حالت پر ہے اس کے خلاف کی طرف رجوع کرلے۔ خلاصہ یہ کہ پوری قوم کا دین بھی فاسد ہے عقل میں بھی فتور ہے اور حیا بھی معدوم ہے۔ اور اس گمراہی سے اللہ کی پناہ۔

عمرو بن خولۃ الجاحظ کے مزاج پر اگرچہ ہزل غالب تھا، لغویات کا غلبہ تھا، اور وہ خود گمراہوں کا ایک گمراہ تھا مگر ہم نے اُس کی کتابوں میں یہ نہیں دیکھا کہ کوئی جھوٹی بات بیان کی ہو اور اُس کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہو۔ اگرچہ یہ دوسروں کا جھوٹ بکثرت اپنی کتابوں میں لاتا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ مجھے ابو احسان ابراہیم النظام وبشر بن خالد نے خبر دی کہ

ان دونوں نے محمد بن جعفر رافضی سے جس کا عرف شیطان الطاق تھا کہا کہ تیری خرابی ہو، تو اللہ سے شرماتا نہیں کہ تو اپنی کتاب امامت میں کہتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے قرآن میں کبھی یہ نہیں کہا کہ "ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن - ان اللہ معنا" (جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو میں کے دوسرے تھے - جب دونوں غار ثور میں تھے جب کہ آپ اپنے رفیق وصاحب سے فرمارہے تھے کہ گھبراؤ نہیں - بیشک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے) - ان دونوں نے کہا کہ واللہ شیطان الطاق بہت دیر تک ہنستا رہا یہاں تک کہ گویا ہمیں دونوں گناہ گار ہیں (کہ اس آیت کو قرآن میں داخل سمجھتے ہیں) - نظّام نے کہا کہ ہم لوگ ابن میثم الصابوتی اور روافض کے تمام مشائخ ومتکلمین سے گفتگو کیا کرتے تھے -

ہم اس کو دریافت کرتے تھے کہ آیا یہ محض رائے ہے (کہ یہ آیت قرآن میں نہیں ہے) یا آئمۂ شیعہ سے ہی سنا گیا ہے - ابن میثم انکار کرتا تھا کہ شیطان الطاق نے اسے اپنی رائے سے نہیں کہا ہے (بلکہ آئمہ سے سن کر کہا ہے) اس کے متعلق اس کا جو قول ہے اس نے پہلے ہی اس سے دریافت کرلیا تھا - نظام نے کہا کہ واللہ میں نے نہیں دیکھا کہ وہ شرمایا ہو اور اسے اس فعل سے حیا آئی ہو -

تمام امامیہ کا خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید یہی قول ہے کہ قرآن بدل دیا گیا ہے اس میں وہ چیز بڑھادی گئی ہے جو نہیں تھی جو کم کردیا گیا ہے وہ بھی بہت ہے اور جو بدل دیا گیا ہے وہ بھی بہت ہے - بجز علی بن الحسن بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسن بن علیؓ بن ابی طالب کے - حالانکہ یہ بھی امامی تھے اور اعتزال کی مدد کیا کرتے تھے اس کے باوجود وہ اس قول (تحریف قرآن) کے منکر تھے اور اس کے قائل کی تکفیر کرتے تھے اسی طرح ان کے دونوں شاگرد ابو یعلی جو طوس میں پیدا ہوئے تھے اور ابوالقاسم الرازی بھی تحریف قرآن کے قائل نہ تھے یہ کہنا کہ جو دو لوحوں کے درمیان ہے وہ بدل دیا گیا ہے کفر صریح اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔

کیسانیہ کا ایک گروہ تناسخ ارواح کا قائل ہے، سید حمیری شاعر لعنۃ اللہ علیہ بھی اسی کا قائل ہے۔ جن لوگوں کا یہ مذہب ہے ان کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ان میں سے کوئی شخص خچر یا گدھا لیتا ہے، اس پر ظلم کرتا ہے، مارتا ہے، اور بھوکا پیاسا رکھتا ہے، اس بنا پر کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی روحیں اس میں ہیں۔ اس بے نظیر حماقت پر تعجب ہی کرنا چاہیئے۔ بھلا وہ کیا چیز ہے جس نے تمام خچروں اور گدھوں کو چھوڑ کر اسی بدنصیب خچر یا غریب گدھے کو مخصوص کر دیا کہ روحیں اس میں منتقل کر دیں۔ یہی برتاؤ یہ لوگ بکری کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس بنا پر کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روح اس کے اندر ہے۔

ان کے جمہور متکلمین مثلاً ہشام بن الحکم الکوفی اور ان کے شاگرد ابو علی الصکاک وغیرہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا علم حادث ہے، وہ کچھ نہیں جانتا تھا یہاں تک کہ اس نے اپنے لئے علم پیدا کیا۔ یہ کفر صحیح ہے۔

ہشام نے اسی مقام پر جب کہ وہ ابو الہذیل العلاف سے مناظرہ کر رہے تھے کہا کہ اس کا رب اپنے بالشتوں سے سات بالشت کا ہے۔ یہ بھی کفر صحیح ہے۔

داؤد الجوازی جوان کے بہت بڑے متکلمین میں سے تھے یہ گمان کیا کرتے کہ ان کا پروردگار گوشت اور خون کا ہے اور انسان کی صورت پر ہے۔

اس امر میں یہ لوگ باہم کوئی اختلاف نہیں رکھتے کہ علی بن ابی طالب کے لئے دو مرتبہ آفتاب کو واپس کیا گیا۔ بھلا اتنے قریب زمانے کے اور اتنی کثیر مخلوق کے باوجود کیا کسی کو اس سے زیادہ بے شرمی، بیغیرتی، بے حیائی، اور جھوٹ کی جرأت ہو سکتی ہے۔

ان میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ایک شئے کا ارادہ کرتا ہے

اور اُس پر عزم کر لیتا ہے پھر اُسے نامناسب معلوم ہوتا ہے تو وہ اُسے نہیں کرتا۔
یہ عقیدہ کیسانیہ کا ہے۔

امامیہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو نو عورتوں سے نکاح کو جائز بتاتے ہیں۔

ان میں وہ بھی ہیں جو چقندر کو حرام کہتے ہیں اس لئے کہ وہ خون حسینؓ سے اگا ہے۔ اور اُس کے پہلے نہ تھا۔ اور یہ بھی بے حیائی میں اپنے ماقبل کے قریب ہے۔

١٢٠ ان میں سے بہت لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ علیؓ سے پہلے کوئی اُن کا ہمنام نہ تھا۔ حالانکہ یہ جہل عظیم ہے۔ عرب میں بہت لوگ تھے جن کا یہی نام تھا۔ مثلاً علی بن بکر بن وائل۔ کہ عالم میں جتنے بنی بکر ہیں اپنے نسب میں سب اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قبیلۂ ازد میں بھی علی تھا۔ بجیلہ میں بھی علی تھا، اور دوسرے قبائل میں بھی جو سب کے سب زمانۂ جاہلیت میں مشہور تھے۔ ان سب سے زیادہ قریب عامر بن الطفیل تھا جس کی کنیت ابو علی تھی۔ اور ان کی علانیہ حماقتیں اس سے بہت زیادہ ہیں جو ہم نے بیان کیں۔

ان میں سے ایک گروہ جنت و دوزخ کے فنا ہونے کا قائل ہے۔

کیسانیہ میں بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ دنیا کبھی فنا نہ ہوگی۔

ان میں ایک گروہ ہے جس کا نام نخلیہ ہے، یہ لوگ حسن بن علی بن ورصند النحلی کی طرف منسوب ہیں۔ یہ شخص نفطہ کا باشندہ تھا، یہ مقام قفصہ و قسطیلیہ کے ضلع میں ہے جو بلاد افریقیہ میں واقع ہے، بعد کو یہ کافر سوس چلا آیا جو بلاد معامدہ کے انتہائی مقامات میں ہے، اس نے ان لوگوں کو گمراہ کیا اور امیر سوس احمد بن ادریس بن یحییٰ بن ادریس بن عبداللہ بن الحسین بن الحسن بن علیؓ بن ابی طالب کو بھی گمراہ کر ڈالا۔ اُس مقام پر یہ لوگ بہت ہیں۔ جو شہر سوس کے وسط میں رہتے ہیں اور اپنے کفر کا اعلان کرتے ہیں۔ ان کی نماز مسلمانوں کی نماز کے خلاف ہے۔ یہ لوگ کوئی ایسا پھل نہیں کھاتے جس کی جڑ میں پانس ڈالی گئی ہو۔ یہ کہتے ہیں کہ امامت

حسنؓ کی اولاد میں ہے نہ کہ حسینؓ کی اولاد میں۔

ان میں سے کچھ لوگ ابو کامل کے ساتھی ہیں، ان کا قول یہ ہے کہ (معاذ اللہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کافر ہو گئے کیونکہ ان لوگوں نے امامت علیؓ سے انکار کیا تھا۔ اور علیؓ بھی کافر ہو گئے۔ اس لئے کہ انھوں نے خلافت ابوبکرؓ کے، پھر عمرؓ کے، پھر عثمانؓ کے، سپرد کر دی۔ ان کے جمہور نے کہا ہے کہ علیؓ اور ان کے متبعین نے اسلام کی طرف رجوع کر لیا۔ کیونکہ انھوں نے قتل عثمانؓ کے بعد اپنی طرف دعوت دی۔ اپنا چہرہ کھول دیا اور تلوار سوت لی۔ اس کے قبل علیؓ اور ان کے متبعین اسلام سے مرتد، کافر، اور مشرک تھے۔

ان میں سے بعض لوگ اس امر کا گناہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع کرتے ہیں کیونکہ آپ نے اس معاملے کو ایسا واضح نہیں فرمایا جس سے اشکال رفع ہو جاتا۔

ان تمام امور میں بغیر کسی خفاء کے کفر صریح ہے۔ یہ سب اُن امامیہ کے مذاہب ہیں جو فرقۂ شیعہ میں غلو و مبالغے میں متوسط ہیں۔ جو غالیہ (یعنی مبالغہ کرنے والے اور حد سے بڑھنے والے) شیعہ ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم شیعہ وہ ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کے لئے نبوت کو ثابت کیا ہے۔

قسم ثانی وہ ہے جس نے غیر اللہ کے لئے الوہیت کو ضروری ٹھیرایا ہے، یہ لوگ یہود و نصاریٰ میں شامل ہو گئے اور بدترین کفر کیا۔

وہ گروہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کو ضروری ٹھیرایا ہے اس کے بھی چند فرقے ہیں۔ ان میں سے ایک فرقہ غرابیہ ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ سے اس سے بھی زیادہ مشابہ تھے جتنا غراب (کوا) غراب (کوے) کے مشابہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو وحی لے کے علیؓ کے پاس بھیجا تھا مگر جبریلؑ سے غلطی ہو گئی۔ کہ محمد کے پاس وحی لے کے چلے گئے۔ جبریلؑ پر اس امر میں کوئی الزام بھی نہیں

اس لئے کہ اُن سے غلطی ہوگئی۔ ان کے ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ جبریلؑ نے عمداً ایسا کیا۔ ان لوگوں نے (اللہ ان پر لعنت کرے) جبریلؑ کو کافر کہا ہے اور اُن پر لعنت کی ہے۔

اس سے زیادہ ضعیف العقل اور اس سے زیادہ بے حیا کوئی قوم سنی گئی ہوگی جو یہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ ابن ابی طالب کے مشابہ تھے۔ لوگو چالیس سال کے آدمی کی گیارہ سال کے لڑکے سے کہاں مشابہت ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے جبریل علیہ السلام غلطی کریں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم درازی قامت میں متوسط قد سے زیادہ تھے اور آپ کا قد سیدھا تھا۔ ڈاڑھی گھنی تھی۔ آنکھیں بالکل سیاہ اور بڑی تھیں پنڈلیاں بھری ہوئی تھیں۔ بدن میں بہت کم بال تھے۔ سر کے بال خوب گھنے تھے۔

علی رضی اللہ عنہ متوسط قامت سے کم۔ مائل بہ پستی تھے۔ آن کا قد بیحد جھکا ہوا تھا۔ جیسے توڑ کر جوڑ دیا گیا ہو۔ ان کی ڈاڑھی اتنی بڑی تھی کہ جب وہ بڑھتی تھی تو ان کے سینے کو ایک شانے سے دوسرے شانے تک بھر دیتی تھی۔ بھاری آنکھیں، باریک پنڈلیاں تھیں۔ اصلع بھی تھے یعنی سر پر بال بالکل نہ تھے بجز اس کے کہ گدی کی طرف تھوڑے سے بال تھے۔ ڈاڑھی بہت گھنی تھی۔ اس لیئے اس گروہ کی حماقت پر تعجب کرنا چاہئے۔

اگر یہ ممکن ہو کہ جبریلؑ غلطی کریں۔ حالانکہ روح الامین اس سے بری ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے درست کرنے اور آگاہ کرنے سے تئیس برس تک کیسے غفلت کی اور انھیں تئیس برس تک اُن کی غلطی پر کس طرح چھوڑے رکھا۔ اس سب سے زیادہ ظرافت یہ ہے کہ انھیں اس واقعے سے کس نے آگاہ کیا، یہ خرافات ان سے کس نے بیان کیں۔ یہ تو وہی جان سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جبریل علیہ السلام کو جو حکم دیا تھا اُس کا مشاہدہ کرے پھر اُس کے خلاف کا مشاہدہ کرے۔ ان سب پر اللہ کی اور لعنت کرنے والوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔ جب تک اللہ کے عالم میں اُس کی کوئی مخلوق یا فرقہ نبوتِ علیؓ کا قائل رہے۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ علیؑ بن ابی طالب و حسنؑ و حسینؑ رضی اللہ عنہم اور
۱۴۱ علیؑ بن الحسین و محمدؒ بن علی و جعفرؒ بن محمد و موسیٰؒ بن جعفر و علی بن موسیٰ و محمد بن علی
و حسن بن محمد اور حسنؑ کے بیٹے جن کا انتظار کیا جا رہا ہے سب کے سب انبیاء ہیں۔
ایک فرقہ صرف محمد بن اسماعیل بن جعفر کی نبوت کا قائل ہے اور
یہ قرامطہ ہی کا ایک گروہ ہے۔
ایک فرقہ علیؓ اور ان کے تینوں بیٹوں حسنؓ و حسینؓ و محمد ابن الحنفیہ
کی نبوت کا قائل ہے۔ اور یہ کیسانیہ ہی کا ایک فرقہ ہے۔
مختار نے بھی اپنے لئے دعوئے نبوت کے گردگشت کیا ہے، اس نے
مقفیٰ عبارت میں کلام کیا اور اللہ کی طرف سے غیب کی باتوں کی پیشنگوئی
کی، اور اس پر شیعہ کے چند گروہ اس کے پیرو بن گئے۔ یہ محمد ابن الحنفیہ
کی امامت کا قائل تھا۔
اور ایک فرقہ مغیرہ بن سعید کی نبوت کا قائل تھا جو بجیلہ کا مولیٰ
(آزاد کردہ غلام) تھا اور کوفے میں رہتا تھا۔ اسی کو خالد بن عبداللہ القسری
نے آگ میں جلا دیا۔ یہ ملعون کہا کرتا تھا کہ اس کا معبود مرد کی شکل کا ہے،
اس کے سر پر تاج ہے اور اس کے اعضاء کی تعداد حروف ہجاء کے برابر
(یعنی ۲۸) ہے۔ الف اس کی دو پنڈلیوں کے لئے۔ اور اسی طرح دوسرے
حروف۔ کہ کسی دین دار کی زبان بھی اس کو ادا نہیں کر سکتی۔ یہ کافر جو کچھ کہتے ہیں
اللہ تعالےٰ اس سے بے حد بلند و برتر ہے۔ اور یہ ملعون کہا کرتا تھا کہ
اس کے معبود نے جب مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اپنا اسم اعظم پڑھا،
وہ اس کے تاج پر پیدا ہو گئی۔ پھر اس نے بندوں کے اعمال یعنی معاصی
و طاعات اپنی انگلیوں سے لکھے۔ جب معاصی کو دیکھا تو پسینہ آگیا، اس نے
اپنے پسینے سے دو دریا جمع کئے، ایک شور و تاریک اور دوسرا روشن
و شیریں۔ دریا میں نظر ڈالی تو اپنا عکس دیکھا، اسے پکڑنے گیا تو وہ اڑا
پھر اس نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے عکس و سایے کی دونوں آنکھیں نکال لیں
اور مٹا ڈالیں۔ اس کی دونوں آنکھوں سے یہ سورج اور ایک اور سورج پیدا کیا۔

اس نے کفار کو دریائے شور سے پیدا کیا اور مومنین کو دریائے شیریں سے۔ اسی طرح کے اور بکثرت خرافات ہیں۔ یہ شخص یہ بھی کہا کرتا تھا کہ انبیا علیہم السلام میں شریعت کے کسی جزو میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔

یہ بھی کہا گیا کہ ہے کہ جابر بن یزید الجعفی جو شیعی ہے۔ روایت کرتا ہے وہ مغیرہ بن سعید کا خلیفہ ہو گیا جب مغیرہ کو خالد بن عبداللہ القسری نے جلا دیا۔ جابر مرا تو اس نے بکر اعور ہجری کو خلیفہ بنا دیا۔ جب وہ مرا تو ان لوگوں نے اپنا معاملہ اپنے میں مذکور عبداللہ بن مغیرہ کے سپرد کر دیا۔ کوفے میں ان لوگوں کی بہت بڑی تعداد تھی۔

سب سے آخری عقیدہ جس پر مغیرہ بن شعبہ نے توقف کیا وہ محمد بن عبداللہ بن الحسن بن الحسین کی امامت کا عقیدہ اور دریائے فرات کے اور ہر نہر یا چشمہ کے اور ہر اس کنوئیں کے پانی کے جس میں نجاست گر پڑے حرام ہوتا ہے جو لوگ اولاد حسین میں امامت کے قائل تھے وہ اباحت پر اس سے بیزار ہو گئے۔

ایک فرقہ بیان بن سمعان التمیمی کی نبوت کا قائل ہے اس کو بھی خالد بن عبداللہ القسری نے ایک ہی روز میں مغیرہ بن سعید کے ساتھ سولی دی اور جلا دیا۔ مغیرہ بن سعید نے لکڑی کے گٹھے سے بندھنے میں سخت بزدلی دکھائی یہاں تک کہ زبردستی اسے گٹھے میں باندھا گیا۔ بیان بن سمعان خود ہی سے گٹھے کی طرف بڑھ گیا اور بغیر کسی زبردستی کے اس سے لپٹ گیا۔ اس سے کوئی پریشانی ظاہر نہیں ہوئی۔ خالد نے ان دونوں کے ساتھیوں سے کہا کہ "تم لوگ ہر چیز میں پاگل ہو۔ یہ (بیان بن سمعان) اس قابل تھا کہ تمہارا رئیس ہوتا نہ کہ یہ بزدل (یعنی مغیرہ بن سعید)۔ ملعون بیان کہا کرتا تھا کہ اللہ کے چہرے کے سوا بقیہ سب فنا ہو جائے گا۔ اس پاگل کا گمان یہ تھا کہ اس کے اس کفر کی دلیل یہ آیت ہے "کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک" (ہر شخص جو زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے۔ اور آپ کے رب کی وجہ یعنی ذات باقی رہے گی)۔ اگر اس کو ذرا سی بھی عقل وفہم ہوتی تو یہ ضرور جانتا کہ اللہ تعالے نے صرف ان چیزوں کی فنا کی

خبر دی ہے جو زمین پر ہیں جس پر اس نے اپنے اس قول صادق سے تصریح کی ہے "کل من علیہا فان" (ہر وہ شخص جو زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے) اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی چیز کو فنا سے موصوف نہیں کیا جو زمین پر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجہ اللہ ہی ہے، وہ اللہ کے سوا کوئی اور چیز نہیں۔ اللہ اس سے بری ہے کہ اسے تبعیض و تجزیے سے موصوف کیا جائے (یعنی معاذ اللہ اس کے اجزا بیان کئے جائیں)۔ یہ صفت مخلوقات محدودہ کی ہے نہ کہ اس کی صفت جس کا نہ کوئی مثل ہو نہ اس کی حد ہو۔"

یہ ملعون کہا کرتا تھا کہ ھٰذا بیان للناس" (یہ قرآن لوگوں کے لئے بالکل صاف و واضح ہے)۔ اس آیت کا مطلب وہ خود ہی ہے (یعنی اس کا نام بیان تھا اور اس آیت میں یہ ہے کہ "یہ بیان لوگوں کے لئے ہے" اس کے معنی وہ یہ لیتا کہ یہی بیان بن سمعان لوگوں کے لئے ہے)۔

اس کا مذہب یہ تھا کہ ہاشم بن عبداللہ بن محمد ابن الحنفیہ ہی امام تھے، ان کے بعد یہ امامت علیؓ کی تمام اولاد میں ہے۔

ان کا ایک فرقہ منصور المستیر العجلی کی نبوت کا قائل ہے جس کا لقب کیف ہے، کہا جاتا تھا کہ کلام الہٰی میں کیسف سے یہی شخص مراد ہے "وان یروا کسفا من السماء ساقطا" (اگر یہ لوگ آسمان کا ایک ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں تو)۔ اسے یوسف بن عمرؓ نے کوفے میں سولی دی۔

یہ ملعون کہا کرتا تھا کہ اس کو (بطور معراج) آسمان پر چڑھایا گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور اس سے کہا کہ اے میرے بیٹے جا اور میری طرف سے تبلیغ کر۔ اور یہ اس کے ساتھیوں کی قسم یہ تھی کہ نہیں۔ قسم ہے کلمہ کی"

یہ ملعون کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عیسیٰ بن مریم کو پیدا کیا پھر علیؓ بن ابی طالب کو۔ یہ رسولوں کے جاری رہنے کا قائل تھا۔ اس نے حرام چیزیں حلال کر دی تھیں مثلاً زنا۔ شراب۔ مردار۔ سور۔ خون کہتا تھا کہ۔ یہ تو مردوں کے نام ہیں۔ آج اکثر روافض کا یہی مذہب ہے۔

اور اس نے نماز روزہ حج زکوۃ کو ساقط کر دیا تھا۔ اور اس کے تمام پیرو قتل نہیں کرتے، گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ ایسے ہی مغیرہ بن سعید کے پیرو بھی ہیں۔ اسی سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ہتیار اٹھانا جائز نہیں سمجھتے تاوقتیکہ جس امام کا انتظار ہے وہ نہ برآمد ہو۔ پھر (جب وہ برآمد ہوگا تو) یہ لوگ اور لوگوں کا گلا گھونٹنے سے اور پتھروں سے قتل کریں گے اور فرقہ خشبیہ کے لوگ خشب (یعنی لکڑی) سے قتل کریں گے۔

ہشام بن الحکم رافضی نے اپنی کتاب مسمی میزان میں بیان کیا ہے' یہ شخص سب سے زیادہ ان لوگوں کا جاننے والا تھا اس لئے کہ یہ کوفے میں ان کا پڑوسی تھا اور مذہب میں بھی ان کا ساتھی تھا۔ کہ خاص کر کسفیہ اپنے لوگوں کو اور اپنے مخالفین کو قتل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مومن کو جلدی سے جنت میں بھیج دیتے ہیں اور کافر کو دوزخ میں۔

یہ لوگ ابو منصور کے مرنے کے بعد اُس مال کا خمس (پانچواں حصہ) جو یہ اُن لوگوں سے وصول کرتے تھے جن کا گلا گھونٹ دیتے تھے حسن بن ابی منصور کو ادا کرتے تھے۔ یعنی ابو منصور کے ساتھی دو فرقے تھے۔

ایک فرقے کا قول تھا کہ محمد بن علی بن حسن کے بعد امامت محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسین میں چلی گئی۔

ایک فرقے کا قول ہے کہ امامت ابو منصور کسف ہی کے پاس رہی اور یہ کبھی اولاد علی میں واپس نہ ہوگی۔

ایک فرقہ کوفے کے زیغ الحائک کی نبوت کا قائل تھا۔ (حائک جولاہہ) اگرچہ ایک ہوشیاری کے سبب سے ایک جولاہے کے متعلق ان لوگوں کا یہ دعویٰ تھا۔

ایک فرقہ کوفے کے گندم فروش معمر کی نبوت کا قائل تھا۔

ایک فرقہ کوفہ عمیر التبان (بھوسہ والے) کی نبوت کا قائل تھا۔ یہ ملعون اپنے ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ اگر میں اس تنکے کو سونا بنانا چاہوں تو ضرور بنا دوں۔ اور کوفے میں خالد بن عبداللہ القسری کے پاس آیا تو بڑی ثابت قدمی سے خالد کو گالیاں دیں۔ خالد نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا چنانچہ اسے قتل کر کے اللہ کی لعنت کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ پانچوں فرقے سب کے سب فرقۂ خطابیہ سے ہیں۔

شیعۂ بنی عباس کا ایک فرقہ انھیں کا ہم عقیدہ تھا جو عمار کی نبوت کا قائل تھا۔ اسی کا لقب خداش تھا۔ اس شخص کو اسد بن عبداللہ برادر خالد بن عبداللہ القسری نے گرفتار کرلیا اور قتل کر کے اللہ کی لعنت کے سپرد کر دیا۔

شیعۂ غالیہ کی قسم ثانی وہ ہے جو غیر اللہ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ ان میں سب سے پہلی وہ قوم ہے جو عبداللہ بن سبا حمیری یہودی لعنۃ اللہ علیہ کے ساتھی تھے۔ یہ لوگ علی بن ابی طالب کے پاس آئے اور بالمشافہ کہا کہ آپ ہی "وہ" ہیں"۔ حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا کہ "وہ" کون۔ انھوں نے کہا کہ آپ ہی اللہ ہیں حضرت علیؓ نے اسے بہت ہی گراں جانا اور آگ سلگانے کا حکم دیا آگ دھکائی گئی۔ حضرت علیؓ نے ان سب کو آگ میں جلا دیا۔ جب یہ لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ اب تو ہمارے نزدیک ثابت ہوگیا کہ یہی اللہ ہیں اس لئے کہ آگ کا عذاب سوائے اللہ کے کوئی نہیں دیتا (لا یعذب بالنار الا رب النار) اسی واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ شعر ہے ؎۔

لما رأیت الامر امرا منکرا ؞ اججت ناراً دعوت قنبرا

(جب میں نے حالت کو ناپسندیدہ و خلاف شریعت دیکھا تو میں نے آگ بھڑکائی اور قنبر کو بلایا)۔

قنبر سے حضرت کا آزاد کردہ غلام مراد ہے۔ یہی ان لوگوں کے آگ میں ڈالنے پر مامور تھا۔ ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ نہ ہم کسی مخلوق سے فتنے میں مبتلا ہوں اور نہ کوئی مخلوق ہم سے فتنے میں مبتلا ہو۔ خواہ وہ امر چھوٹا ہو یا بڑا۔

اپنے ساتھیوں میں ابوالحسن علی رضی اللہ عنہ کا امتحان ویسا ہی ہوا جیسا کہ اپنے ساتھی رسولوں میں سے عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان ہوا تھا۔ یہ فرقہ آج تک باقی ہے، پھیلا ہوا ہے، اور کثیر التعداد ہے۔ یہ لوگ علیاویہ کہلاتے ہیں، انھیں میں سے اسحاق بن محمد النخعی الاحمر الکوفی ان کے متکلمین میں سے تھا۔ اسی کے بیان میں اس کی ایک کتاب ہے۔

جس کا نام اُس نے "الصراط" رکھا ہے۔ اس کو البھنکی اور فیاض نے رد کیا ہے۔ یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) علیؓ کے رسول ہیں۔ شیعہ کے ایک گروہ کا جو محمدیہ کے نام سے مشہور ہیں یہ قول ہے کہ محمد علیہ السلام ہی اللہ ہیں۔ (اللہ تعالے ان کے کفر سے برتر ہے)۔ البھنکی و فیاض بن علیؓ انھیں لوگوں میں سے تھے۔ فیاض کی اسی مضمون میں ایک کتاب بھی ہے جس کا نام اُس نے "القسطاس" رکھا ہے۔ اس کا باپ وہی مشہور کاتب ہے جو اسحاق بن کنداج کے زمانۂ ولایت میں اُس کا کاتب تھا۔ اُس کے بعد وہ امیر المومنین معتضد کا کاتب ہو گیا تھا۔ اسی کے بارے میں البحتری نے اپنا مشہور قصیدہ کہا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

شط من ساکن الغریر مزاره ۞ وطوته البلاد واللہ جاره

(غریر کے باشندے سے بستی دور جا پڑی ۞ شہروں نے معلوم نہیں کہاں سے کہاں اُسکو پہنچا دیا اللہ اسکے ساتھ ہو)

اس فیاض ملعون کو قاسم بن عبد اللہ بن سلیمان بن وہب نے اس لئے قتل کر دیا کہ یہ بھی ان لوگوں میں تھا جنھوں نے معتضد سے قاسم کی چغلخوری کی تھی۔ یہ قصہ مشہور ہے۔

ایک فرقہ آدم علیہ السلام کی اور اُن کے بعد محمد علیہ السلام تک تمام انبیاء میں سے ہر نبی کی، پھر علیؓ کی پھر حسنؓ کی، پھر حسینؓ کی، پھر محمد بن علی کی، پھر جعفر بن محمد کی الوہیت کا قائل ہے۔ یہ لوگ یہاں پر ٹھیر گئے (جعفر بن محمد کے بعد کسی کو خدا انہیں مانا) عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس کی ولایت کے زمانے میں ایک روز دن دھاڑے کوفے میں خطابیہ نے اس کا اعلان کیا۔ یہ لوگ روز روشن میں بہت بڑی جماعت کے ساتھ چادروں اور تہمدوں میں اکٹھا ہو کر 143
اپنی بلند آوازوں سے یہ صدا بلند کرتے ہوئے نکلے کہ "لبیک جعفر۔ لبیک جعفر" ابن عیاش وغیرہ نے کہا ہے کہ گویا میں اُن لوگوں کی اُس روز کی حالت دیکھ رہا ہوں۔ عیسیٰ بن موسیٰ ان لوگوں کی طرف نکلے تو

ان لوگوں نے اُن سے قتال کیا عیسیٰ نے ان سب کو قتل کر کے بالکل خاتمہ کر دیا۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس پر ایک اور فرقے نے اضافہ کیا۔ یہ فرقہ محمد بن اسماعیل بن جعفر بن محمد کی الوہیت کا قائل ہوا۔ یہی لوگ قرامطہ ہیں۔

انھیں میں وہ لوگ بھی ہیں جو ابوسعید حسن بن بہرام الجبائی اور اس کے بعد اس کے بیٹوں کی الوہیت کے قائل ہیں۔

انھیں میں بعض وہ بھی ہیں جو ابوالقاسم النجار کی الوہیت کے قائل ہیں۔ یہ شخص یمن میں بغاوت کے لئے اٹھا تھا۔ بلاد ہمدان میں رہتا تھا اس کا نام منصور تھا۔

ان میں سے ایک گروہ عبیداللہ کی الوہیت کا، اُس کے بعد اُس کی اولاد میں جو لوگ والی ہوئے اُن سب کی الوہیت کا قائل ہے اور اب تک ہے۔

ایک گروہ ابوالخطاب محمد بن ابی زینب مولائے بنی اسد کی الوہیت کا قائل ہے جو کوفے میں تھا۔ وہاں ان لوگوں کی بہت تعداد ہے ہزاروں سے بھی متجاوز۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ وہ بھی خدا ہے اور جعفر بن محمد بھی خدا ہے۔ مگر ابوالخطاب جعفر سے بڑا ہے۔ کہا کرتے تھے کہ حسن کی تمام اولاد اللہ کے بیٹے اور دوست ہیں۔ یہ مریں گے نہیں، آسمان پر اٹھا لیے جائیں گے۔ اس تشبیہ کی وجہ سے جسے تم دیکھتے ہو لوگوں کو شبہہ ہو گیا۔ اس کے بعد اُن کا ایک گروہ کوفے کے گندم فروش معمر کی الوہیت کا قائل ہوا۔ اُس کی عبادت کی۔ اور یہ شخص ابوالخطاب کے اصحاب میں تھا لعنہم اللہ اجمعین۔

ایک گروہ حسین بن منصور حلاج کی الوہیت کا قائل ہے جو ہوشیار شخص تھا۔ اسے حامد بن العباس رحمۃ اللہ کی کوشش سے مقتدر کے زمانے میں بغداد میں سولی دی گئی۔

ایک گروہ محمد بن علی بن الشلمغانی کاتب کی الوہیت کا قائل ہوا ہے

جو خلیفۂ راضی کے زمانے میں بغداد میں قتل کیا گیا۔ اُس کے پیروؤں کا عقیدہ تھا کہ وہ اُن میں سے جس کے ساتھ بھی بدکاری کرے گا اُس کی قدر بلند ہو جائے گی اس لیے کہ وہ اس میں نور بھر دے گا۔ یہ سب فرقے عورتوں کو شریک کرنا جائز سمجھتے تھے۔ اوران کا ایک گروہ ہمارے اسی زمانے میں شباس المغیم کی الوہیت کا قائل ہے جو بصرے میں زندہ ہے۔

ان میں سے ایک گروہ ابوسلم السراج کی الوہیت کا قائل ہے۔ انھیں میں سے ایک گروہ المقنع الاعور (یک چشم برقع پوش) والقصار (دھوبی) کی الوہیت کا قائل ہوا ہے جو ابومسلم کا انتقام لینے اُٹھا تھا۔ اس دھوبی کا نام ہاشم تھا۔ یہ ملعون منصور کے زمانے میں قتل کیا گیا۔ لوگوں نے اس کے متعلق اعلان کیا تو منصور نکلا اور اُس نے ان سب کو قتل کر دیا۔ اور فنا کر کے اللہ کی لعنت کے حوالے کر دیا۔ راوندیہ ابوجعفر منصور کی الوہیت کے قائل تھے۔ انھیں کا ایک گروہ عبداللہ بن الحرب الکندی الکوفی کی الوہیت کا قائل ہوا اور اُس کی عبادت کی۔ یہ شخص تناسخ ارواح کا قائل تھا۔ اُس نے ان لوگوں پر رات دن میں انیس نمازیں فرض کی تھیں جن میں سے ہر نماز میں پندرہ رکعتیں تھیں۔ صفریہ کے متکلمین میں سے ایک شخص نے اس سے مناظرہ کیا۔ براہین دین کو جب اُس پر واضح کر دیا تو یہ اسلام لے آیا اور اُس کا اسلام صحیح تھا۔ اور یہ اُن تمام امور سے باز آ گیا جن پر کاربند یا جن کا معتقد تھا۔ اپنے تمام پیروؤں کو بھی اس سے آگاہ کر گئے توبہ کا اظہار کیا۔ لوگ جو اس کی عبادت کیا کرتے تھے اور اُس کی الوہیت کے قائل تھے اس سے بیزار ہو گئے، اس پر لعنت کی اور اس سے الگ ہو گئے۔ سب نے عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی امامت کے عقیدے کی طرف رجوع کیا۔ عبداللہ بن الحرب اپنی وفات تک اسلام پر اور مذہب صفریہ پر باقی رہا۔ اور اُس کا ایک گروہ آج تک حربیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہ گروہ اُس فرقۂ سبائیہ میں سے ہے جو الوہیت علیؑ کا قائل ہے۔

ایک گروہ ہے جو نصریہ کہلاتا ہے اور جن کا ہمارے اس زمانے میں ملک شام میں جنداردن اور خاص شہر طبریہ پر غلبہ ہوگیا ہے ان لوگوں کا قول یہ ہے کہ "فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور حسن وحسین فرزندان علی رضی اللہ عنہم پر لعنت ہو"۔ یہ لوگ ان حضرات کو نہایت فحش گالیاں دیتے ہیں اور ہر مصیبت کے ساتھ کوستے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ یہ جناب سیدہ اور ان کے دونوں فرزند رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان حضرات سے بغض رکھنے والوں پر لعنت ہو جو شیطان ہیں مگر بصورت انسان۔ عبدالرحمن بن ملجم المرادی قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کا مقولہ یہ ہے کہ "علی پر اللہ کی لعنت ہے اور ابن ملجم سے اللہ راضی ہے"۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن ملجم المرادی تمام زمین والوں سے افضل اور آخرت میں سب سے زیادہ بزرگ ومعظم ہے۔ اس لئے کہ اس نے روح لاہوت کو جسد کی اس کدورت وظلمت سے رہا کر دیا جس میں وہ رہائی کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ اس جنون پر تعجب کرنا چاہیئے۔ اور اللہ سے ہر بلائے دنیا وآخرت سے پناہ مانگنا چاہیئے کیونکہ پناہ ونجات اسی کے ہاتھ میں ہے، کسی اور کے نہیں۔ اللہ تعالٰے ہمیں اس میں پورا حصہ دے۔

ان کفریات فاحشہ کا جن لوگوں نے اظہار کیا ہے" وہ ان لوگوں میں
سے ہیں جو کہ اسلام کی طرف منسوب ہیں، ان سب کا عنصر شیعہ وصوفیہ ہیں۔
بعض صوفیہ کا قول ہے کہ جسے اللہ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اس سے
احکام شریعت ساقط ہو جاتے ہیں۔ بعض صوفیہ نے اتنا اور بڑھایا ہے کہ
وہ اللہ سے واصل ہو جاتا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اسی زمانے میں
نیشاپور میں ایک شخص ہے جس کی کنیت ابوسعید ابوالخیر ہے، صوفیہ میں سے ۱۴۴
ہے، کبھی کمبل پہنتا ہے اور کبھی ریشم جو مردوں پر حرام ہے، کبھی ایک دن
میں ایک ہزار رکعت پڑھتا ہے اور کبھی کوئی نماز نہیں پڑھتا نہ فرض نہ نفل۔
یہ محض کفر ہے۔ ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

شناعت خوارج

جن لوگوں نے اسلام سے نسبت رکھنے والوں کے مقالات جمع کیے ہیں
بیان کیا ہے کہ ایک فرقہ اباضیہ ہے جن کا رئیس زید بن ابی ابیسہ ہے۔ یہ وہ زید نہیں ہے جو مشہور محدث تھے۔ یہ زید کہا کرتا تھا کہ اس امت میں اس کے دو شاہد ہیں جن میں ایک وہ خود ہے اور دوسرے کو وہ نہیں جانتا کہ کون ہے اور کب ہوگا، نہ یہ جانتا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ اس کے قبل ہو چکا ہو۔ یہود ونصاریٰ میں سے جو یہ کہے کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عرب کے لیے اللہ کے رسول ہیں نہ کہ ہمارے لیے۔ جیسا کہ یہود کا فرقہ عیسویہ کہتا ہے تو یہ سب کے سب مومن ہیں، اللہ کے ولی ہیں، اگرچہ وہ اسی عقیدے پر اور شرائع یہود ونصاریٰ کی پابندی و پیروی پر مریں۔ اور دین اسلام ایک عجمی نبی کے ذریعے سے منسوخ ہو جائے گا جو دین سائبین اور ایک دوسرا قرآن لائے گا کہ ایک دم سے پورا اس پر نازل ہوگا۔"

مگر تمام اباضیہ ایسے شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو ان مقالات میں سے کسی چیز کا بھی قائل ہو۔ اس سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور اس کے خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں۔

حرث اباضی کے اصحاب کا ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ جو زنا یا چوری کرے یا کسی کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قائم کی جائے (یعنے ان جرائم کی جو شرعی سزا ہے وہ اسے دی جائے) جو کچھ اس نے کیا ہے اس فعل سے اسے توبہ کرنے کو کہا جائے۔ اگر وہ توبہ کرے تو چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر

تو یہ سے انکار کرے تو مرتد ہونے کی بنا پر قتل کر دیا جائے۔

ہم نے اپنے یہاں اندلس میں اباضیہ کا مشاہدہ کیا ہے ایہ لوگ طعام اہل کتاب کو حرام بتاتے ہیں۔ بکرے بیل اور بھیڑ کے عضو تناسل کے کھانے کو حرام بتاتے ہیں۔ جو شخص رمضان میں دن کو سوئے اور اُسے احتلام ہو جائے تو اُس پر روزے کی قضا واجب کرتے ہیں۔ پانی پینے کے کنوئیں پر ہوتے ہیں پھر بھی، باستثنائے بعض، سب کے سب تیمم کرتے ہیں، وضو نہیں کرتے۔ ابو اسماعیل البطیحی اور اس کے اصحاب کا جو خوارج میں سے تھے، یہ قول ہے کہ جو نماز واجب ہے وہ صرف ایک رکعت صبح کو اور ایک رکعت شام کو ہے۔ یہ لوگ سال کے بارہ مہینوں میں حج کو جائز سمجھتے ہیں۔ مچھلی تا وقتیکہ ذبح نہ کی جائے اُس کا کھانا حرام سمجھتے ہیں۔ مجوس سے جزیہ لینا جائز نہیں سمجھتے جو شخص عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں خطبہ سنائے اُس کی تکفیر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دوزخ کے اندر اہل دوزخ لذت و نعمت میں ہیں اور اسی طرح جنت میں اہل جنت ہیں۔

ابو اسماعیل کی اصل ازارقہ سے ہے۔ مگر اس نے تمام ازارقہ سے زیادہ غلو کیا اور اُن سے بڑھا دیا۔ تمام ازارقہ جو نافع بن الازرق کے ساتھی ہیں وہ ایسے زنا کرنے والے کی سنگساری کے باطل ہونے کے قائل ہیں جو شادی شدہ ہو۔ چور کا ہاتھ شانے سے کاٹتے ہیں۔ انھوں نے عورت پر بحالت حیض بھی نماز روزہ واجب کیا ہے۔ مگر بعض نے کہا کہ نہیں۔ وہ جب پاک ہو روزے کی طرح نماز کی بھی قضا کرے۔ اُن عورتوں اور بچوں کے قتل و خون کو حلال کہا ہے جو ان کے لشکر میں نہ ہوں۔ ازارقہ اُس شخص سے بری الذمہ ہیں جو ضعف یا اور کسی عذر سے جہاد میں نہ نکلے۔ سب سے پہلے جس نے یہ بات کہی اُس کے مرنے کے بعد یہ لوگ اس قول کے مخالف کی تکفیر کرتے ہیں۔ اُس کی زندگی میں جس نے اس میں اختلاف کیا اُس کی اُن لوگوں نے تکفیر نہیں کی۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ جو ان کے اہل لشکر میں سے نہ ہو جب اُس سے ملیں تو اُسے لوٹیں۔ جب وہ

کہے کہ میں مسلم ہوں تو اُسے قتل کر دیں۔ اور جو اپنے کو یہود، نصاریٰ یا مجوس کی طرف منسوب کرے یہ اُس کے قتل کو حرام بتاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شہادت دی ہے کہ دین سے اس طرح نکل جانے والے ہوں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "یہ لوگ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے"۔ یہ خبر آپ کے علامات نبوت میں سے ہے کیوں کہ آپ نے اس کے متعلق خبر دی کہ جزئیات غیب میں سے ہے وہ اسی طرح تصریحاً ظاہر ہوئی جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔

ازارقہ ہلاک ہو چکے ہیں، یہ لوگ صرف ایک ہی لشکر والے تھے۔ ان میں سب سے پہلا شخص نافع بن الازرق تھا۔ اور سب سے آخر عبدۃ بن ہلال العسکری تھا۔ انتیس ۲۹ سال تک مسلسل ان لوگوں کا وجود رہا۔ مگر مجھے صبیح مولائے سوار بن الاسعر المازنی التیمی کے بارے میں شک ہے کہ اس نے جو ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں خروج و بغاوت کی تھی تو آیا ازارقہ کی رائے کے مطابق بغاوت و خروج کیا تھا یا صفریہ کی رائے کے مطابق۔ اس لیے کہ اس کا معاملہ زیادہ طویل نہیں ہوا یہ خروج کرنے کے بعد ہی گرفتار کر لیا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ ۱۴۵

نجدات نے جو نجدۃ بن عویم الحنفی کے پیرو ہیں، کہا ہے کہ لوگوں پر امام بنانا واجب نہیں۔ ان پر صرف یہ واجب ہے کہ آپس میں حق کو پھیلاتے رہیں۔ جو کمزور ان کے لشکر تک ہجرت نہ کر سکے وہ منافق ہے قاعدین کی جان و مال کو حلال کہا ہے۔ جو چھوٹا سا جھوٹ بولے یا گناہ صغیرہ کرے اور اس پر اصرار کرے (یعنے اس کو برابر کرتا رہے) تو وہ کافر و مشرک ہے۔ اسی طرح کبائر کے بارے میں بھی کہا ہے۔ جو شخص کبائر کا ارتکاب کرے اور ان پر اصرار نہ کرے تو وہ مسلم ہے۔ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب کرے لیکن وہ عذاب سوائے دوزخ کے ہوگا، دوزخ کا نہ ہوگا۔ خوارج میں سے جو کبائر کے مرتکب ہوں وہ کافر نہیں لیکن دوسرے فرقے

کبائر کے مرتکب ہوں وہ کافر ہیں۔ نجدات بھی فنا ہو چکے۔
صفریہ کا ایک گروہ اس کا قائل تھا کہ جس کو بھی قتل کیا جا سکے اُس کا قتل کرنا واجب ہے خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ یہ لوگ حق کی تاویل باطل سے کرتے تھے۔ یہ فرقہ بھی فنا ہو گیا۔
میمونیہ نے کہ عجاردہ کا ایک فرقہ ہے۔ اور عجاردہ صفریہ کا ایک فرقہ ہے۔ کہا ہے کہ نواسیوں، پوتیوں اور بھتیجیوں، بھانجوں کی بیٹیوں سے نکاح جائز ہے۔ ان لوگوں سے اُس مسئلے کو حسین بن علی الکرامی نے نقل کیا ہے جو ائمہ دین وحدیث میں سے تھے۔ اور آج خوارج کے فرقوں سے سوائے اباضیہ وصفریہ کے کوئی باقی نہیں ہے۔
بیہسیہ کے ایک گروہ نے کہا ہے۔ جو ابو بیہس کے ساتھیوں میں سے ہیں اور یہ لوگ صفریہ کے فرقوں میں سے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص صاحبِ کبیرہ ہے اور وہ کبیرہ ہے جس میں حد (شرعی سزا) ہے، تو اُس کی اُس وقت تک تکفیر نہ کی جائے گی جب تک اُسے امام کے سامنے پیش نہ کیا جائے۔ جب امام اُس پر حد قائم کر دے گا تو اب اُس کی تکفیر کی جائے گی۔
رشیدیہ نے کہا ہے۔ اور یہ ثعالبہ کے فرقوں میں سے ہیں۔ اور ثعالبہ صفریہ کے فرقوں میں سے ہیں۔ کہ اُس کھیت کی زکوٰۃ جس کی آبپاشی نہروں اور چشموں سے کی جائے بیسواں حصہ واجب ہے۔
عوفیہ نے کہ یہ بھی اُسی فرقۂ بیہسیہ کا ایک گروہ ہے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا، یہ کہا ہے کہ امام جب کسی مقدمے کے فیصلے میں ظلم کرے اور وہ خراسان یا غیر خراسان کسی شہر میں بھی ہو تو اُسی وقت وہ خود اور اُس کی تمام رعیت کافر ہو جائے گی۔ خواہ یہ رعیت کہیں بھی ہو۔ مشرق میں ہو کہ مغرب میں۔ اگرچہ وہ اندلس ویمن میں ہو یا ان کے درمیانی شہروں میں ہو۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر شراب کا ایک قطرہ جنگل کے کنوئیں میں گر پڑے تو جو شخص اُس کنوئیں پر گذرے

اور اس کا پانی پیے اور اُسے یہ بھی نہ معلوم ہو کہ اس میں کیا پڑ گیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا کافر ہے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی مومن کو اس سے بچنے کی توفیق دے۔

اگروہ صفریہ کے فرقہ فضیلیہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنی زبان سے "لا الٰہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ" کہے اگرچہ اپنے دل میں اس کا اعتقاد نہ کرے بلکہ دل میں دہریت یا یہودیت یا نصرانیت یا کفر کا اعتقاد کرے، تو وہ اللہ کے نزدیک مومن و مسلم ہے، جب وہ اپنی زبان سے کلمۂ حق ادا کرے تو اُسے وہ چیز مضر نہیں جس کا وہ اپنے دل میں اعتقاد رکھتا ہو۔

صفریہ کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو جیسے ہی آپ مبعوث ہوئے اُسی وقت سے اور اُسی روز سے تمام اہل مشرق و مغرب کو آپ پر ایمان لانا فرض ہو گیا، اگرچہ اُنھیں آپ کی لائی ہوئی تمام شریعت کا علم نہ ہو، ان میں سے جو لوگ آپ کی شریعت کا کچھ بھی حصہ پہنچنے سے پہلے مر گئے وہ کافر مرے۔

عجاردہ نے جو عبدالکریم بن عجرد کے پیرو تھے اور وہ صفریہ میں سے تھا، یہ کہا ہے کہ ان کے بیٹا بیٹی میں سے جو شخص جوان ہو یہ لوگ اس سے اور اُس کے دین سے بری ہیں تا وقتیکہ وہ اسلام کا اقرار نہ کرے اُس وقت وہ اُس سے محبت کریں گے۔

اس پر یہ لازم آتا ہے کہ اسلام کو زبان سے کہنے سے پہلے اگر اس کو کوئی قتل کرے تو اُس پر نہ قصاص ہے نہ خوں بہا۔ اگر وہ مر گیا تو نہ اُس کا کوئی وارث ہوگا اور نہ وہ کسی کا وارث ہوگا۔

عجاردہ کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ ہم بلوغ سے پہلے بچوں سے نہ محبت کرتے ہیں نہ بیزاری۔ ہم ان کے بارے میں توقف کرتے ہیں، یہاں تک کہ یہ لوگ بلوغ کے بعد اسلام کو زبان سے ادا کریں۔

عجاردہ وہی لوگ ہیں جو خراسان کے خوارج پر غالب آ گئے ہیں جیسا کہ فرقۂ اباضیہ کے "نکار" وہی لوگ ہیں جو اندلس کے خوارج پر غالب آ گئے ہیں۔

بکرمیہ نے کہ ابو بکرم کے اصحاب ہیں۔ اور یہ لوگ ثعالبہ یعنی اصحاب ثعالبہ میں سے ہیں جو فرقۂ صفریہ میں سے ہے۔ یہ کہا ہے کہ عبداللہ بن باض نے ثعالبہ ہی کے قول کی طرف رجوع کیا تو اُس کے پیرو اُس سے بیزار ہو گئے۔ وہ لوگ آج اُسے پہچانتے بھی نہیں۔ ہم نے اُس سے اِن لوگوں کو دریافت کیا جو ان کے علم و مذہب میں ان سب میں بڑھا ہوا ہے مگر اُس نے ان میں سے کسی کو بھی نہ بتایا۔ بکرمیہ کا مقولہ ہے کہ جس نے کبیرہ کا ارتکاب کیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے ناواقف رہا اور وہ کافر ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ کبیرہ کفر ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ناواقف ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے
۱۴۶ کافر ہے۔

خوارج کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ جو ایسے معاصی ہوں جن میں حد (شرعی سزا) ہو مثلاً زنا۔ سرقہ۔ تہمت زنا۔ تو اس کا فاعل نہ مومن ہے نہ کافر نہ منافق۔ لیکن جن معاصی میں کوئی حد (شرعی سزا مقرر) نہ ہو تو وہ کفر ہیں اور ان کا فاعل کافر ہے۔

اور حفصیہ نے کہ حفص بن ابی المقدام کے پیرو ہیں جو اباضی تھا، کہا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا وہ کافر ہے۔ مشرک نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ سے وہ ناواقف یا اُس کا منکر ہے تو اس وقت وہ مشرک ہے۔

حرث اباضی کے بعض پیرووں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو منافقین تھے وہ اللہ تعالیٰ کے موحّد مگر صاحب کبیرہ تھے۔

خوارج کی حماقتوں میں سے بکر بن ہمشیرۂ عبدالواحد بن زید کا ایک قول ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ ہر گناہ صغیرہ یا کبیرہ اگرچہ وہ ناحق ایک دانہ رائی کا لینا ہو یا بطور مزاح کے بہت ہی خفیف سا جھوٹ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے، اس کا فاعل کافر و مشرک ہے اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ بجز اس کے کہ وہ اہل بدر میں سے ہو۔ تو وہ

کافر و مشرک ہے اور اہل جنت میں سے ہے۔ ان کے نزدیک طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کا یہی حکم ہے۔

ان کی حماقتوں میں سے عبد اللہ بن عیسیٰ شاگرد بکر بن ہمشیرہ عبد الواحد بن زید مذکور کا یہ بھی ایک قول ہے۔ کہ مجنون آدمی اور جانور اور بچے جو بالغ نہ ہوئے ہوں ان لوگوں کو کسی بیماری سے جو ان پر آتی ہے تکلیف نہیں ہوتی۔ اس مسئلے میں اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

بخدا اس نے تو معتزلہ ہی کے قاعدے کو جاری کر دیا۔ اور جس نے اس گندے کی اس کی حماقت میں مخالفت کی وہ تناقض میں گھس گیا۔

شناعتِ معتزلہ

سوائے ضرار بن عبد اللہ الغطفانی الکوفی اور اس کے موافقین، مثلاً حفص الفرد و کلثوم و اصحاب کلثوم، بقیہ تمام معتزلہ نے کہا ہے کہ بندوں کے تمام افعال یعنے اُن کے حرکات و سکنات جو اقوال و اعمال و انفعال و خیالات میں ہوں، انھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا۔ پھر ان میں آپس میں اختلاف ہوا ہے۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ ان افعال کو ان کے فاعلین نے پیدا کیا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ نے۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ افعال موجود ہیں جن کا ہرگز کوئی خالق نہیں۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ طبیعت کے افعال ہیں۔ اور بلا تکلف یہی قول دہریے کا ہے۔

سوائے ضرار بن عمرو المذکور اور سوائے ابو سہل بشر بن العمیر البغدادی تاجرِ غلام کے تمام معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز کسی کافر پر

لطف و مہربانی کرنے پر قادر نہیں، جب تک کہ وہ اس طرح ایمان لائے کہ اُس کی وجہ سے جنت کا مستحق ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہم لوگوں کے ساتھ کر دیا ہے اس سے بہتر اُس کی قوت میں نہیں ہے۔ اور یہ جو کچھ اُس نے کر دیا ہے یہ اُس کی انتہائی طاقت اور وہ آخری قدرت ہے کہ اس سے زیادہ نہ اُس کے لیے ممکن ہے اور نہ وہ اُس پر قادر ہے۔

باری تعالیٰ کا یہ محض عاجز بنانا اور اُسے نقص کے ساتھ موصوف کرنا ہے۔ یہ سب کے سب جن میں سے ہم کسی ایک کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محال پر قادر نہیں۔ نہ وہ اس پر قادر ہے کہ ایک جسم کو ایک ہی حال میں معاً ساکن و متحرک کر دے۔ نہ اس پر قادر ہے کہ ایک انسان کو معاً دو مکانوں میں کر دے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خالص عاجز بنانا اور اُس کے لیے حد و انتہا کا واجب کرنا اور اُس کی قدرت کا ان چیزوں سے ختم کر دینا ہے۔

ابو الہذیل بن مکحول العلاف مولائے عبدالقیس بصری نے جو رؤسائے معتزلہ اور ان کے متقدمین میں سے ہے، کہا ہے کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اُس کا بھی آخر ہے اور اُس کی قدرت کی بھی ایک انتہا ہے، اگر وہ فعل و وجود میں آگئی تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد کسی شے پر بھی قادر نہیں، نہ وہ ایک ذرہ یا اس سے بھی کم کے پیدا کرنے پر قادر رہے، نہ وہ کسی مردہ مچھر کے زندہ کرنے پر قادر رہے، نہ وہ کسی پتے کے یا اس سے بھی کمتر کے حرکت دینے پر قادر رہے اور نہ وہ کسی شے کے کرنے پر قادر رہے۔

ضعف و ذلت و عاجزی کی یہ حالت تو ایسی ہے کہ کھٹمل۔ مینڈک اور کیڑے بھی جب تک زندہ ہیں اس سے اور اس صفت سے بالاتر ہیں۔ اور یہ خالص کفر ہے جو ذرا بھی مخفی نہیں۔

ابو الہذیل نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اہل جنت و دوزخ کی حرکات فنا ہو جائیں گی، یہاں تک کہ یہ جماد بن جائیں گے اپنے اعضا کے جنبش

دینے پر بھی قادر نہ ہوں گے اور نہ اپنے مقامات سے ہٹنے پر۔ اسی حالت میں یہ لوگ لذت یاب اور درد محسوس کرنے والے ہوں گے سوائے اس کے کہ
۱۴۷ یہ لوگ اس کے بعد نہ کھائیں گے نہ پئیں گے نہ جماع کریں گے۔

اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ کل اور آخری اور انتہائی ہے۔ اس کے سوا اللہ تعالیٰ کچھ نہیں جانتا۔ معتزلہ کی ایک جماعت نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اس نے ان تینوں آفتوں سے توبہ کر لی تھی۔

یہ صحیح نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اس کا دعویٰ محض اس لیے کیا کہ انھیں اپنے امام ضلالت کے ان خالص کفریات سے شرم آئی۔

ابوالہذیل سے یہ بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے مغایر و خلاف نہیں ہے۔ تعجب یہ ہے کہ یہ شخص ایسی زبردست پیش قدمی کے باوجود تشبیہ کا منکر ہے۔ حالانکہ یہ عین تشبیہ ہے۔ اس لیے کہ وہ یا تو مخالف و مغایر ہے یا مثل ہے یا ضد ہے۔ جب اس کا مخالف و ضد ہونا باطل ہو گیا تو وہ مثل ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے۔

ابوالہذیل کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ازل سے علیم ہے مگر وہ اس کا منکر تھا کہ یہ کہا جائے کہ اللہ ازل سے سمیع و بصیر ہے۔

یہ قرآن کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وکان اللہ سمیعا بصیرا" (اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سمیع و بصیر ہے) جیسا کہ اس نے یہ فرمایا کہ "وکان اللہ علیما حکیما" (اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علیم و حکیم ہے)۔

تمام معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے علم ہے کہ جو کافر مر گیا وہ کبھی ایمان نہ لائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی نے حکم دیا اور فرمایا کہ ابولہب اور اس کی بیوی کافر بن کے دوزخ میں داخل ہوں گے۔ اس کے بعد ان سب نے یہ فیصلہ کیا کہ ابولہب اور زوجۂ ابولہب اس پر قادر تھے کہ ایمان لاتے اور انھیں دوزخ کی آگ نہ چھوتی۔ ان دونوں کے لیے ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کر دیتے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے علم کے باطل کرنے پر اور اس کے قول میں اسے کاذب بنانے پر قادر تھے۔

یہ بغیر کسی تاویل کے ان کے اقوال کی تصریح ہے۔

ابراہیم بن سیار النظام ابو اسحاق البصری مولائے بنی بجیر بن الحارث بن عباد الضبعی معتزلہ کا بہت بڑا شیخ اور ان کے علما میں سب سے مقدم تھا، اُس نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کسی پر ظلم کرنے پر اور کسی قسم کے شر پر قادر نہیں ہے۔ لوگ ان سب امور پر قادر ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہوتا تو ہمیں کیسے اطمینان ہوتا کہ وہ ہمارے ساتھ ظلم و شر نہ کرے گا یا اُس نے نہیں کیا ہے۔ لوگ اس شخص کے نزدیک اللہ سے زیادہ کامل قدرت والے ہیں۔

وہ تصریح کیا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نہ کسی کے جہنم سے نکالنے پر قادر ہے، نہ کسی جنتی کے جنت سے، اور کسی بچے کے جہنم سے علیحدہ رکھنے پر۔ انسان و جن و ملائکہ اس پر قادر ہیں۔ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ہر کمزور سے زیادہ عاجز اور اُس کی مخلوق کا ہر فرد اُس سے زیادہ مکمل قدرت والا ہے۔ یہ وہ خالص کفر ہے جس سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

نظام و علاف مشایخ معتزلہ کا اس پر متفق ہونا عجب خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو خبر کر دی ہے وہ اس سے زیادہ بہتر و اصلح پر قادر نہیں ہے۔ یہ دونوں متفق ہیں کہ اُس کی قدرت محدود و متناہی ہے۔ اس کے بعد نظام نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ شر پر بالکل قادر نہیں۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو شر پر عدیم القدرت اور اس سے عاجز قرار دیا ہے۔ علاف نے کہا ہے کہ خدا شر پر بالکل قادر ہے۔ اس نے اپنے پروردگار کی قدرتِ خیر کو تو محدود و متناہی کر دیا اور قدرتِ شر کو غیر متناہی قرار دیا۔ آیا اس سے زیادہ خبیث صفت سُنی گئی ہے جس صفت سے علاف نے اپنے پروردگار کو موصوف کیا ہے۔ آیا موصوفین میں کوئی اُس سے زیادہ خبیث طبیعت ہوگا جس کے متعلق علاف نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اُس کا پروردگار ہے۔ ہم اللہ سے اُس چیز سے پناہ مانگتے ہیں جس میں اُس نے ان لوگوں کو مبتلا کیا۔

ابو المعتمر معمر بن عمرو العطار البصری مولائے بنی سُلیم کہ اُن کے مشایخ و آئمہ میں سے تھا کہا کرتا تھا کہ عالم میں ایسی اشیا موجود ہیں جن کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے، جن کا نہ باری تعالیٰ احاطہ کرسکتا ہے نہ کوئی اور، نہ اُس کے پاس اُن اشیا کی مقدار ہے نہ عدد۔ یہ قول اس لیے تھا کہ وہ کہتا تھا کہ اشیا اُن معانی کی وجہ سے بدلتی رہتی ہیں جو اُن میں ہیں۔ یہ معانی اُن دوسرے معانی کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں جو اُن میں ہیں۔ اور یہ معانی بھی اُن معانی کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں جو ان کے اندر ہیں، اور یہ سلسلہ بغیر کسی حد و انتہا کے ہے۔ حالانکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس قول کی کھلی ہوئی تکذیب ہے ”وکل شئی عندہ بمقدار“ (اور اس کے نزدیک ہر شے مقدار کے ساتھ ہے)۔ اور اس قول کی بھی تکذیب ہے ”واحصٰی کل شئی عددا“ (اور اُس نے عدد میں ہر شے کا احاطہ کیا ہے)۔

اس قول میں کہ اُن اشیا کا وجود ہے جن کی حد نہیں۔ دہریہ نے اس سے موافقت کی ہے۔ اسی قول پر بصرے کے معتزلہ نے معمر کو والی حکومت کے یہاں طلب کرایا مگر یہ بغداد بھاگ گیا اور ابراہیم بن السید بن شاہک لو کے یہاں چھپ کر وہیں مرگیا۔

معمر یہ بھی دعویٰ کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رنگ۔ طول۔ عرض۔ مزہ۔ بو۔ سختی۔ چکناپن۔ نیکی۔ بدی۔ قوت۔ ضعف۔ آواز۔ موت۔ حیات۔ دوبارہ زندہ ہونا۔ مرض۔ صحت۔ عافیت۔ بیماری۔ نابینائی۔ گونگاپن۔ بینائی۔ سماعت۔ گویائی۔ پھلوں کا سڑنا۔ اچھا ہونا۔ کچھ پیدا نہیں کیا۔ یہ تمام ۱۴۸
امور اُن اجسام کا فعل ہیں جن کے اندر اُن کی طبیعت کے سبب یہ اعراض پائے جائیں۔

اُس فاسق نے نصف عالم کو اللہ کی مخلوقیت سے نکال دیا ہے۔ اس لیے کہ عالم میں بجز جواہر حاملہ و اعراض محمولہ کے اور کچھ بھی نہیں۔ اُس کے نزدیک ایک نصف غیر مخلوق ہے۔ اللہ کی لعنت ہو اُن لوگوں پر جو اُس کے اس قول کی تکذیب کرتے ہیں ”خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم

احسن عملا" (اُس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تمہارا امتحان کرے کہ تم میں کون سب سے زیادہ نیکوکار ہے) معمر پر اس آیت سے اعتراض کیا گیا تو اُس نے کہا کہ اُس نے صرف یہ مراد لی ہے کہ اللہ اماتت واحیا کا خالق ہے۔

یہ بھی منقول ہے کہ وہ اس کا منکر تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کا عالم ہو۔ یہ اس لیے کہ عالم صرف اپنے غیر کو جانتا ہے۔ اپنی ذات کو نہیں جانتا۔ وہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ نفس نہ جسم ہے نہ عرض۔ نہ وہ کسی مکان میں ہے، نہ کسی چیز کے مماس ہے، نہ مباین ہے، نہ متحرک، نہ ساکن۔

خالص یہی قول بلا کسی تاویل کے اہلِ الحاد کا ہے، یعنے ان میں سے اُن لوگوں کا جو نفس کے قدیم ہونے کے اور اس کے قائل ہیں کہ یہ انسان کے بعد رہنے والا ہے۔ ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

وہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نہ اپنی ذات کا عالم ہے نہ جاہل۔ اس لیے کہ عالم معلوم کے مغایر ہوتا ہے اور یہ بھی محال ہے کہ اللہ تعالیٰ موجودات پر قادر ہو یا اُن کا عالم یا اُن کا جاہل ہو۔

ابو العباس عبد اللہ بن محمد الانباری نے جس کا عرف الناشی اور لقب شرسیر تھا اپنی کتاب فی المقالات" میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ (جو اس کے کفر سے بلند و برتر ہے) اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ انسان کی انگلیوں کی پوریں درست کر دے۔ بعد اس کے کہ یہ پہلے سے اُس کے علم میں ہو کہ وہ انھیں درست نہ کرے گا۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تکذیب ہے "ایحسب الانسان ان لن نجمع عظامہ۔ بلی قادرین علی ان نسوّی بنانہ" (کیا انسان کا یہ خیال ہے کہ ہم اُس کی ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے۔ کیوں نہیں۔ ہم اس پر قادر ہیں کہ اُس کی پوریں درست کر دیں)۔

میں نے جاحظ کی کتاب البرہان میں دیکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اُس سے یہ دریافت کرے کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس دنیا سے پہلے ایک دوسری دنیا پیدا کر سکتا۔ جاحظ کا جواب یہ ہے کہ ہاں۔ اس معنے میں

قادر ہے کہ وہ اسی دنیا کو اُس وقت پیدا کر دیتا جس وقت وہ اُس کو پیدا کرتا۔ اور وہ اسی کے مثل ہوتی۔

یہ اُس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کو عاجز ماننا ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا سے پہلے اس کے پیدا کرنے کی بجز اُس کے قدرت حاصل نہیں جو اس شخص نے بیان کی۔ دوسرے طریقے پر ممکن نہیں۔

اگر کہا جائے کہ تم کیا جواب دو گے تو ہم کہیں گے کہ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہاں، علی الاطلاق وہ قادر ہے۔

اگر کہا جائے کہ یہ سوال کیسے صحیح ہو گا۔ حالانکہ تم کہتے ہو کہ یہ کہنا جائز نہیں کہ عالم سے پہلے کچھ تھا۔ اس لیے کہ قبل و بعد زمانہ ہے اور اُس وقت زمانہ تھا ہی نہیں۔ ہم کہیں گے کہ ہمارے "ہاں" کہنے کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے عالم کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اگر وہ اُسے پیدا کر دیتا تو اس کے لیے اس عالم سے پہلے زمانہ ہو جاتا۔ اور اسی طرح ہمیشہ۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

ضرار بن عمرو کہا کرتا تھا کہ روئے زمین پر جتنے لوگ بظاہر مسلمان ہیں اور اپنے اسلام کو ظاہر کرتے ہیں، ممکن ہے کہ وہ سب کے سب اپنے باطن میں کافر ہوں۔ اس لیے کہ یہ تمام امور ہر شخص کے لیے اس کی ذات کے اعتبار سے ممکن ہیں۔

ضرار کی حماقتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اجسام اعراض ہیں کہ جمع ہو گئے ہیں۔ آگ میں گرمی نہیں اور برف میں سردی نہیں ہے۔ نہ شہد میں مٹھاس ہے اور نہ ایلوے میں تلخی، نہ انگور میں عرق ہے نہ زیتون میں تیل اور نہ رگوں میں خون۔ یہ جو کچھ ہوتا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ محض کاٹنے، چکھنے، نچوڑنے اور چھونے کے وقت پیدا کر دیتا ہے۔

ابو عثمان عمرو بن الجاحظ الفقری الکنانی (خواہ نسب سے یا آزاد کردہ غلام ہونے کی وجہ سے قبیلہ کنانہ سے تعلق رکھتا تھا) یہ نظام کا شاگرد اور معتزلہ کے مشایخ میں سے تھا، یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے

فنا کرنے پر قطعاً قادر نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ اُنھیں رقیق کر دے گا اور اُن کے اجزا کو متفرق کر دے گا۔ اُن کے فنا و معدوم کرنے پر وہ ہرگز قادر نہیں۔ ابو معمر و ثمامہ بن اشرس النمیری بصری سے جو معتزلہ کے مشایخ و علما میں سے تھا، منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو اپنی طبیعت کے فعل سے پیدا کیا۔ (اللہ تعالیٰ اس بدترین کفر سے بیحد بلند و برتر ہے) دعویٰ کرتا تھا کہ یہود و نصاریٰ و مجوس و مشرکین کے مقلدین قیامت میں دوزخ میں نہ جائیں گے بلکہ یہ لوگ خاک کر دیے جائیں گے۔ خالص اہل اسلام واہل ایمان میں سے جو شخص عبادت میں کوشش کرتا ہو وہ اگر گناہ کبیرہ برابر کرتے کرتے مر جائے، مثلاً شراب خواری وغیرہ، چاہے عمر بھر میں ایک ہی مرتبہ کی ہو، تو اُسے دوزخ کے طبقوں میں فرعون و ابولہب و ابوجہل کے ساتھ ہمیشہ رکھا جائے گا۔ ۱۴۹

اس شخص کے قول سے زیادہ تعجب خیز کفر کس کا ہوگا جو یہ کہے کہ بہت سے کافر دوزخ میں نہ جائیں گے اور بہت سے مسلمان جنت میں نہ جائیں گے۔

ثمامہ کہتا تھا کہ ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے وہ سب بچے جو قبل بلوغ مرتے ہیں اور اسلام کے تمام مجنون جنت میں کبھی نہ داخل ہوں گے البتہ خاک کر دیے جائیں گے۔

ہشام بن عمرو الفوطی جو معتزلہ کا ایک شیخ تھا کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب ایک شے پیدا کر دیتا ہے تو اُس کے مثل پیدا کرنے پر کبھی قادر نہیں ہو سکتا، لیکن اس پر قادر رہے کہ وہ اور پیدا کر دے اُس کے نزدیک دو غیر آپس میں مثل نہیں ہوتے۔ وہ کسی کے لیے ''حسبنا اللہ ونعم الوکیل'' (اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ کیسا اچھا کارساز ہے) کہنا جایز نہیں رکھتا تھا۔ نہ یہ جایز سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کفار پر آگ کا عذاب کرے گا۔ نہ یہ کہ وہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے۔ اس قول کو کہ ''اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے'' گمراہی و الحاد سمجھتا تھا۔

حالانکہ یہ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ پر رد ہے۔ کہتا تھا کہ ان میں سے کوئی چیز کہنا جائز نہیں بجز تلاوت قرآن کے وقت کے۔

کہتا تھا کہ یہ کہا کرو کہ "حسبنا اللہ ونعم المتوکل علیہ" (اللہ ہمیں کافی ہے اور بڑا اچھا ہے جس پر بھروسہ کیا جائے)۔

کہتا تھا کہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کفار کو آگ میں عذاب کرے گا۔ بارش نازل ہونے کے وقت وہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ اس قول کو جائز نہیں رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ نہ یہ کہ قرآن نے کفار کو نابینا کر دیا۔

کہتا تھا کہ جو شخص اس وقت مومن و عابد ہے، مگر اللہ کے علم میں یہ ہے کہ وہ کافر مرے گا، تو وہ اب بھی اللہ کے نزدیک کافر ہے۔ جو اس وقت کافر و مجوسی یا نصرانی و یہودی یا زندیق ہے مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ وہ مومن مرے گا، تو وہ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے۔

عباد بن سلیمان شاگرد ہشام الفوطی مذکور یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ جو نیکی و بہتری کر چکا اس کے خلاف پر قادر نہیں، نہ یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو پیدا کیا اور نہ یہ کہ اس نے کفار کو پیدا کیا۔ کہنا یہ چاہیے کہ اس نے آدمیوں کو پیدا کیا۔ یہ دعویٰ اس لیے ہے کہ اس کے نزدیک مومن و انسان و ایمان ہے اور کافر انسان و کفر ہے۔ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے صرف انسان کو پیدا کیا ہے، کفر و ایمان کو پیدا نہیں کیا ہے۔

کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کر دیا اس کے خلاف کے پیدا کرنے پر قادر نہیں جو اس نے پیدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ بھوک پیدا کی اور نہ قحط۔ یہ سب کے سب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ان کے حالت کفر میں ایمان لانے کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ اس نے مومنین کو ان کی حالتِ ایمان میں کبھی کفر سے منع کیا۔ اس لیے کہ کوئی بھی دو متضاد افعال کے جمع کرنے پر قادر نہیں۔

یہ لوگ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اسے جانتا ہے

جو اپنے کفر کے بعد ایمان لائے گا اور وہ اپنے ایمان لانے تک برابر اپنے کفر میں رہے گا۔ وہ اُسے بھی جانتا ہے جو اپنے ایمان کے بعد کفر کرے گا پھر تاوقتیکہ کفر نہ کرے برابر ایمان ہی میں رہے گا۔ اور وہ اُسے بھی ازل سے جانتا ہے جو کافر کبھی ایمان نہ لائے گا مرتے دم تک کفر میں رہے گا وہ جانتا ہے کہ جو مومن کفر نہ کرے گا، اپنے مرنے تک برابر ایمان میں رہے گا۔ مامورین و مکلفین میں سے کوئی بھی ان چار میں سے کسی ایک وجہ سے نکل نہیں سکتا جب ان کے نزدیک ہرگز کسی کافر کو اُس کے کفر کی حالت میں ایمان کا حکم نہیں دیا گیا، اور نہ کبھی کسی مومن کو اُس کی حالتِ ایمان میں کفر سے منع کیا گیا۔ تو جو شخص اپنے مرنے تک برابر مومن رہے گا اللہ تعالیٰ نے اُسے ہرگز کفر سے منع نہیں کیا۔ اور جو شخص اپنے مرنے تک برابر کافر رہے گا تو اللہ تعالیٰ نے ہرگز اُسے ایمان کا حکم نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہرگز اُسے ایمان کا حکم نہیں دیا جو اپنے کفر کے بعد ایمان لایا بجز اُس وقت کے جس وقت کہ وہ ایمان لایا۔ نہ اُس نے کبھی اُس شخص کو اُس کے کفر سے منع کیا جو اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گیا، بجز اُس وقت کے جب اُس نے کفر کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جو کفار و اہل کتاب کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے اور مومنین کو کفر سے منع کیا ہے اس امر و نہی میں یہ اُس کی خالص تکذیب ہے۔

بشر بن المعتمر یہ بھی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نہ رنگ پیدا کیا نہ مزہ، نہ بو، نہ حس، نہ شدت، نہ ضعف، نہ بینائی، نہ نابینائی، نہ بصارت، نہ سماعت، نہ بہرا پن، نہ بزدلی، نہ بہادری، نہ شکست، نہ عاجزی، نہ صحت، نہ مرض،
۱۵۰ یہ تمام اُمور صرف انسان ہی کرتے ہیں۔

جعفر القصبی (یعنے بانس کا سوداگر) اور اشج کہ دونوں روسائے معتزلہ میں سے تھے کہا کرتے تھے کہ قرآن وہ نہیں ہے جو ان اوراق اور مصاحف میں ہے۔ مصاحف میں تو ایک دوسری ہی چیز ہے اور وہ قرآن کی حکایت و نقل ہے۔

یہ خالص کفر اور تمام قدیم و جدید اہل اسلام کے خلاف ہے۔

علی الاسواری جو معتزلہ کا ایک شیخ تھا کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ

کر دیا اس کے علاوہ پر قادر نہیں جس کو اللہ یہ جانتا ہے کہ وہ اسی برس کا ہو کے مرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں کہ اسے اس کے قبل موت دیدے۔ نہ اسے اس کے بعد پلک جھپکنے کے برابر بھی زندہ رکھ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ مثلاً وہ پنجشنبہ کو زوال کے وقت بیمار ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں کہ اسے اس کے قبل تندرست کردے نہ اس کے قریب نہ اس سے دور۔ اور نہ پلک جھپکنے کے برابر یا اس سے بھی کم اس کی بیماری بڑھا سکتا ہے۔ انسان ہر وقت اس پر قادر ہیں کہ اسے مار ڈالیں جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ فلاں وقت ہی مرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں۔ یہ کفر ہے اور اس سے زیادہ خوفناک کفر کبھی سننے میں نہیں آیا۔

ابو غفار جو معتزلہ کا ایک شیخ تھا یہ دعوئی کرتا تھا کہ سور کی چربی اور مغز حلال ہے یہ بھی صریح کفر ہے جو ذرا بھی مخفی نہیں۔

یہ بھی دعوئی کرتا تھا کہ مردوں کو جلق لگانا حلال ہے۔ ثمامہ سے بھی یہی منقول ہے۔ حالانکہ یہ سب محض کفر ہے۔

احمد بن خابط بصری وفضل الحربی بصری جو ابراہیم النظام کے شاگرد تھے، یہ دعوئی کرتے تھے کہ عالم کے دو خالق ہیں۔ ایک قدیم اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور دوسرا حادث اور وہ کلمۃ اللہ مسیح بن مریمؑ ہیں جن کی وجہ سے عالم پیدا کیا گیا۔ یہ دونوں ملعون، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نکاح کرنے کی وجہ سے اعتراض کیا کرتے تھے کہ ابو ذرؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ زاہد تھے۔

احمد بن خابط دعوئی کرتا تھا کہ قیامت کے روز جو شخص صف بہ صف ملائکہ کے ساتھ ابر کے سایے میں آئے گا وہ مسیح عیسیٰؑ بن مریم علیہ السلام ہوں گے جس ذات نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا وہ مسیح عیسیٰؑ بن مریم علیہ السلام ہی ہیں۔ مسیحؑ ہی وہ شخص ہیں جو قیامت میں لوگوں سے حساب لیں گے۔

یہ ملعون کہتا تھا کہ تمام پرندوں اور مچھلیوں کی انواع میں اور خشکی کے جانوروں میں یہاں تک کہ کھٹمل۔ مینڈک۔ جوں۔ بندر۔ کتے۔ چوہے۔ بکرے۔ گدھے۔ کیڑے۔ بھونرے اور چھپکلیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے

انبیا ہیں جو انواع مذکورۂ بالا میں سے اپنی اپنی انواع کو اللہ تعالیٰ کا پیام پہنچاتے ہیں۔

تناسخ در جوع کا و تکرار خلقت کا بھی قائل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی ابتدا کی تو سب کو ایک ہی صفت پر پیدا کیا پھر انھیں کوئی امر کیا اور کچھ نہی کی۔ ان میں سے جس نے نافرمانی کی اُس کی روح چوپائے کے جسم میں بدل دی گئی۔ جو زیادہ کھانے والے تھے وہ سخت محنت میں مبتلا کیے گئے، مثلاً بکری۔ اونٹ۔ گائے۔ مرغی۔ بینڈک وغیرہ۔ جو اکثر قتل کر دیے جاتے ہیں۔ خواہ اپنے فسق و قتل میں انسان کے بالمقابل عفیف ہوں اُن کو زور و طاقت کے ذریعے سزا دی گئی مثلاً بینڈھا چڑیا۔ بکرا۔ وغیرہ۔ جو زانی یا زانیہ ہوا اسے جماع سے باز رہنے کی سزا دی گئی مثلاً خچر کے نر و مادہ کو۔ جبر و تکبر کرنے والا جو تھا اُسے ذلت و کمزوری کی سزا دی گئی مثلاً کیڑے۔ جوں۔ اسی طرح برابر اُن سے بدلہ لیا جاتا رہے گا۔ پھر واپس کیے جائیں گے پھر اُن میں سے جو نافرمانی کرے گا اُسے اسی طرح دوبارہ کیا جائے گا اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ وہ ایسی طاعت کرے جس کے ساتھ کوئی معصیت نہ ہو۔ اُس وقت اُسے جنت میں منتقل کر دیا جائے گا۔ یا کوئی ایسی معصیت کرے جس کے ساتھ کوئی طاعت نہ ہو تو اسے جہنم میں منتقل کر دیا جائے گا۔ ابن حابط کو اُس عقیدے پر صرف اس امر نے آمادہ کیا کہ اس نے معتزلہ کے عدل والے قاعدے کو اختیار کر لیا اور اُسے جاری کیا اور اُسی کے ساتھ چلا۔

معتزلہ میں سے جو اس قول کا معتقد نہیں ہے وہ تناقض و اختلاف بیانی کا مرتکب اور ان کے قاعدۂ عدل کا تارک ہے۔ ملعون یہ بھی کہتا تھا کہ ثواب کے بھی دو مقام ہیں، ایک وہ ہے جس میں خور و نوش نہ ہوگا، اور یہ دوسرے مقام سے مرتبہ و قدر میں بہت بلند ہے۔ دوسرا مقام وہ ہے جس میں خور و نوش ہوگا، اور یہ مرتبے میں ناقص ہوگا۔

یہ سب خالص کفر ہے۔

کافر احمد بن خابط کا ایک شاگرد تھا جو اسی کے مذہب پر تھا، اس کا نام احمد بن سابوس تھا۔ تناسخ میں یہ بھی اپنے معلم کے عقیدے کا قائل تھا، اس کے بعد اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور کہتا تھا کہ آیت "مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد" سے (یعنے مسیح نے کہا کہ میں ایک ایسے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیں گے۔ اُن کا نام احمد ہے)۔ مراد وہی (احمد بن سابوس) ہے۔

۱۵۱ محمد بن عبد اللہ بن مرہ بن نجیح الاندلسی مسئلہ قدر میں معتزلہ کے موافق تھا اور کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت یہ دونوں صفتیں حادث و مخلوق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دو علم ہیں جن میں سے ایک کو اُس نے بالکل پیدا کیا ہے اور وہی علم کتاب و علم غیب ہے۔ جیسے اُس کا یہ علم کہ کفار و مومنین و قیامت وجزا اور اسی قسم کے امور ہوں گے۔ دوسرا علم جزئیات ہے۔ یہ علم شہادت (موجود چیزوں کا علم) ہے، مثلاً زید کا کفر اور عمرو کا ایمان، تاوقتیکہ یہ امور ہو نہ جائیں اللہ تعالیٰ اس میں سے کچھ نہیں جانتا۔ اس نے یہ آیت بیان کی ہے "عالم الغیب والشھادۃ" (اللہ تعالیٰ غیب و شہادت کا عالم ہے)۔

یہ آیت ایسی نہیں ہے جیسا اس نے گمان کیا بلکہ اپنے ظاہر پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے جو کچھ تم کرو گے اگرچہ مخفی رکھو۔ اور اسے بھی جانتا ہے جو تم سے غایب ہے اور وہ ہو چکا، یا ہوگا، یا ہے۔

اُسے اس قول پر محض اس امر نے آمادہ کیا کہ اُس نے پورے طور پر اصول معتزلہ کو جاری کر دیا۔ ان میں سے جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ فلاں شخص کبھی ایمان نہ لائے گا اور فلاں شخص کبھی کفر نہ کرے گا۔ اس کے بعد اُس نے لوگوں کو اپنے پروردگار کے کلام کی تکذیب پر اور ازلی علم کے باطل کرنے پر قادر قرار دیا۔ یہ کھلا ہوا تناقض ہے جو ذرا بھی مخفی نہیں۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

اس کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت تھی جو اس کی تکفیر کیا کرتی تھی

جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اُس کے ہونے سے پہلے ازل سے جانتا ہے۔
اس کے اہل مذاہب میں سے ایک شخص تھا جس کا نام اسماعیل بن عبد اللہ الرعینی تھا جو اس وقت سب سے متاخر تھا اور نہایت عبادت گذار اور بڑا زاہد تھا، میں نے اُس کا زمانہ پایا ہے مگر میری اُس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اُس نے سات اقوال ایجاد کیے جن کی بنا پر علاقہ "المریہ" کے سب لوگ اُس سے بیزار ہو گئے اور اس کی تکفیر کی۔ بجز اُن لوگوں کے جو اس کے پیرو تھے۔

جو اقوال ایجاد کیے اُن میں سے ایک اُس کا یہ قول تھا کہ اجسام کبھی نہ اُٹھائے جائیں گے۔ صرف ارواح اُٹھائی جائیں گی۔ یہ قول ہمارے نزدیک اُس سے ثابت ہے۔ اور اس سے منقول ہے کہ انسان کی موت کے وقت اور اُس کی روح کے اُس کے بدن سے جدا ہونے کے وقت روح کو حساب سے سابقہ پڑتا ہے اور وہ جنت یا دوزخ میں چلی جاتی ہے۔ وہ صرف اسی طریقے پر بعث و حشر اور دوبارہ زندگی کو مانتا تھا۔

کہتا تھا کہ عالم کبھی فنا نہ ہو گا بلکہ بغیر کسی حد و انتہا کے یہی حال جاری رہے گا۔ مجھ سے فقیہ ابو احمد المعارفی الطلیطلی نے جو ہمارے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے ذکر میں بہتری کرے۔ کہا کہ مجھے یحیی بن احمد طبیب نے خبر دی۔ اور یہ اسماعیل الرعینی مذکور کا نواسا تھا۔ کہ میرا نانا کہا کرتا تھا کہ عرش ہی مُدبّرِ عالم ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بزرگ و برتر ہے کہ اُسے کسی شے کے کرنے سے موصوف کیا جائے۔ یہی قول محمد بن عبد اللہ بن مسرۃ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور اُن کی کتابوں کے چند الفاظ سے اس پر استدلال کیا جاتا تھا۔ میری جان کی قسم ان الفاظ میں اس قول پر کوئی دلیل نہیں۔ وہ تمام المریہ نے کہا کرتا تھا کہ اس شیخ کو تم لوگ ہرگز نہ سمجھو گے۔ تو اس قول پر باشندگان المریہ بھی اُس سے بیزار ہو گئے۔ احمد طبیب بھی جو اس کا داماد تھا انھیں میں تھا جو اس سے بیزار ہو گئے تھے۔ اُس کی بیٹی

انھی اقوال پر قایم رہی جو اپنے والد کی پیروا ور اپنے شوہر اور بیٹے کی مخالف رہی۔ یہ متکلمہ اور عبادت گذار مجاہدہ کرنے والی تھی۔ ابن نے اس قول پر ابو ہارون بن اسماعیل الرعینی سے موافقت کی اور ملی۔ تو اُس نے اس کو براجانا اوراس کے کہنے والے سے بیزار ہو گیا۔ اس کے بھتیجے نے اس کے باپ سے جو کچھ نقل کیا تھا اس میں اُس نے اُس کی تکذیب کی۔

المریہ میں جو اس کے مخالفین تھے وہ بھی، اور بہت سے اس کے موافقین بھی اس کی طرف یہ قول منسوب کرتے تھے کہ نبوت حاصل کی جا سکتی ہے۔ جو انتہائی نیکی و طہارت نفس کو پہنچ جائے وہ نبوت پا سکتا ہے۔ نبوت کوئی مخصوص چیز نہیں ہے۔ ہم نے ان میں سے بعض ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو یہی قول ابن مرہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اوراس کی کتابوں کے بہت سے الفاظ سے اس پر استدلال کرتے تھے جو میری جان کی قسم ضرور اس قول کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ہم نے ان کے بقیہ لوگوں کو اس قول سے انکار کرتے دیکھا ہے۔ اور اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

میں نے اسماعیل الرعینی مذکور کے بعض اصحاب کو دیکھا ہے جو اُس کی صفت یہ بیان کرتے تھے کہ وہ پرندوں کی بولی سمجھتا تھا اور ہونے سے پہلے جن باتوں کی پیشین گوئی کرتا تھا وہ ہو جاتی تھیں۔ لیکن جو بات غیر مشکوک ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے فرقے کے نزدیک امام تھا جس کی اطاعت واجب تھی۔ اُسی کو یہ لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔ اُس کا مذہب یہ تھا کہ حرام تمام زمین پر عام ہے۔ اورانسان جو کچھ صنعت و تجارت یا میراث سے حاصل کرتا ہے اُس میں اور جو کچھ مہربانی سے حاصل کرتا ہے اُس میں کوئی فرق نہیں۔ مسلمان کے لیے اس میں سے جو چیز حلال ہے وہ اُس کی غذا ہے خواہ وہ اُسے کسی طرح بھی حاصل کرے۔ یہ امر ہمارے نزدیک یقیناً اُس سے ثابت ہے۔

ہمیں بعض ایسے لوگوں نے خبر دی جو اس کے اندرونی حال سے واقف تھے کہ وہ اندلس کو دارالکفر سمجھتا تھا جس میں بجز اُس کے ساتھیوں کے

سب کے جان و مال حلال تھے۔

ہمارے نزدیک یہ بھی اُس سے ثابت ہے کہ وہ عقد متعہ کا قائل تھا۔ اس سے نہ اُس کے ایمان میں کوئی عیب آتا ہے اور نہ اُس کی ۱۵۲ عدالت میں۔ اگر اُس نے اسے اجتہاد سے کہا ہو اور اُس کے نزدیک اس کے منسوخ ہونے پر حجت قائم نہ ہو بشرطیکہ اُن خالص کفریات سے بچے جو ہم نے بیان کیں۔

ہم نے اُس کے متعلق جو کچھ بیان کیا محض اس لیے بیان کیا کہ اس کا تذکرہ جاری ہے اور آج یہ قول عجیب و غریب ہے اور بہت کم لوگ اس کے قائل ہیں۔

میں نے ابو ہاشم بن عبدالسلام بن محمد عبدالوہاب الجبائی کو جو معتزلہ کا بڑا آدمی اور معتزلہ کے بڑے آدمی کا بیٹا تھا، دیکھا کہ وہ یقین رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے احوال ہیں جو اُسی کے ساتھ خاص ہیں۔ حالانکہ یہ بہت ہی بڑی بات ہے اس لیے کہ اُس نے اللہ کو حامل اعراض بنا دیا۔ اللہ اس تہمت سے برتر ہے۔ میں نے کثرت سے اُس کی کتابوں میں اُسے یہ فیصلہ کرتے دیکھا ہے کہ وہ بار بار یہ قول دہراتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ ہر چیز میں جس کا اُس نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اُن کی دقتیں زائل کرے۔ وہ اپنی کتابوں میں برابر کہتا رہتا ہے کہ فلاں امر ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔

یہ وہ کلام ہے جس سے مومن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ پر اس کا موجب یعنی واجب کرنے والا، اللہ کو اس کا حکم دینے والا اور اُس کے لیے لازم کرنے والا کون ہے جس کے لزوم کو اور باری تعالیٰ پر وجوب کو اس کمینے نے بیان کیا ہے اس پر تعجب ہے جو یہ کہے کہ فعل ہی نے اس کو اللہ تعالیٰ پر واجب کیا، یا وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور چیز بیان کرے تو اُسے اس کی بھی ضرور ضرور تصریح کرنا چاہیے کہ وہ اُس کا فرمانبردار ہے جس نے اُس پر اسے واجب کیا، اور وہ اُس کا

محکوم اور زیر تدبیر (مُدبّر) ہے۔ حالانکہ یہ صریح کفر ہے۔
اگر وہ کہے کہ اُسے خود اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے اوپر واجب کیا۔ تو ایجاب بلاشک فاعل کا فعل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ازل سے اس کا اپنے اوپر واجب کرنے والا ہے تو وہ ازل سے فاعل ہے۔ پھر افعال بھی قدیم ہیں اور ضرور ازلی ہیں۔ اور یہ خالص دہریت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پہلے ان کا اپنے اوپر واجب کرنے والا نہ تھا، اس کے بعد اُس نے انھیں اپنے اوپر واجب کر لیا، تو اس قول سے اُس کا اپنے قاعدۂ فاسد میں نفع اُٹھانا باطل ہو گیا اس لیے کہ جو کچھ اس نے بیان کیا وہ اللہ تعالیٰ پر واجب نہ رہا۔
میں نے بعض معتزلہ کا ایک سوال دیکھا ہے جس کو اُس نے ابو ہاشم مذکور سے دریافت کیا ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ اُن لوگوں کی شان کیا ہے جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے داعی اسلام بنا کر یمن و بحرین و عمان اور بقیہ شہروں میں اور بادشاہوں کے پاس بھیجا۔ ہر وہ شخص جو قیامت تک اس قسم کی بات کی دعوت دے گا اُس کا نام رسول اللہ نہیں رکھا جاتا جیسا کہ محمد علیہ السلام کا نام رکھا جاتا ہے۔ کیوں کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے نے دعوت اسلام کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ ایک ہی بات اور ایک ہی عمل ہے۔
اس پر تعجب کرو کہ اس ملعون فرقے سے شیطان کس طرح کھیل رہا ہے۔ اور اللہ سے پناہ مانگو کہ وہ تمھیں تمھارے نفوس کے حوالے نہ کر دے۔ مگر جس کا دین یہ ہو کہ اُس کا پروردگار نہ اُسے ہدایت کرنے پر قادر ہے نہ گمراہ کرنے پر، تو وہ اسی کا مستحق ہے کہ شیطان اُس پر ایسا ہی قابو پائے۔ میری جان کی قسم۔ یہ سوال تو خود معتزلہ ہی کے اس قاعدے پر لازم آتا ہے جو ان کا گمراہ کرنے والا ہے اور اُسے لازم آتا ہے جو اس قاعدے کا پابند ہو۔ یہ قاعدہ ان سب کو جہنم میں گرانے والا ہے۔
وہ قاعدہ ان کا یہ قول ہے کہ نام رکھنا (تسمیہ) ہمارے سپرد ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے۔ میں نے اس کافر کا ایک کلام دیکھا ہے جس میں

اس نے بزعم خود اُس شخص کا رد کیا ہے جو یہ کہے کہ کسی کو اس کا حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بجز اُس کے کوئی نام رکھے جو اُس نے خود اپنا نام رکھا ہے۔ اس کمینے نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہوتا اور کسی کو بجز اُس کے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا نام رکھا کوئی اور نام رکھنا جایز نہ ہوتا تو بلا شک اللہ تعالیٰ کو بھی اپنا کوئی نام رکھنا جایز نہ ہوتا تاوقتیکہ وہی نام کسی اور کا نہ رکھ دے۔

کیا کوئی صفراوی مزاج والا اس سے بدتر استدلال لائے گا۔ کیا نام رکھنے میں اس سے کچھ زیادہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کردے اُس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ پلک جھپکنے بھر بھی ہمیں ہمارے نفوس کے حوالے کرے اور ہم ہلاک ہوں۔

ابو ہاشم یہ بھی کہتا تھا کہ اگر نیکو کار مسلم کی عمر دراز ہو تو ممکن ہے کہ وہ خیر و حسنات کے عمل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بڑھ جائے۔

واللہ۔ نہیں بڑھ سکتا۔ اور نہ اس کہنے والے کی کوئی عزت ہے۔ اگر ہم میں سے کسی کو بہم طاعات و عبادات میں دوامی عمر دیدی جائے تو وہ کسی ایسے صحابیؓ کے ایک عمل کے برابر بھی نہ ہوگا جو ایک گھڑی بھر بھی یا اس سے بھی کم نہ منافق رہا ہوا ورنہ علانیہ کفر کرنے والا۔ اس کے باوجود۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر ہم میں سے کسی کے پاس کوہ اُحد کے برابر سونا ہوا ور وہ اُسے فی سبیل اللہ خرچ کردے تو صحابہؓ کے سیر آدھ سیر جو کے برابر بھی نہ پہنچے گا۔ پھر کوئی صاحب عقل کہاں یہ امید کرسکتا ہے کہ صحابہؓ میں سے کسی کے مرتبے کو پاسکے گا۔ چہ جائیکہ یہ قول جس کا ادراک بھی قطعاً نا ممکن ہے۔

ابو ہاشم مذکور کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی کسی ایک گناہ سے جس کا وہ ارتکاب کرے توبہ قبول نہیں کرتا خواہ وہ کوئی سا بھی گناہ ہو۔ تاوقتیکہ وہ تمام گناہوں سے توبہ نہ کرے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ جس قاعدے پر تمام معتزلہ نے اتفاق کرلیا ہے، رد ہوگیا، جو یہ ہے کہ انھوں نے آدمی کو ایک گناہ کی وجہ سے جس کا وہ ارتکاب کرے اور اُس پر اصرار کرے اُسے اسلام سے خارج کردیا ہے اور صرف اسی ایک گناہ کی وجہ سے اس پر دائمی عذاب جہنم کو واجب کردیا ہے۔ ۱۵۴

اگر ایسا ہوتا تو ابو ہاشم ضرور سچا ہوتا، کیوں کہ معتزلہ کے نزدیک ابو ہاشم کی اپنے سب گناہ ترک کرنے میں کوئی منفعت نہیں۔ وہ ایک ہی گناہ سے جس پر وہ اصرار کرے ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور دوزخ کے طبقوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے رکھا جاتا ہے۔ اس کے اس قول پر معتزلہ میں سے وہی شخص اعتراض کر سکتا ہے جو ان کے اصول سے جاہل ہو یا تناقض کا قصد رکھتا ہو۔

وہ کہتا تھا کہ عمداً تارک نماز و تارک زکوٰۃ جس نے اور کچھ نہیں کیا، نہ گناہ کیا نہ نافرمانی کی، وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ کے طبقوں میں رکھا جائے گا، بغیر کسی فعل کے جو اس نے کیا ہو اور بغیر کسی شے کے جس کا اس نے ارتکاب کیا ہو۔

آیا ان کے اصول کے مطابق اللہ تعالیٰ کو ظالم بنانے والا اور علانیہ اسلام کی مخالفت کرنے والا اس بیہودہ قول سے زیادہ بھی کوئی ہوگا۔ اس قول پر جس چیز نے اسے آمادہ کیا وہ اس کا یہ قول ہے کہ "ترک فعل فعل نہیں ہے۔"

سوائے ہشام بن عمرو الفوطی کے تمام معتزلہ کا یہ دعویٰ ہے کہ معدومات بھی درحقیقت اشیا ہیں۔ وہ ازلی ہیں اور ان کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔

بغیر کسی توقف کے یہی دہریت ہے۔ وہ اشیا جن کی حد و انتہا نہ ہو اور ازلی ہوں وہ غیر مخلوق ہیں۔ عبدالرحیم بن محمد بن عثمان الخیاط جو بغداد میں اکابر معتزلہ میں سے تھا، ان لوگوں میں تھا جو کہتے تھے کہ اجسام معدومہ ازل سے اجسام ہیں جن کی نہ عدد میں حد و انتہا ہے نہ زمانے میں اور وہ غیر مخلوق ہیں۔

ابو محمد عبداللہ الاسکافی رئیس معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے طنبورہ۔ سارنگی۔ ستار (باجے) پیدا نہیں کیے۔

اس کفر کا تکملہ یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب۔ سور اور سرکش شیاطین کو پیدا نہیں کیا۔

سوائے بشر بن المعتمر وضرار بن عمرو کے بقیہ تمام معتزلہ کا قول ہے کہ کسی کو شہادت کی تمنا کرنا اور اس کا قصد کرنا اور اس سے خوش ہونا جائز نہیں، اس لیے کہ شہادت مسلمان پر کافر کے غالب کرنے سے ہوتی ہے۔ اور مسلمان پر صرف یہ واجب ہے کہ جب اسے زخم لگے تو اس پر صبر کرنے کو پسند کرے۔

یہ دین اسلام و قرآن و احادیث و اجماع یقینی کے خلاف ہے۔ سوائے ضرار و بشر کے تمام معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی رسولؑ۔ نبیؑ۔ صحابیؓ۔ اور امہات المومنین کو یہ سمجھ کر موت نہیں دی کہ اگر یہ زندہ رہیں گے تو خیر کریں گے۔ بلکہ ان میں سے جس کو بھی موت دی یہ جان کر موت دی کہ اگر وہ ان میں سے کسی کو پلک جھپکنے بھر بھی زندہ رکھے گا تو یہ ضرور کفر کرے گا یا فسق کرے گا۔ لامحالہ ان کا یہی قول ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و عائشہؓ و خدیجہؓ کے بارے میں بھی ہوگا۔ ہاں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و موسیٰؑ و عیسیٰؑ و ابراہیم علیہم السلام کے بارے میں بھی ہوگا۔ لہذا ان وحشت ناک گمراہیوں سے تعجب کرنا چاہیے۔

جعد جو مشایخ معتزلہ میں سے تھا، کہتا تھا کہ جب جماع سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اپنے بیٹے کے ہیں وہ ! غ و مدبر و فاعل ہوئے۔ میرے سوا اس کا کوئی فاعل نہیں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسے اللہ نے پیدا کیا تو یہ مجازاً کہا جاتا ہے نہ کہ حقیقۃً۔

ابو علی محمد بن عبد الوہاب الجبائی نے کفر کا دوسرا کنارہ پکڑ لیا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حمل و موت کو پیدا کیا، جس نے جو کچھ کیا وہ اللہ ہی کی طرف منسوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی عورتوں کا حاملہ کرنے والا ہے اور اسی نے مریمؑ بنت عمران کو حاملہ کیا۔

لامحالہ لازم آتا ہے کہ جب ہماری اولاد اللہ کی مخلوق ہے تو یہ شخص ان کو اللہ ہی کی طرف منسوب کرے اور کہے کہ یہ سب اللہ کے

بیٹے ہیں ۔ اور مسیح اللہ کے بیٹے ہیں ۔
ابو عمرو احمد بن موسیٰ بن حدیر صاحب السکہ نے جو مشایخ معتزلہ میں سے ہے، اپنے بعض اُن رسایل میں کہا ہے جو اس کے اور قاضی منذر بن سعید رحمہ اللہ کے درمیان مراسلت میں آئے تھے کہ اللہ تعالیٰ عاقل ہے ۔ اس نے اللہ پر اس اسم کا اطلاق کیا ہے ۔

بعض مشایخ معتزلہ نے کہا ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ اُس کے قلب پر جما دی جاتی ہے جس سے نہ اُس کے لیے کوئی امر رہتا ہے نہ نہی ۔

۱۵۴ ابو الہذیل العلاف نے کہا ہے کہ جو پانچ درہم چُرائے یا اُس کی قیمت تو وہ فاسق اور خارج از اسلام ہے اور ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھا جائے گا ۔ بجز اس کے کہ توبہ کرے ۔ بشر بن المعتمر نے کہا ہے کہ جس نے ایک حبہ کم دس درہم چُرائے نہ اُس پر کوئی گناہ ہے نہ عذاب ۔ اگر دس درہم پورے چُرائے تو اسلام سے خارج ہو گیا اور اُس پر دوامی عذاب واجب ہو گیا ۔ مگر یہ کہ توبہ کرے ۔

نظام نے کہا ہے کہ اگر ایک حبہ کم دوسو درہم چُرائے تو اُس پر نہ کوئی گناہ ہے نہ وعید ۔ اگر اُس نے پورے دوسو درہم چُرائے تو اسلام سے خارج ہو گیا ۔ اور اُس پر دوامی عذاب لازم ہو گیا بشرطیکہ توبہ نہ کرے ۔

ابو بکر احمد بن علی بن احور بن الاخشید نے ان کے اُن تین رؤسا میں سے ایک ہے جن پر اس زمانے میں ان کی ریاست ختم ہو گئی ۔ اور معتزلہ کے اُن کے مذاہب کے مطابق فرقے ہو گئے ۔ ان میں دوسرا رئیس ابو ہاشم الجبائی اور تیسرا عبد اللہ بن محمد بن محمود البلخی ہے جس کا عرف الکعبی ہے ۔ اور احمد بن علی مذکور کا والد فرغانہ کا ایک سردار لشکر تھا اور معتضد و مکتفی (خلفائے عباسیہ) کی طرف سے سرحدوں کا گورنر تھا ۔ احمد مذکور کا قول یہ تھا کہ جو شخص دنیا میں جتنے گناہ ہیں سب کا ارتکاب کرے اور اسی طرح ہمیشہ کرتا رہے تو جب دوبارہ اس گناہ کا یا دوسرے

گناہ مثلاً قتل وغیرہ کا یا اس سے کم کا ارتکاب کرے۔ مگر یہ کہ اپنے ارتکاب گناہ کے بعد ہی نادم ہو، تو اس کی توبہ صحیح ہے، اور اس سے وہ گناہ ہمیشہ کو ساقط ہو گیا۔ اسی طرح ہمیشہ ہو گا جب کبھی وہ اس گناہ کو یا دوسرے کو دوبارہ کرے گا۔

یہ وہ قول ہے جس کو اکثر مرجیئہ نہیں پہنچے۔ یہ شخص اس کے باوجود وعدہ و وعید کے نافذ ہونے کے عقیدے کا بھی دعویٰ کرتا ہے اور روئے زمین پر ایسا کوئی مسلم نہ ہو گا جو اپنے گناہ پر نادم نہ ہو۔

عبدالرحمٰن شاگرد ابوالہذیل نے کہا کہ اخبار میں صرف ایسے پانچ اشخاص کے نقل کرنے سے حجت قایم ہوتی ہے جن میں ایک اللہ کا ولی ہو جسے تعین کے ساتھ میں نہیں پہچانتا۔ ان پانچ اشخاص میں سے ہر ایک سے انھیں کے مثل پانچ اشخاص نقل کریں اور اسی طرح ہوتا رہے۔

صالح شاگرد نظام نے کہا کہ جس نے یہ خواب دیکھا کہ وہ ہندوستان میں ہے، یا اسے قتل کر دیا گیا ہے، یا اس نے کوئی شے بھی دیکھی، تو وہ اس نے جیسی دیکھی حق و یقین ہے اور ایسی ہی ہے جیسی وہ بیداری میں دیکھے۔

عباد بن سلیمان نے کہا کہ حواس ساقط ہیں۔

نظام نے کہا کہ الوان (رنگ) جسم ہیں۔ اور کبھی دو جسم ایک مکان میں ہوتے ہیں۔

نظام کہا کرتا تھا کہ ہم بذریعۂ اخبار اجسام کو ہرگز نہیں جانتے۔ جو شخص کوئی جسم دیکھے خواہ جس کو دیکھے وہ انسان ہو یا غیر انسان تو اس کے دیکھنے والے نے اس کا ایک ٹکڑا کاٹ لیا جو دیکھنے والے کے جسم میں شامل ہو گیا۔ اس دیکھنے والے نے اس جسم کے متعلق جس کو بھی خبر دی تو جس کو خبر دی تو اس نے بھی اس ٹکڑے میں سے ایک ٹکڑا لے لیا۔ اور اسی طرح ہمیشہ ہو گا۔

یہ قصہ ایسا ہے کہ اگر ہم نے اسے اس کے تعظیم کرنے والے ان شاگردوں کے ذریعے سے نہ سنا ہوتا جنھوں نے اس کو اپنی کتابوں میں اس سے نقل کیا ہے تو ہم تو اس کو کسی صاحبِ عقل کا کلام نہ سمجھتے۔ اس پر

اُس کے مخالفین نے اُسے یہ الزام دیا ہے کہ جبریلؑ و میکائیلؑ و نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰؑ و عیسیٰؑ و ابراہیم علیہم السلام کے ٹکڑے (معاذ اللہ) جہنم میں ہوں گے۔ اور فرعون و ابلیس و ابولہب و ابوجہل کے ٹکڑے جنت میں ہوں گے۔

اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ عالم کی کسی شے میں سکون نہیں ہے۔ بصر کے توسط سے جو سکون معلوم ہوتا ہے وہ بلا شک حرکت ہے۔

معمر یہ دعویٰ کرتا تھا کہ عالم کی کسی شے میں حرکت نہیں ہے۔ لوگ جس کو حرکت سے نامزد کرتے ہیں وہ سکون ہی ہے۔

عباد بن سلیمان کہتا تھا کہ امت جب متفق ہو جائے اور نیک ہو جائے اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کرے تو اُس وقت وہ ایک ایسے امام کی محتاج ہے جو ان کا سیاسی انتظام کرے اور ان کی تدبیر کرے۔ امت جب نافرمانی کرے اور گناہ کرے اور ظلم کرے تو وہ امام سے بے نیاز ہو گئی۔

ابو الہذیل کہتا تھا کہ انسان اپنی استطاعت کی حالت میں کچھ نہیں کرتا۔ استطاعت کے جانے کے بعد ہی جو کچھ کرتا ہے استطاعت سے کرتا ہے۔ اس کے مخالفین نے اُسے یہ الزام دیا ہے کہ انسان جب ہی کچھ کرتا ہے جب وہ مستطیع نہ ہو۔ جب مستطیع ہو تو نہیں کرتا۔ اور میّت (مُردہ) عالم میں ہر فعل کرتا ہے۔

ان کی حماقتیں اس سے بہت زیادہ ہیں۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

شناعتِ مُرجیہ

مُرجیہ کے غالی (حد سے بڑھنے والے) دو فرقوں میں ہیں۔

ایک فرقہ تو اس کا قائل ہے کہ ایمان زبان سے کہنے کا نام ہے۔ اگرچہ
۱۵۵ اپنے دل میں کفر کا اعتقاد کرے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن اور اُس کا ولی ہے اور اہل جنت میں سے ہے۔ یہ قول محمد بن کرام السجستانی اور اُس کے اُن ہمراہیوں کا ہے جو خراسان و بیت المقدس میں تھے۔

دوسرا فرقہ اس کا قائل ہے کہ ایمان اعتقاد قلب کا نام ہے اگرچہ بلا تقیہ و خوف و جبر و اکراہ کے اپنی زبان سے کفر کا اعلان کرے، بُت پرستی کرے، یا دار الاسلام میں یہودیت و نصرانیت کو اختیار کرے، صلیب کی پرستش کرے، دار الاسلام میں تثلیث کا اعلان کرے اور اسی حالت پر مر جائے تو وہ اللہ کے نزدیک مومن کامل الایمان اور اللہ کا ولی ہے اور جنتی ہے۔ یہی قول ابو محرز جہم بن صفوان السمرقندی مولائے بنی راسب کاتب حارث بن سریج التمیمی کا ہے۔ یہ کاتب اُس زمانے میں تھا جب یہ نصر بن سیار کے پاس خراسان میں مقیم تھا۔ یہی قول ابو الحسن علی بن اسمٰعیل بن ابی البسر الاشعری البصری کا ہے اور یہی قول ابو محرز اور ابو الحسن کے ساتھیوں کا ہے۔ جہمیہ خراسان میں تھے اور اشعریہ بغداد و بصرے میں تھے۔ پھر صقلیہ و قیروان و اندلس میں اس کی گرم بازاری رہی، اس کے بعد ان کی حالت کمزور ہوگئی۔ والحمد للہ رب العلمین۔

جہمیہ کو رسوا کرنے والی خراب باتوں میں سے ان کا یہ قول ہے کہ اللہ کا علم حادث و مخلوق ہے۔ اُسے کسی چیز کا علم نہ تھا یہاں تک کہ اُس نے اپنے لیے علم پیدا کیا جس کی وجہ سے اُسے علم ہوا۔ قدرت کے بارے میں بھی ان کا اسی طرح کا قول ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ جنت و دوزخ فنا ہو جائیں گی۔ اور جو ان میں ہوں گے وہ بھی فنا ہو جائیں گے۔ یہ قرآن کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح کے، اور اہل اسلام کے اجماع یقینی کے خلاف ہے۔ بعض کرامیہ نے کہا ہے کہ منافقین مومن و جنتی ہیں۔ المریہ میں اسی قول کو محمد بن عیسیٰ الصوفی الالبیری نے زبان سے ادا کیا، اس کے الفاظ اس پر دلالت

کرتے تھے کہ تجسّم وغیرہ کے مسئلے میں یہ بھی انھیں لوگوں کے مذہب پر چلتا ہے۔ یہ عابد، زاہد، واعظ، متکلم تھا، نہایت فضول گو، بہت کم درست بات کہنے والا، اور بہت غلطی کرنے والا شخص تھا۔ میں نے ایک مرتبہ اسے دیکھا اور یہ کہتے سُنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مال کی زکوٰۃ لازم نہ تھی، اس لیے کہ آپ نے نبیّ عبد ہونا پسند کیا تھا اور عبد پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اسی لیے نہ آپ نے کسی کو وارث بنایا اور نہ آپ خود وارث ہوئے۔ میں اُس پر اعتراض کرنے اور ٹوکنے سے باز رہا، اس لیے کہ عوام اُس کے پاس موجود تھے، مجھے اُن کی بد کلامی اور باطل کے ذریعے کسے بُرا کہنے کا اندیشہ ہوا، میرے ہمراہ سوائے یحییٰ بن عبد الکثیر بن وافد کے کوئی نہ تھا۔ میں یحییٰ کو ہمراہ لے کے اُس کے پاس نفرت کے ساتھ جاتا تھا کہ اُس کا کلام سُنیں۔ مجھے اُس کی بُری باتوں کا علم ہوا جن میں سے یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جس مخلوق میں چاہتا ہے سما جاتا ہے اور حلول کرتا ہے۔ مجھے اُس کی اس بات کے متعلق فقیہ ابو احمد المعافری نے خبر دی اور انھیں ابو علی المقری سے معلوم ہوا۔ اور علی محمد بن عیسیٰ مذکور کا نواسا تھا، اور میں نے اس کے علاوہ بھی سُنا ہے۔ ونعوذ باللہ من الضلال۔

کرامیہ کے ایک گروہ کا قول ہے کہ منافقین مومن و مشرک و دوزخی ہیں۔

ایک گروہ نے یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرے تو وہ مومن بھی ہے کافر بھی۔ وہ نہ علی الاطلاق مومن ہے نہ علی الاطلاق کافر۔

مقاتل بن سلیمان نے جو مُرجیئہ کے بڑے لوگوں میں تھا، کہا ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی بدی خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی بالکل مضر نہیں۔ اور شرک کے ساتھ کوئی نیکی بالکل مفید نہیں۔ مقاتل بیک وقت خراسان میں جہم کے ساتھ مسئلۂ تجسیم میں اس کا مخالف تھا۔ جہم کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نہ تو شے ہے نہ لاشے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ شے کا خالق ہے۔ لہٰذا شے اُس کی مخلوق ہے۔ مقاتل کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ جسم، گوشت اور خون ہے

جو انسان کی صورت پر ہے۔

کرامیہ نے کہا ہے کہ انبیاؑ سے تمام معاصی کبایر ممکن ہیں بجز اس کے کہ تبلیغ اسلام میں کذب اُن سے ممکن نہیں۔ کیوں کہ یہ حضرات اس کذب سے معصوم ہیں۔ مجھ سے سلیمان بن خلف الباجی نے کہ رو سائے اشعریہ میں سے تھا، کہا ہے کہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اس کے قایل ہیں کہ انبیا و رسول علیہم السلام سے تبلیغ میں بھی کذب ممکن ہے۔

یہ سب محض کفر ہے۔ محمد بن الحسن بن فورک الاشعری نے ان لوگوں سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کبھی کرتا ہے اپنی ذات میں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کے فنا کرنے پر قادر نہیں کہ وہ اس طرح تنہا رہ جائے جس طرح پیدا کرنے سے پہلے تھا۔

یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام آوازیں اور حروف ہجا ہیں جو سب کی سب ہمیشہ اکٹھا رہیں گی اور وہ ہمیشہ سے تھیں اور ہمیشہ رہیں گی۔

یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا اس کے علاوہ کسی چیز پر قادر نہیں۔ ۱۵۶

یہ بھی کہا ہے کہ وہ متحرک اور گورے رنگ کا ہے۔

ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے سڑنے گلنے کے بعد اُن کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ البتہ اس پر قادر ہے کہ ان اجسام کے مثل پیدا کر دے۔

ان کی حماقتوں میں سے ایک یہ ہے کہ یہ ایک وقت میں دو اور دو سے زاید اماموں کو جایز رکھتے ہیں۔

اشعریہ نے کہا ہے کہ جو شخص اسلام ظاہر کرے اُس کا اللہ و رسولؐ کو بدتر سے بدتر گالی دینا، زبان سے بغیر تقیہ و حکایت کے اُس کی تکذیب کا ظاہر کرنا، اور اس کا اقرار کرنا کہ اُس کا عقیدہ یہی ہے، یہ امور کفر نہیں ہیں۔ اس قول کی بنا پر جب تمام اہل اسلام کے ٹوٹ پڑنے کا اندیشہ ہوا تو کہا کہ یہ امور اس کی دلیل ہیں کہ اس کے قلب میں کفر ہے۔ ہم نے

ان سے کہا کہ جس پر یہ دلیل دلالت کرتی ہے کیا تمھیں اُس کی صحت کا یقین ہے؟ انھوں نے کہا کہ نہیں۔

اشعریہ نے کہا ہے کہ ابلیس نے کفر کیا، اُس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ظاہر کی۔ اُس وقت سے ابلیس اللہ تعالیٰ کو حق کے طور پر نہیں پہچانتا، نہ وہ یہ جانتا ہے کہ اُسے اللہ نے آگ سے اور آدم کو مٹی اور گارے سے پیدا کیا۔ نہ وہ یہ جانتا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ نہ اُس کے بعد اُسے یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو بزرگی دی۔ ان سب کا یہ متفق علیہ قول ہے کہ ابلیس نے ہرگز اللہ سے یہ دعا نہیں کی کہ وہ اُسے قیامت تک مہلت دیدے۔ ہم نے ان سے کہا کہ تمھاری خرابی ہو یہ تو اللہ و رسولؐ کی تکذیب اور قرآن کا ابطال ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ابلیس نے یہ سب محض تمسخر و بیہودہ گوئی کے طور پر بے سوچے سمجھے اور بغیر اعتقاد کے کہا تھا۔ غالی روافض کے کفر کے بعد یہ اُس سے بھی بدتر ہے جو انھوں نے اُس کے رد کے ذریعے سے کفر کیا تھا۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ابلیس اس وجہ سے کافر نہیں ہوا کہ اُس نے آدم کو سجدہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، نہ اس وجہ سے کہ اُس نے یہ کہا کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں۔ وہ صرف اس لیے کافر ہوا کہ اپنے قلب میں اللہ تعالیٰ کا منکر تھا۔

یہ قرآن کے خلاف غیب کی خبر دینا اور کہانت ہے جس کی صحت بغیر اس کے نہیں معلوم ہوسکتی کہ کسی شخص سے خود ابلیس ہی اپنا واقعہ بیان کرے۔ اس کے علاوہ یہ شیخ جو کچھ بیان کرتا ہے اُس میں ثقہ نہیں ہے۔

اشعریہ نے بھی کہا ہے کہ حقیقتاً فرعون کو یہ ہرگز معلوم نہ ہوا کہ موسیٰؑ جن معجزات کو لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور جو یہود و نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے انھیں ہرگز یہ معلوم نہ ہوا کہ محمدؐ واقعی رسولؐ اللہ ہیں، نہ انھیں یہ علم تھا کہ آپ کا حال

توریت وانجیل میں لکھا ہوا ہے۔ ان میں سے اور بنی قریظہ وغیرہم میں سے جو لوگ اس کو جانتے تھے اور وہ اعلان کفر پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے پر اڑے رہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ سب مومن اور اللہ کے ولی اور جنتی تھے۔ ہم نے انھیں جواب دیا کہ تمھاری خرابی ہو، یہ تو اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے کیوں کہ وہ فرماتا ہے کہ "یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل" (وہ لوگ اپنے یہاں توریت وانجیل میں آپ کو لکھا ہوا پاتے ہیں)۔ اور "یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم" (یہ لوگ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو)۔ اور "فانھم یکذبونک" (پھر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں)۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے یہاں ایک نوشتہ پایا جس کے معنے یہ لوگ نہیں سمجھے اور نہ انھیں یہ معلوم ہوا کہ وہ کیا شے ہے۔ صرف اُس کی صورت کو تو انھوں نے پہچانا۔ اور یہ جانا کہ آپ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں جس طرح انسان اپنے پڑوسی کو جانتا ہے۔ یہ بالکل کفر ہے، کلام اللہ کا اپنے مقامات سے بدلنا ہے اور بیہودہ مکابرہ ہے، حماقت ہے، وبداہت کا انکار ہے۔ ہم نے اس مقالۂ ملعونہ کو اپنی ایک کتاب "کتاب الیقین فی النقض علی الملحدین المحتجین عن ابلیس اللعین وسائر الکافرین" میں پورے طور پر رد کیا ہے جس میں ان کے ایک بہت بڑے شخص کا کلام جمع کیا ہے جو قیروان کا باشندہ تھا، اس کا نام عطاف بن دوناس تھا، اس کا یہ کلام اسی کی ایک کتاب میں ہے جو اس نے اسی مقالے کی حمایت میں تالیف کی ہے۔

ان کے شیخ اشعری کے اعجاز قرآن کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک تو وہی ہے جیسا مسلمین کہتے ہیں کہ اس کی بندش وترتیب ونظم معجزہ ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ معجزہ صرف وہی قرآن ہے جو کبھی اللہ تعالیٰ سے جدا نہیں ہوا، جو ازلی وغیر مخلوق ہے، جو ہم پر نازل نہیں کیا گیا، نہ ہم نے اُسے کبھی سُنا اور نہ اُسے جبرئیل ومحمد علیہم السلام نے کبھی سُنا۔ جس کو ہم مصاحف میں پڑھتے اور سُنتے ہیں وہ معجزہ نہیں۔ بلکہ اس کے مثل پر قدرت

حاصل ہے۔ حالانکہ یہ صحیح کفر اور اللہ تعالیٰ اور تمام اہلِ اسلام کے خلاف ہے۔

ان کے ایک بہت بڑے شخص محمد بن الطیب الباقلانی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پندرہ صفات ہیں جو سب کی سب قدیم اور ازل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں اور وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کی مغایر ہیں۔ ان میں سے ہر صفت دوسری بقیہ کل صفات کے مغایر ہے اور اللہ تعالیٰ اُن کے مغایر ہے۔

۱۵۷ واللہ، یہ تو نصاریٰ کے قول سے بھی بڑھ کر اور بہت زیادہ کفر و شرک میں داخل ہے۔ اس لیے کہ نصاریٰ نے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف دو کو شریک کیا جن کا تیسرا وہ خود ہے۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ پندرہ کو شریک کیا جن کا سولھواں وہ خود ہے۔ اشعری نے اپنی کتاب "مجالس" میں تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ چند اشیا ہیں جو اُس کے سوا ہیں اور ازلی ہیں جیساکہ وہ خود ازلی ہے۔

یہ علانیہ توحید کا ابطال ہے۔ اُنھیں اس گمراہی پر صرف اس گمان نے آمادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت و عزت و کلام کا ثابت کرنا بغیر اس ملعون طریقے کے ناممکن ہے۔ معاذ اللہ من ذالک۔ بلکہ یہ تمام امور حق ہیں، ازلی ہیں، غیر مخلوق ہیں، ان میں سے کوئی شے غیر اللہ نہیں ہے۔ نہ اس میں سے کسی شے کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ یہ اللہ ہے۔ اس لیے کہ یہ اُس کا نام رکھنا ہے۔ اور اُس کا نام رکھنا بغیر نص کے جائز نہیں۔ ہم نے اس مسئلے میں اپنی اسی کتاب کے شروع میں مفصل کلام کیا ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

ہم نے اہلِ بدعت کی خرابی کو محض اس لیے یہاں بیان کیا کہ ناواقف مسلمانوں کو اُن سے نفرت دلائیں اور اُن کے ساتھ انس سے اور اُن کے کلام فاسد کے ساتھ حسن ظن رکھنے سے وحشت دلائیں۔

اس مذہب کے بعض معتقدین سے میں نے کہا کہ جب تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ پندرہ صفات ہیں جو سب غیر اللہ ہیں اور سب کی سب ازلی ہیں، تو پھر تم نے نصاریٰ پر کیوں اعتراض کیا ہے جنھوں نے یہ کہا ہے کہ

اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ اُس نے مجھے جواب دیا کہ ہم نے صرف اس لیے نصاریٰ پر اعتراض کیا ہے کہ اُنھوں نے اللہ کے ہمراہ صرف دو چیزیں مانی ہیں۔ اور اُس کے ساتھ زیادہ نہیں مانیں۔

ان میں سے بعض نے مجھ سے کہا ہے، جو ہمارا بھی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم (یعنے لفظ اللہ) ایک عبادت ہے جو ذاتِ باری اور اُس کی تمام صفات پر واقع ہوتی ہے نہ کہ بغیر صفات کے صرف ذات پر۔ میں نے اُسے جواب دیا کہ تم اللہ کی عبادت کرتے ہو یا نہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ تب تم اپنے اقرار کے مطابق خالق کی اور اُس کے ساتھ غیر خالق کی عبادت کرتے ہو اور یہ تمھیں کافی ہے۔ اُس نے نفرت ظاہر کی کہ "معاذ اللہ من ہذا"۔ میں تو صرف خالق کی عبادت کرتا ہوں میں نے جواب دیا کہ تم اپنے اقرار کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بعض اسما کی عبادت کرتے ہو۔ اُس نے دوبارہ نفرت ظاہر کی کہ معاذ اللہ من ہذا"۔ میں اس مسئلے میں تو توقف کرتا ہوں۔

ان کے ایک شیخ قدیم عبد اللہ بن سعید بن کلاب البصری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات نہ باقی ہیں نہ فانی، نہ قدیم ہیں نہ حادث۔ البتہ وہ ازلی و غیر مخلوق ہیں۔ یہ اس کی اس تصریح کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ قدیم و باقی ہے۔

اشعریہ کی حماقتوں میں سے ان کا یہ قول ہے کہ انسان کے ایسے احوال و معانی ہیں جو نہ معدوم ہیں نہ موجود، نہ معلوم ہیں نہ مجہول۔ نہ مخلوق ہیں نہ غیر مخلوق۔ نہ ازلی و قدیم ہیں نہ حادث۔ نہ حق ہیں نہ باطل مثلاً عالم کا یہ علم رکھنا کہ وہ صاحب علم ہے، یا موجود کا اپنے وجود دریافت کر لینے پر ادراک کرنا کہ وہ صاحب وجود ہے۔

یہ وہ امر ہے جسے ہم نے ان لوگوں سے نصاً و تصریحاً خود سُنا ہے اور ان کی کتابوں میں دیکھا ہے۔ بھلا اس سے زیادہ بھی حماقت ہو سکتی ہے۔ کیا کسی احمق اور وسوسہ رکھنے والے میں اس سے زیادہ بدحواسی ممکن ہے اور

اُن کے ایک بہت بڑے شخص سلیمان بن خلف الباجی نے ایک مجلس میں مجھ سے اس مسئلے کی نسبت گفتگو کی۔ میں نے اُس سے کہا کہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا ہمارے یہاں عام لوگ کہتے ہیں کہ میرے پاس انگور ہیں مگر وہ درخت انگور کے نہیں ہیں۔

ان کی بدحواسی میں سے ان کا یہ قول بھی ہے کہ حق غیر حقیقت ہے۔ اور ہمیں معلوم نہیں کہ انھوں نے یہ کس لغت میں پایا، یا کس شرع میں وارد ہوا ہے، یا کس طبیعت میں یہ اس پر قابو پاگئے۔

انھوں نے کہا ہے کہ کفر حقیقت ہے مگر حق نہیں۔ ہم نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا وجود حقیقت ہے اور اس کے معنے باطل ہیں نہ کہ حق وحقیقت۔

ان سب نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا اپنی ذات میں حامل ہے۔ یہ ابوجعفر السمنانی المکفوف قاضی موصل کے قول کی نص وتصریح ہے۔ جو باقلانی کے بہت بڑے اصحاب میں سے ہیں اور ہمارے زمانے میں اشعریہ کے مقدم ہیں۔

اسی سمنانی نے کہا ہے کہ جو شخص اس لیے اللہ کو جسم کہے کہ وہ اپنی ذات میں اپنی صفات کا حامل ہے تو وہ معنے میں صواب کو پہنچا، صرف نام رکھنے میں غلطی کی۔

اسی سمنانی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجود میں اور قیام بالذات میں جواہر واجسام کے قیام کی طرح عالم کا شریک ہے، اور اس میں بھی شریک ہے کہ وہ ایسی صفات رکھتا ہے کہ اُس کے ساتھ قایم ہیں اور اُس کی ذات کے ساتھ موجود ہیں۔ جیساکہ یہی چیز اُن اجسام وجواہر عالم میں ثابت ہے جو ان صفات سے موصوف ہے۔ یہ حرف بحرف سمنانی کے کلام کی نص ہے۔

میں نے مشبہہ اور غالیہ کو بھی اس پر پیش قدمی کرتے نہیں دیکھا جس کا اطلاق اس بدعتی، جاہل، ملحد دلیر نے کیا کہ اللہ تعالیٰ عالم کا ۱۵۸

شریک و مشارک ہے۔ حاشا اللہ من ہذا۔ سمنانی نے اپنے شیوخ اشعریہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے کہ "ان اللہ خلق آدم علی صورتہ" (اللہ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔) یہ معنے ہیں کہ آدمؑ، رحمٰن کی صفت حیات وعلم و اقتدار پر ہیں، اُن میں صفات کمال جمع ہیں، ملائکہ سے اُسی طرح اُس نے آدمؑ کو سجدہ کرایا جس طرح اپنے کو سجدہ کرایا تھا۔ اللہ نے ملائکہ کو بنی آدم پر اُسی طرح امر و نہی کا اختیار دیا ہے جس طرح خود اُسے حاصل ہے۔

یہ حرف بحرف اُس کے کلام کی نص و تصریح ہے۔ اور یہ صریح کفر اور کھلا ہوا شرک ہے۔ کیوں کہ اُس نے تصریح کی ہے کہ آدمؑ رحمٰن کی صفت پر ہیں، دونوں میں صفات کمال جمع ہیں۔ اس کے نزدیک آدمؑ اور اللہ تعالیٰ میں صفاتِ کمال جمع ہونے سے دونوں آپس میں مماثل و مشابہ ہوئے۔ اسی بدی پر قناعت نہیں کی، یہ بھی تصریح کر دی کہ ملائکہ کا آدمؑ کو سجدہ کرنا ایسا ہی تھا جیسا اللہ کو سجدہ کرنا۔ معاذ اللہ من ذٰلک۔ ملائکہ کا اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا سجدۂ عبادت اور اپنے خالق کی پرستش کے طور پر تھا، آدمؑ کو سجدہ کرنا بطور سلام و تحیت کے تھا، اُن کی طرف سے آدمؑ کی شرافت و بزرگی کا اظہار اور اُن کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند یوسف علیہ السلام کو سجدہ تھا۔ اس کے بعد اس ملعون نے اس نص و تصریح سے کفر پر کفر کا اضافہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی اولاد پر اسی طرح امر و نہی کا اختیار دیا جس طرح یہ اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اور یہ بغیر کسی خفا کے ایسا ہی شرک ہے جیسا کہ مسیحؑ کے بارے میں نصاریٰ کا شرک ہے۔ کوئی فرق نہیں۔ ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

اسی سمنانی نے کہا ہے کہ اس کے شیوخ کا مذہب یہ ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں کہ کسی شے کا امر اور حکم دینا خواہ وہ جدید ہو یا قدیم اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ شے حکم دینے والے کو مقصود ہے۔ اسی طرح نہی اور منع کرنا بھی اُس کے ناپسند و ناگوار و مکروہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ یہ اُس کے کلام کی نص ہے۔ جو خلافِ اسلام و اجماع و

عقل اور اس امر کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نماز و زکوٰۃ و حج و روزہ و جہاد و شہادت اسلام کا حکم دیا ہے تو اس میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ وہ ان امور کو چاہتا ہے۔ اور جو زنا، بدکاری، سرقہ و قتل ظالمانہ سے منع کیا ہے تو اس میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ وہ ان امور کو ناپسند کرتا ہے۔ تمام اقوال میں اس سے زیادہ ناپاک کوئی قول نہ ہوگا۔

سمنانی نے کہا ہے کہ اس کا قائل ہونا صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام علوم کے اور اُس کی قدرت تمام قدرتوں کے مخالف و مغایر ہے اس لیے کہ یہ سب کی سب ہمارے قول و وصف کے تحت میں داخل ہیں جو ہم قدرتوں اور علوم کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ یہ اس کے کلام کی نص اس امر کا بیان ہے کہ ان لوگوں کا دین یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت ہمارے ہی علم و قدرت کی نوع سے ہے۔ اُس کے نزدیک جب بات یہ ہوئی تو ہمارا علم و قدرت تو دو عرض (صفات) ہیں جو ہمارے اندر پیدا کردی گئی ہیں لہٰذا ضروری طور پر واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت بھی دو عرض ہیں جو پیدا کی گئی ہیں۔ (اور پھر معاذ اللہ منہا۔ اللہ بھی حادث ہے) کیوں کہ یہ ناممکن ہے کہ ازلی شے کسی حادث و مخلوق کے ساتھ ایک ہی حد اور ایک ہی نوع کے تحت میں واقع ہو سکے۔

اسی سمنانی اور محمد بن الحسن بن فورک نے کتاب الاصول میں اپنے کلام کے شروع ہی میں تصریح کی ہے کہ قدیم و حادث میں حدود (و تعریفات) میں اختلاف نہیں ہوتا۔ ان لوگوں نے اس مسئلے کو اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں اپنے کلام میں کہا ہے جہاں انھوں نے معنے علم کی حد و تعریف ایسی صفت سے بیان کی ہے جس کے تحت میں اللہ کا علم اور لوگوں کے علوم واقع ہوتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی طرف سے اس کی نص ہے کہ اللہ تعالیٰ محدود ہے اور ہمارے ہی ساتھ حدود کے تحت میں واقع ہے اور وہ اُس کا علم و قدرت ہے۔ ان کے شیخ جہم کا

جو قول حقیقت کے متعلق ہے یہ اُس سے بھی بد تر ہے۔ یہ روئے زمین کے تمام تشبیہہ دینے والوں کے قول سے زیادہ ناپاک ہے۔

اسی سمنانی نے تصریح کی ہے کہ عالم۔ قادر۔ اور مرید خواہ اللہ تعالیٰ ہو، یا اُس کی مخلوق وہ صرف اس لیے ان صفات کا محتاج ہے کہ ان سے موصوف ہے، نہ اس لیے کہ یہ صفات اُس پر گذرتی ہیں۔ یہ اُس کے کلام کی نص ہے۔ اور یہ بلا تکلف و تاویل ان لوگوں کی طرف سے اس کی تصریح ہے کہ اللہ (جو اس احمق کے کفر سے بلند و برتر ہے) ان صفات کا محتاج ہے، اور یہ وہ کفر ہے کہ اس کفر تک پہنچنے والا ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملے گا۔

اسی سمنانی نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب حی و عالم ہے تو وہ ضرور حیات و علم و قدرت و ارادے سے موصوف ہے۔ یہاں تک کہ ان میں جو حال ہے وہ حاضر و غائب میں مختلف نہیں ہوتا۔ یہ اُس کے کلام کی نص ہے۔ اور یہ اُس کی طرف سے اس امر پر تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے حال ہوتا ہے جس میں اُس کی مخلوق اُس کے مخالف و مغایر نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اور یہ اس میں برابر ہیں۔

اسی سمنانی نے تصریح کی ہے کہ وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کے عالم و قادر ہونے کے لیے ضروری ہیں، اُن صفات کا اُس کے لیے وجوب اور ضرورت اُسے اُس شئے سے بے نیاز نہیں کرتا کہ جو چیز اُس صفت کی ثابت و صحیح و موجود کرنے والی ہے۔ مثلاً اُس میں حیات کا ہونا۔ جیسا کہ اُس کا اُس چیز سے بے نیاز ہونا جو اُس کے عالم و قادر ہونے کو ضروری کر دے، اُسے قدرت و علم سے بے نیاز کرنے کی موجب نہیں۔ ۱۵۹

یہ اس پر نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز سے بے نیاز نہیں جو غیر اللہ ہے۔ اس لیے کہ ان کے یہاں صفات اُس کی غیر ہیں۔ اور ان کے یہاں اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز نہیں۔ جب وہ اُن سے غنی و بے نیاز نہ ہوا تو وہ اُن کا فقیر و محتاج ہوا۔ اسی طرح یہ ہونے بھی

کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے) بلکہ وہ اپنے ماسوا سے بالکل غنی و بے نیاز ہے۔ اور جو اُس کے علاوہ ہیں وہ سب اُس کے فقیر ہیں۔

سمنانی نے کہا ہے کہ اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے اپنی ذات کے لیے مرید (یعنی ارادہ کرنے والا) ہونے کا انکار کیوں کیا جیسا کہ اس کو نجار و جاحظ نے کہا ہے۔ تو اُس سے کہا جائے گا کہ ہم نے اس لیے انکار کیا ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مخلوق میں سے جو شخص ارادے سے مرید (یعنے ارادہ کرنے والا) ہوگا وہ اس سے خالی نہیں کہ جس کے لیے ارادہ ہے یا تو وہ درحقیقت مرید ہو (یعنے ارادہ کرنے والا) یا اُس کا مرید ہونا اس لیے ہے کہ اُس کے لیے ارادے کا وجود ہے۔ ان دو میں سے جو امر بھی ہو اس باب میں غائب و شاہد (حاضر) کا مساوی ہونا لازم آتا ہے۔

یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ اس جاہل کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے ساتھ مساوات ہے۔ اور یہ ہر جسم ماننے والے کے قول سے بھی بڑھا ہوا کفر ہے۔ اس لیے تمام مجسّمین (معاذ اللہ۔ اللہ کا جسم ماننے والے لوگوں) میں سے کبھی کسی نے اس ملعون فرقے سے پہلے اس قول پر پیش قدمی نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے مساوی ہے۔ اُن کا یہ فیصلہ تعجب خیز ہے کہ اللہ تعالیٰ غائب ہے شاہد (حاضر و موجود) نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ اس سے برتر ہے۔ بلکہ وہ ہمارے ساتھ ہے، اور رگ گردن سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہے، جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے کہ وہ عقول میں حاضر ہے غائب نہیں ہے۔

باقلانی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو تسمیات (نامزدگیاں) پائی جائیں اُن کا اطلاق اُس پر جائز ہے، اگرچہ خود اُس نے اپنے آپ کو اُس نام سے نامزد نہ کیا ہو۔ جب تک کوئی شرعی حکم اس سے روکنے والا وارد نہ ہوا ہو۔

یہ اُس کی طرف سے اس کی تصریح ہے کہ یہاں چند معانی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔ باوجودیکہ یہ اُس کے ناموں میں الحاد و بے دینی ہے۔ کیوں کہ اس نے ایسے نام سے اللہ تعالیٰ کو نامزد کرنے کی اجازت دیدی ہے جس سے خود اُس نے اپنے آپ کو نامزد نہیں کیا ہے۔ اور اللہ اس سے بیحد بلند و برتر ہے۔

ان سب نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صرف ایک ہی کلام ہے، اُس کے بہت سے کلمات نہیں ہیں۔

یہ خالص کفر ہے کیوں کہ اس نے قرآن کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تکذیب کی "قل لو کان البحر مدادا لکلمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی ولو جئنا بمثلہ مددا" (آپ کہہ دیجئے کہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لیے روشنائی ہو جائے تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ ہم اُس کے برابر مدد بھی لے آئیں)۔ اور فرماتا ہے "ولوان مافی الارض من شجرۃ اقلام و البحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمت اللہ" (اور اگر روئے زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر کو اس کے بعد سات سمندر مدد دیں تو اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے)۔ باوجود اس کے ان کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ کا صرف ایک کلام ہے، ایک احمقانہ مقولہ ہے جو عقل میں نہیں آتا اور اُس پر کوئی شرعی برہان قائم نہیں۔ نہ کسی تصور کرنے والے نے اس کا تصور کیا اور نہ عقل اسے ضروری ٹھہراتی ہے۔ بجز اس کے کہ یہ محض ہذیان ہے۔

ان سے کہا جائے گا کہ اس سے خالی نہیں کہ قرآن یا تو ان کے نزدیک کلام الٰہی ہے یا کلام الٰہی نہیں ہے۔ اگر یہ کہیں کہ وہ کلام الٰہی نہیں ہے تو انھوں نے نزدیک ہی سے کفر اختیار کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی مشقت سے بچا دیا۔

اور اگر یہ کہیں کہ وہ کلام الٰہی ہے تو قرآن میں ایک سو چودہ [۱۱۴] سورتیں ہیں

جن میں چھ ہزار سے زائد آئتیں ہیں ۔ اہل اسلام کے نزدیک ان میں سے ہر سورۃ دوسری کے مغایر اور ہر آیت دوسری کے مغایر ہے۔ یہ بد معاش کیسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا صرف ایک ہی کلام ہے۔ کیا یہ بیہودہ اور بیباکانہ کفر نہیں ہے۔ ونعوذ باللہ من الضلال۔

ان سب لوگوں نے کہا ہے کہ "قرآن کو جبریل علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر ہرگز نہیں اتارا، انھوں نے کسی اور شے کو آپ پر اُتار اتھا اور وہی شے کلام الٰہی سے تعبیر کی جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک قرآن صرف طریقۂ مجاز پر ہے، جو چیز ہم دفتروں میں دیکھتے ہیں، قاریوں سے سُنتے ہیں، نماز میں پڑھتے ہیں، اور سینے میں محفوظ رکھتے ہیں، وہ ہرگز قرآن نہیں۔ اور نہ اس میں سے کوئی چیز کلام الٰہی ہے۔ بلکہ یہ دوسری شے ہے۔ اور کلام الٰہی ذاتِ الٰہی سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔"

یہ نہایت زبردست کفر ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ" (بلکہ وہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں ہے) اور فرمایا ہے "نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک" (اس کو روح امین نے آپ کے دل پر نازل کیا)۔ اور فرمایا ہے "فاجرہ حتیٰ یسمع کلام اللہ (اسے پناہ دیجئے تاکہ وہ کلام الٰہی سُن لے) اور فرمایا ہے "بل آیٰت بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم" (بلکہ یہ کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جو اہل علم کو سینوں میں ڈال دی گئی ہیں)۔ ۱۶۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "انی احب ان اسمعہ عن غیری" (میں چاہتا ہوں کہ قرآن کو کسی اور سے سنوں) اور فرمایا ہے کہ "الذی یقرأ القرآن مع السفرۃ الکرام البررۃ" (جو شخص قرآن پڑھتا ہے وہ بزرگ، نیک اور لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوتا ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے ملک میں قرآن لے جانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس پر عام وخاص وعالم وجاہل تمام مسلمانوں کا

اجماع ہے کہ فلاں نے قرآن حفظ کیا۔ فلاں نے قرآن پڑھا۔ فلاں نے مصحف (کاغذ و دفتر) میں قرآن لکھا۔ فلاں سے ہم نے قرآن سُنا۔ وہی کلام اللہ ہے جو اول سورۂ فاتحہ سے آخر "قل اعوذ برب الناس" تک مصحف میں ہے۔

سمنانی نے یہ بھی کہا ہے کہ با قلانی اور اس کے شیوخ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا یہی قرآن ہے اور یہی کلام اللہ ہے۔ اس کے معنے صرف یہ ہیں کہ وہ کلام اللہ کی تعبیر ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سمجھے جاتے ہیں۔

ان سے کہا جائے کہ ہمیں اپنے اس قول کے متعلق کہ کتاب ہی مصحف ہے اور جو قراءت مساجد کی محرابوں میں سُنی جاتی ہے یہ قرآن کی تعبیر ہے" بتاؤ کہ تمہاری اس سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ محض تمہاری ایک کمزور فریب کاری کے سوا کچھ اور بھی ہے؟ کیا جو کچھ مصحف میں ہے یہ اُن معانی کی تعبیر نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے احکام و شریعت میں مراد لیے ہیں۔ یعنے نماز، روزہ۔ ایمان وغیرہ۔ اور اخبار امم سابقہ واحوال جنت و دوزخ وحشر وغیرہ کہ اُن امور میں سے ہیں جن کے متعلق اہل اسلام میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ اس کلام کے ذریعے سے جو چیزیں تعبیر کی گئی ہیں وہ ہرگز کلام الٰہی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ جنت کی ذات اور دوزخ کی ذات اور نمازی کی حرکات اور حاجی و روزہ دار کا عمل اور اجسام ثمود و اشخاص عاد میں سے کوئی چیز بھی نہ کلام اللہ ہے نہ قرآن۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ بلاشک قرآن و کلام اللہ صرف وہی عبارت ہے جو سُنی جاتی ہے، وہی کلام ہے جو پڑھا جاتا ہے، وہی خط ہے جو مصحف میں لکھا جاتا ہے۔ اب اس کے سوا اور کیا رہ گیا۔ یا کفر اور اللہ و رسولؐ کی اس امر میں تکذیب رہ گئی کہ اُس نے قرآن کو رسولؐ پر نازل کیا۔ اور ہم کلام اللہ سنتے ہیں۔

تم نے کمزوروں کو وہم میں ڈالا کہ جو چیز تمام اہل اسلام کے نزدیک قرآن وکلام اللہ ہے وہ قرآن وکلام اللہ نہیں ہے۔ تم نے اپنے استخفاف سے لوگوں کو وہم میں ڈالا کہ متحرکین کی حرکات اور ذات جنت و دوزخ یہی کلام اللہ اور یہی قرآن ہے۔ کیا کمزور مسلمانوں کے ساتھ تمسخر میں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ استہزاء میں اس سے بڑی کوئی بات ہو سکتی ہے۔

مجھے علی بن حمزۃ المراوی الصقلی الصوفی نے خبر دی کہ انھوں نے بعض اشعریہ کو دیکھا کہ وہ اپنے پاؤں سے قرآن کو کھوندتا تھا۔ مجھے یہ بہت ہی گراں معلوم ہوا اور میں نے اُس سے کہا کہ تیری تباہی ہو، تو مصحف کے ساتھ یہ عمل کرتا ہے حالانکہ اس میں کلام اللہ ہے۔ اُس نے کہا کہ تم پر افسوس ہے۔ بخدا اس میں بجز روشنائی و سیاہی کے کچھ بھی نہیں۔ کلام اللہ اس میں نہیں ہے۔

قریب قریب اسی قول کے جس کے معنے یہی ہیں مجھے ابو المرجی بن رزدار المصری نے لکھا ہے کہ اہل مصر کے بعض ثقہ نے انھیں خبر دی کہ طلبۂ حدیث میں سے ایک اشعری نے اُن سے کہا کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ "قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد" تو اُس پر ہزار لعنت۔ بلکہ اس شخص پر پے در پے ایک لاکھ لعنت جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نہیں فرمایا اور اُس پر بھی اللہ تعالیٰ کی پے در پے ایک لاکھ لعنت جو اس سے انکار کرے کہ ہم کلام اللہ سنتے ہیں اور ہم کلام اللہ حفظ کرتے ہیں اور کلام اللہ لکھتے ہیں۔ کیوں کہ اس مسئلے میں اس فرقے کا یہ قول اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہائی کفر اور قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اس فرقۂ ملعونہ کے پیدا ہونے سے پیشتر کے تمام اہل اسلام کی مخالفت ہے۔

تمام اشعریہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہر اُس شے کو جس کو اُس نے پیدا کر دیا یا جسے وہ مستقبل میں پیدا کرے گا، یہ کہنے والا ہے کہ کُن (یعنے ہو جا)۔ مگر تمام اشیا صرف اُسی وقت ہوئیں جب اُن کے ہونے کا وقت ہوا۔

یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ کیوں کہ وہ فرماتا ہے "انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون" (اُس کی شان یہی ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس سے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پھر وہ ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ وہ شے سے "ہو جا" محض اُسی وقت کہتا ہے جب وہ اُس کے موجود ہونے کا ارادہ کرتا ہے جب وہ اُس سے "ہو جا" کہتا ہے تو وہ شے اُسی وقت بغیر کسی مہلت کے ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ جس لغت عرب میں
۱۶۱ قرآن نازل ہوا ہے اُس میں حرف "فا" کا یہی مقتضا ہے۔

یہ سب لوگ اللہ کی دونوں خبروں کی تکذیب پر متفق ہو گئے ہیں، ایک تو انھوں نے عالم کے ازلی ہونے کو ضروری کر دیا کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ ازل سے ہونے والی چیز سے "کن" کہہ رہا ہے تو پھر تکوین ازل سے ہے۔ اور یہ محض دہریت ہے۔

سمنانی نے اس کے چند سطر بعد کہا ہے کہ "اگر اللہ کے قول "کن" کی وجہ سے کسی چیز کا وجود جس وقت میں موجود ہوئی ہے اُسی وقت واجب ہوتا تو یہ بھی ضرور واجب ہوتا کہ وہی شے غیر اللہ کے اس شے سے "کن" کہنے سے بھی موجود ہو جاتی کیوں کہ اس معاملے میں اقتضا کی صفت قدیم و حادث میں مختلف نہیں ہے۔"

یہ اس ملحد و فاسق کے کلام کی حرف بحرف نقل ہے جو محض کفر اور کھلی حماقت ہے۔ کفر تو اُس کا یہ باطل کرنا کہ اُن اوقات میں اشیا کا وجود جن میں وہ پائی گئیں۔ محض اللہ تعالیٰ کے اُن سے "کن" کہنے کی وجہ سے ہے۔ اور اُس کا یہ واجب کرنا کہ اشیا اُس وقت نہیں پائی گئیں جس وقت اللہ تعالیٰ نے اُن سے "کن" کہا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خالص تکذیب اور اجماع اہل اسلام سے اور سابقین اہل قبلہ کے دایرۂ سواد اعظم سے باہر نکلنا اور علیحدہ ہونا ہے۔

اس ملعون کلام میں اس کا یہ قول بھی کفر صریح ہے کہ اس مسئلے میں

صفت اقتضا میں حادث وقدیم میں اختلاف نہیں ہے۔ اس نے اللہ کو اور اس کی مخلوق کو برابر کر دیا۔

حماقت اس کا یہ قول ہے کہ اگر اللہ کے قول "کن" کی وجہ سے اشیا کا وجود ہوتا تو ضروری تھا کہ غیر اللہ کے لفظ "کن" سے بھی اشیا کا وجود ہوتا۔

مسلمانو ذرا سنو۔ کسی نے اس شخص سے زیادہ حماقت، بیوقوفی اور بیحیائی کی بات بھی سُنی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے "کن" کو جب وہ کسی شے کے موجود کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرے لوگوں کے لفظ "کن" کو برابر کردے۔ یہ دہریے کے قول سے زیادہ ناپاک ہے۔ اور ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اگر حماقت نہ ہوتی تو یہ رذیل بات ایسے شخص کی زبان سے نہ ادا ہوتی جسے گذرگاہوں میں پتھر نہ مارے جائیں۔

اسی کلام کے مشابہ کمینہ ابوالہاشم الجبائی کا یہ کلام بھی ہے کہ "اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کو کسی نام سے نامزد کرنا جائز نہ ہو، تاوقتیکہ وہ ہمیں نامزد کرنے کی اجازت نہ دے، تو واجب ہے کہ اللہ کو بھی اپنا کوئی نام رکھنا جائز نہ ہو، تاوقتیکہ اُسے غیر اللہ اس کی اجازت نہ دے۔"

یہ وہ اقوال ہیں کہ اگر انھیں بچے کہتے تو اُن کی فلاح سے ناامیدی ہو جاتی۔ اللہ کی قسم شیطان ان لوگوں سے جس طرح چاہا کھیلتا رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تمام اشعریہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو کسی پر ظلم کرنے پر قادر ہے، نہ جھوٹ بولنے پر، نہ یہ کہنے پر قادر ہے کہ مسیحؑ اللہ کے بیٹے ہیں، جب تک کہ پہلے سے کہہ نہ دے۔

نصاریٰ نے کہا ہے کہ اللہ یہ کہنے پر قادر نہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں تاوقتیکہ اس کے قبل نہ کہے۔ یہود نے کہا ہے کہ وہ اولاد اختیار کرنے پر قادر نہیں۔ کسی جھوٹے کے ہاتھ پر جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے معجزہ ظاہر کرنے پر قادر نہیں۔ اور اگر وہ الوہیت کا دعویٰ کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کرنے پر قادر ہے۔ وہ کسی

محال پر قادر نہیں، نہ اشیا کو اُن کی حقایق سے بدلنے پر قادر ہے، نہ اجناس کی ماہیت بدلنے پر قادر ہے، نہ اس پر قادر ہے کہ جزو لاینجزیٰ کا تجزیہ کرسکے۔ اور نہ اس پر قادر ہے کہ کسی کو غیر توحید کی دعوت دے۔

یہ ان لوگوں کے کلام کی نص اور اعتقاد کی حقیقت ہے انھوں نے اللہ تعالیٰ کو ایسا قرار دیا جو عاجز ہے، جس کی قوت متناہی اور قدرت محدود ہے۔ کبھی قادر ہوتا ہے کبھی قادر نہیں ہوتا۔ کبھی وہ ایک شے پر قادر ہوتا ہے اور دوسری پر قادر نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ صفتِ نقص ہے۔ یہ لوگ اس کے باوجود اس کے قائل ہیں کہ ساحر اشیا کے بدلنے پر قادر ہے، انسان کو مسخ کرکے درحقیقت گدھا بنانے پر قادر ہے۔ ہوا اور پانی میں چلنے پر قادر ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں ساحر اللہ سے زیادہ قوی ہے۔

انھیں اس کا اندیشہ ہوا کہ اہل اسلام ان کے برباد کرنے کی کوشش نہ کریں اس لیے یہ لوگ یہ تصریح کرنے سے باز رہے کہ اللہ تعالیٰ قادر نہیں ہے۔ انھوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری مذکورۂ بالا اشیا پر قدرت کے ساتھ موصوف نہ کیا جائے گا۔

اس میں بھی ان کے لیے کوئی راحت نہیں۔ اس لیے کہ ہم اُن سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان امور پر قدرت کے ساتھ کیوں نہ موصوف کریں۔ آیا اس لیے کہ وہ ان تمام امور پر قادر ہے اور اُسے ان سب پر قدرت ہے، یا اس لیے کہ وہ ان سب پر قادر نہیں اور نہ اُسے ان میں سے کسی پر قدرت ہے۔ بہ ضرورت عقل ایک بات ضرور کہنا پڑے گی۔ یہیں ان کی کمزور خصلت گمراہ ہوجائے گی۔ اُنھیں یہ ۱۶۲
فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ وہ قادر نہیں اور اُسے اُن پر قدرت نہیں۔ اور چونکہ اس کی انھوں نے تصریح کردی لہٰذا ضروری طور پر اولِ عقل اور لغت کی سُنی ہوئی باتیں دونوں اسے ثابت کرتی ہیں نہ جو کسی چیز پر قادر نہیں ہے وہ اُس چیز سے عاجز ہے اور جس کو کسی شے پر

قدرت نہیں ہے تو صفت عجز وضعف اُس کے شامل حال ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو ضروری ہے کہ یہ اسم عجز کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کریں اور اسے صفت عاجز سے موصوف کریں۔ اور اُن کے مذہب کی یقیناً یہی حقیقت ہے۔ مگر یہ لوگ اسے ظاہر کریں تو انھیں ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

اسی باقلانی نے کہا ہے کہ نبی اور جھوٹے مدعی نبوت کے سحر میں جو چیز یہ دونوں ظاہر کرتے ہیں کوئی فرق نہیں بجز اس کے کہ نبی دوسرے کو برانگیختہ کرتا ہے اور جو اُس کے سامنے ہوتا ہے اُس سے کہتا ہے کہ جو میرا سا عمل کرے اُسے بلا لاؤ۔ حالانکہ یہ نبوت کا خالص ابطال ہے۔

باقلانی و ابن فورک اور ان کے گمراہ و جاہل گروہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسما نہیں ہیں یا اُس کے لیے صرف ایک ہی اسم ہے۔ اور اُس کا اسم اُس کے مغایر نہیں ہے۔ "و للہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا و ذروا الذین یلحدون فی اسمائہ" (اللہ تعالیٰ کے لیے بہترین اسما ہیں لہٰذا اسے اُنھیں سے پکارو اور اُنھیں چھوڑ دو جو اُس کے ناموں میں الحاد و بے دینی کرتے ہیں)۔ اس میں اللہ تعالیٰ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اُس کے لیے تسمیات حسنیٰ ہیں۔ لہٰذا اُنھیں چھوڑ دو جو اُس کے تسمیات میں الحاد کرتے ہیں مگر اُس نے یہ کہا کہ "للہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا و ذروا الذین یلحدون فی اسمائہ" اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ۹۹ یعنی ایک کم سو نام ہیں، آپ کی مراد بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے تسمیات ہیں۔ (یعنے اللہ تعالیٰ نے ننانوے نام دوسروں کے رکھے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اچھے اچھے نام اوروں کے رکھے ہیں) مگر آپ نے ننانوے اسم فرما دیا ہے۔

بے حیائی۔ فسادِ دین اور جھوٹ کے سہل جاننے پر کوئی برہان اس سے زیادہ نہیں۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ انھیں اللہ تعالیٰ اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس بہتان کی کس نے خبر دی۔ اس کے بعد کاش یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ چونکہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ تسمیات حسنیٰ کہنا چاہتا تھا۔ مگر اُس نے اسماء حسنیٰ کہہ دیا تو کس لیے اُس سے یہ لکنت یا غفلت۔ یا اپنے بندوں کے گمراہ کرنے کا قصد صادر ہوا۔ واللہ کوئی چوتھی بات ممکن نہیں۔ تمھیں اس قوم سے تعجب کرنا چاہیے جس پر ایسی زبردست تباہی و بربادی نازل ہوئی ہے جو علانیہ بغیر کسی خوف کے اللہ و رسولؐ پر بہتان لگا رہی ہے۔ ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ وہ قول ہے کہ ان سے پہلے کبھی کسی نے یہ بات نہیں کہی۔

ان سب نے یہ کہا ہے کہ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب آج رسولؐ اللہ نہیں ہیں۔ لیکن وہ رسولؐ اللہ تھے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

چنانچہ انھوں نے قرآن کی اس آیت کی تکذیب کی "محمدؐ رسول اللہ" اور اذاں کی اور اقامت کی تکذیب کی جس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ہر جماعت پر رات دن میں پانچ مرتبہ فرض کر دیا ہے۔ انھوں نے تمام مسلمانوں کی اُس تبلیغ و دعوت کی بھی تکذیب کی جس پر وہ سب کفار کو دعوت دینے پر متفق ہیں اور بغیر اس کے دوزخ سے نجات نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے ہر زمانے کے مسلمانوں کو، صحابہؓ و غیر صحابہ کو، جس پر اُن کے نیک و بد سب متفق ہیں، جھوٹا بنایا اور جو اس کا اعلان ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ۔ محمدؐ رسول اللہ"۔ ان کے اس ملعون قول پر لازم آتا ہے کہ موذن اور تکبیر کہنے والے اور داعیان اسلام "محمد رسولؐ اللہ" کہنے میں جھوٹے ہیں۔ یہ کہنا واجب ہے کہ "محمدؐ کان رسول اللہ"۔ اسی مسئلے پر امیر محمود بن سبکتگیں مولائے امیر المومنین و صاحب خراسان رحمہ اللہ نے ابن فورک شیخ اشعریہ کو قتل کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ محمود کو اس کی جزائے خیر دے اور ابن فورک اور اس کے پیرووں اور گروہوں پر لعنت کرے۔

اس بیہودہ کفر پر انھیں ان کے ایک دوسرے قول نے

آمادہ کیا جو خود انتہائی گمراہی اور اسلام سے باہر ہونا ہے۔ وہ ان کا یہ قول ہے کہ ارواح اعراض (کیفیات) ہیں جو فنا ہو جاتی ہیں اور دو وقتوں میں باقی نہیں رہتیں۔ جو روح ہماری اس وقت ہے وہ پلک جھپکنے سے پیشتر ہماری جو روح تھی اُس کے مغایر ہے۔ ہم میں سے ہر شخص زمانے کی ہر ساعت میں ایک ایک لاکھ سے زائد روحیں بدل ڈالتا ہے۔ نفس صرف وہ ہوا ہے جو سرد داخل ہونے کے بعد سانس لینے میں گرم ہو کے نکلتی ہے۔ انسان جب مرجاتا ہے تو اُس کی روح فنا و باطل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے اور نہ کسی اور نبی کی جو موجود ہو اور عیش میں ہو۔ نہ وہاں کوئی نفس قایم ہے جس کی مدارات ہوتی ہو۔

۱۶۳ یہ سب اسلام سے باہر ہونا ہے۔ ابو الہذیل علاف سے پہلے کوئی ایسا شخص اس کا قائل نہیں ہوا جو اسلام سے نسبت رکھتا ہو۔ پھر ان لوگوں نے علاف کی پیروی کی، یہ محض مخالفت قرآن اور اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے جو فرماتا ہے کہ "اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون" (اپنی جانیں نکالو۔ آج تمھیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا) اور جو فرماتا ہے "لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون" (جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں اُنھیں مُردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں۔ مگر تم نہیں سمجھتے)۔ اور فرمایا ہے "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون۔ فرحین بما آتٰھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیے گئے اُنھیں ہرگز مُردہ نہ سمجھنا۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس انھیں رزق دیا جاتا ہے۔ اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ اُنھیں عطا کر دیا ہے اُس سے بڑے خوش ہیں۔ اور جو لوگ ان کے بعد ابھی تک ان سے نہیں ملے اُن کے متعلق بھی خوش ہیں کہ ان پر بھی کسی قسم کا کوئی اندیشہ

نہیں اور نہ یہ رنجیدہ ہوں گے) اور فرمایا ہے "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی" (اللہ ہی ہے جو ارواح کو ان کی موت کے وقت اٹھا لیتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کی ارواح ان کی نیند میں اٹھا لیتا ہے پھر ان ارواح کو روک لیتا ہے جن کی موت کا فیصلہ کر دیتا ہے اور دوسری ارواح کو مدت معینہ تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے)۔

ان احادیث کے بھی خلاف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور تواتر کے ساتھ منقول ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں انبیا علیہم السلام کو آسمانوں میں دیکھا، فرض نمازوں کی تعداد میں موسیٰ علیہ السلام سے اور آپ سے گفتگو ہوئی۔ یہ کہ شہداء کی ارواح جنت کے پھلوں میں لٹکتی ہیں، اور وہ حالات ثابت ہیں کہ جس وقت روح خارج ہوتی ہے تو اسے فتنہ پیش آتا ہے اور قبر میں سوال ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خبر دیتے ہیں کہ آپ نے آدم علیہ السلام کے داہنی طرف ان کی جنتی اولاد کی ارواح کے گروہ دیکھے اور بائیں طرف دوزخی اولاد کی ارواح کے انبوہ دیکھے۔ اسی طرح کی دوسری حدیثیں بھی ہیں۔

اس کے بعد یہ لوگ اس بڑی بات سے شرمندہ ہوئے اور وہ ابلیس ان سے بیزار ہو گیا جس نے انھیں اس میں ڈالا تھا، جب ان کا تعاقب کیا گیا تو انھوں نے اپنی کتابوں میں کہا کہ "یہ نہ سہی، مگر روح تو اپنے ایک جسم سے نکلنے کے وقت دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے"۔ اسی طرح باقلانی نے بھی اپنی کسی کتاب میں تصریح کی ہے، میرے خیال میں وہ اس کا مشہور رسالہ "الحرہ" ہے۔ بلا تکلف یہی تناسخ کا مذہب ہے۔

سمنانی نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ باقلانی اور اس کے پیرو کہتے ہیں کہ "یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں منتقل ہو جاتی ہیں اور میت کی روح اس کی قبر میں اس کے پاس

واپس کر دی جاتی ہے، اسی طرح کے تمام امور، یعنے روح کا قرب و بعد و حرکت و سکون و انتقال و عذاب کے ساتھ موصوف ہونا، یہ سب اس پر محمول ہے کہ میت یا شہید یا کافر کے اجزاء کا سب سے قلیل ترین جزء لے لیا جاتا ہے اور اسی جز میں دوبارہ زندگی پیدا کر دی جاتی ہے" (پوری میت کے لیے یہ نہیں ہوتا)۔

یہ انتہائی حماقت کا طریقہ اور دین سے کھیل کرنا ہے۔ میرے ایک ثقہ دوست نے مجھے خبر دی کہ انھوں نے ان کے بعض بزرگوں کو کہتے سُنا کہ روح صرف سرین کی ہڈی میں باقی رہتی ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابن آدم کا کل حصہ مٹی کھا لیتی ہے سوائے سرین کی ہڈی کے۔ کہ یہ اسی سے پیدا کیا گیا اور اسی میں اُسے ترکیب دی گئی۔

اس کی یہ تاویل اہل اسلام کے اقوال کو ہزل بنانے کے قریب تر ہے۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔ یہ محض وہ پردے ہیں جو انھوں نے اپنے اُس مذہب خبیث کے درمیان ڈالے ہیں جس کو ہم نے ابھی بیان کیا۔

ان سب نے کہا ہے کہ دلائلِ اسلام میں غور کرنا فرض ہے اور تا وقتیکہ اس میں غور نہ کرے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جو اس میں غور کرے گا اُس کے لیے ضروری و مشروط ہے کہ اُسے توحید و رسالت میں شک ہو۔ کیوں کہ دلائل توحید و رسالت میں ایسے شخص کا غور کرنا درست نہ ہوگا جو ان کے ثبوت کا معتقد ہے۔

واللہ اس سے زیادہ کفر میں دخل رکھنے والا قول کسی نے نہ سُنا ہوگا جس نے توحید و رسالت میں شک کرنے کو ہر متعلم پر ایسا فرض کر دیا جس کے بغیر اُس کی نجات نہیں، جس کے بغیر کسی کا دین ہی نہیں۔ اور صحت توحید و نبوت کا اعتقاد باطل ہے جو حلال و جائز نہیں۔

ان کے کلام کا حاصل یہ ہوا کہ جس نے توحید و رسالت میں شک نہ کیا وہ کافر ہے اور جس نے ان میں شک کیا وہ نیکوکار اور

اپنے فرض کا ادا کرنے والا ہے۔ یہ وہ رسوائی وحماقت ہے کہ اے اللہ
ہم اس قول سے اور اس کے ہر قائل سے تیری ہی پناہ مانگتے ہیں۔ پھر
ان لوگوں نے زمانۂ استدلال کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ اے کاش مجھے
معلوم ہو جاتا کہ اس قول کی بنا پر کہ جو خود بھی ملعون ہے اور جس کا معتقد اور
جس کی طرف داعی بھی ملعون ہے جس نے ان کی اس وصیت کو جو مردود
شیطان کی وصیت ہے قبول کر لیا، توحید و رسالت سے شک میں
پڑ گیا، استدلال کی مدت میں چند روز اور چند ماہ اور چند ساعت رہا اور اسی حالت
۱۶۴ میں مرگیا، تو اس کا کیا حال ہوگا، اس کا ٹھکانا اور مقام کہاں ہوگا۔ واللہ دوزخ میں ہوگا
اور ہمیشہ وہیں رہے گا۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ان اقوال کے قائل سے
تجدید اسلام کا مطالبہ ہوگا، ایسا قائل اسلام کے ساتھ مکر کرنے والا،
اہل اسلام کی گھات لگانے والا، اور کفر کی طرف بلانے والا ہے۔ ہم
گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار
ایک صاع (۳½ سیر) جو سے سو سو اور دس دس آدمیوں کو شکم سیر کرنا،
اپنی انگلیوں کے درمیان سے ابلنے والے تھوڑے سے پانی سے ہزاروں
لاکھوں آدمیوں کو سیراب کرنا، کھجور کے خشک تنہ کا (آپ کے غم جدائی
سے) گنگنانا، (آپ کے بلانے سے) درخت کا آنا (خیبر میں بکری کے بھنے
ہوئے) دست کا کلام کرنا (کہ مجھ میں زہر ہے)، اونٹ کا فریاد کرنا
(کہ میرا مالک مجھے ذبح کئے ڈالتا ہے)، بھیڑیے کا آنا (اور ایک صحابیؓ کو
آپ کے ہجرت کے مدینے میں آنے کی خبر دینا) ان میں سے کوئی چیز بھی
آپ کے اپنے دعوی نبوت میں سچے ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ اس لیے کہ
ان امور سے آپ نے لوگوں کو تحدّی نہیں کی (یعنے مقابلے کی دعوت
نہیں دی) ان کے یہاں معجزہ جب ہی ہے جب اس سے کفار کو
تحدّی کی جائے۔ حالانکہ یہ ان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
تکذیب ہے۔ کیوں کہ جب آپ نے یہ کیا تو فرمایا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ

میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔ نیز یہ وہ قول ہے جو ان لوگوں نے اپنی طرف سے تراشا ہے جس میں تمام اہل اسلام کی انھوں نے مخالفت کی ہے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اشیاء میں سے کسی شے کا نہ نصف ہوتا ہے نہ ثلث (تہائی) نہ ربع (چوتھائی) اور نہ سدس (چھٹا حصہ) اور نہ ثمن (آٹھواں حصہ) اور نہ عشر (دسواں حصہ) اور نہ بعض (یعنے حصہ یا جزو)۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ فرد اس کا دسواں حصہ ہے، نہ یہ کہنا جائز ہے کہ وہ پانچ کا بعض حصہ ہے۔ اس میں ان کی حجت یہ ہے کہ اگر یہ کہنا جائز ہو جائے تو وہ اپنا ہی دسواں حصہ اور اپنا ہی بعض حصہ ہو جائے گا۔

یہ شدید جہل ہے۔ اس لیے کہ وہ منجملہ اُن کے بعض ہے جس کے بقیہ اجزا اُس کے غیر ہوں گے اور اُن کا دسواں حصہ ہے جن سب کے بقیہ دسویں حصے اس کے غیر و مغایر ہوں گے۔ مگر یہ لوگ اپنے آپ کو بھول گئے اور جزو لایتجزیٰ کے قائل ہو گئے۔ اپنے اوپر اسی الزام کو بھول گئے کہ وہ خود اپنا ہی جزو ہو جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے کیوں کہ وہ قرآن میں فرماتا ہے کہ "فلھا النصف فلامہ الثلث۔ فلامہ السدس ولکم الربع ولھن الثمن" (یعنے بیٹی کے لیے نصف ہے۔ پھر میت کی والدہ کے لیے ثلث ہے۔ پھر میت کی والدہ کے لیے سدس ہے۔ اور تمھارے لیے ربع ہے، اور بیویوں کے لیے ثمن ہے۔ (یعنے میراث میں یہ سب حصے بتائے گئے ہیں اور ان کی صورتیں بھی بتائی گئی ہیں)۔ اور "بعضھم اولیاء بعض" (اُن میں کے بعض دوسرے بعض کے دوست ہیں)۔ یہ حصص و اجزا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ کثرت ثابت ہیں۔ اور اس کے باوجود اس میں ان کی تمام روئے زمین کے مومن و کافر سے مخالفت ہے اور یہ ہر لغت و منطق کے اور طبائع و فطرت کے بھی خلاف ہے۔

ان سب نے کہا ہے کہ جو یہ کہے کہ آگ جلاتی ہے، یا زمین سرسبز ہوتی اور کوئی چیز اگاتی ہے، یا شراب نشہ لاتی ہے، یا روٹی پیٹ

بھرتی ہے، یا پانی پیاس بجھاتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کھیتی اور درختوں کو پانی سے اُگاتا ہے، تو اُس نے الحاد و بیدینی کی، افترا کیا اور جھوٹی بات بنائی۔

باقلانی نے اپنی کتاب "الانتصار فی القرآن" کے دفتر چہارم کے آخر میں کہا ہے کہ "ہم آگ کے گرم کرنے اور جلانے کے فعل کے منکر ہیں اور برف کے ٹھنڈا کرنے کے فعل کے اور کھانے پینے کے پیٹ بھرنے اور پیاس بجھانے کے فعل کے اور شراب کے نشہ کرنے کے فعل کے۔ یہ سب ہمارے نزدیک باطل و محال ہے جس کا ہم نہایت شدید انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم سنگ (مقناطیس) کے بھی منکر ہیں یعنے کسی شے یا لوہے وغیرہ کا کھینچنا یا دُور کرنا یا اُس کا پہچاننا یا چھوڑنا۔ یا اور کچھ" اور یہ اُس کے کلام کی نص ہے۔

یہ ان لوگوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے۔ جو فرماتا ہے "تلفح وجوھم النار" (آگ اُن کے چہروں کو جھلس دے گی)۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی "وانزلنا من السماء ماء مبارکا فانبتنا بہ جنٰت وحب الحصید" (اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا پھر اُس سے ہم نے باغ اور غلے اُگائے)۔ اور اس قول کی "انا نسوق الماء الی الارض الجرز فنخرج بہ زرعا تاکل منہ انعامھم وانفسھم افلا یبصرون" (کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ ہم خشک افتادہ زمین تک پانی پہنچاتے ہیں پھر اس پانی سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جسے یہ اور ان کے مویشی کھاتے ہیں۔ تو کیا یہ دیکھتے نہیں) اور اس قول کی "فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربت و انبتت من کل زوج بھیج" (پھر جب ہم نے زمین پر پانی نازل کیا تو اُس نے سرسبزی پیدا کی اور بڑھایا اور ہر خوشنما چیز اُگائی)۔ مناظرے میں ان کے بعض بزرگوں اور مقدموں پر اس استدلال سے منہ پر طمانچہ لگ گیا، گھبرا کے بدحواس ہو گئے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی بھی تکذیب ہے۔ کیوں کہ آپ فرماتے ہیں کہ "کل مسکر حرام۔ وکل شراب اسکر حرام" (ہر نشہ کرنے والی چیز حرام ہے۔ اور ہر پینے کی

چیز جو نشہ کرے حرام ہے)۔ باوجود اس کے انھوں نے ہر لغت کی اور ہر صاحب حس مسلم و کافر کی مخالفت کی، کھلی ہوئی چیز کی دلیری سے مخالفت کی اور مشاہدے کا ابطال کیا۔

اس کے بعد سب سے زیادہ چالاکی اس بڑی مصیبت میں ان کا یہ استدلال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ کیا ہر زندہ صاحب اختیار کا فعل و اختیار اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا اور مخلوق نہیں ہے۔ اس کا جواب لامحالہ ہاں ہی ہے۔ پھر ان سے کہا جائے کہ تم نے فعل کو زندہ لوگوں کی طرف کہاں سے منسوب کیا۔ حالانکہ وہ (فعل) اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ تم نے جمادات کی طرف فعل کی نسبت کرنے کو اس لیے منع کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ حالانکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مگر یہ قوم ہی بے عقل ہے۔

میں نے ان کے بعض بزرگوں کو کہتے سنا کہ جو پانچوں گناہ یعنے زنا۔ سرقہ۔ ترک نماز۔ و ضیاع زکوٰۃ۔ وغیرہ پر قایم ہو، ان میں سے بعض سے توبہ کرے اور بعض سے نہ کرے، تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔
۱۲۵ سمنانی نے تصریح کی ہے کہ یہ باقلانی کا قول ہے اور یہی ابو ہاشم الجبائی کا قول بھی ہے۔ سمنانی نے کہا ہے کہ یہ قول بالکل خلاف اجماع اور دین امت کے خلاف ہے۔ اور یہ سمنانی کی تصریح اپنے شیخ کے بارے میں ہے "وشھدوا علی انفسھم واقبل بعضھم علی بعض یتلاومون" (انھوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی۔ اور بعض بعض کی ملامت پر متوجہ ہوئے)۔

یہ قول قرآن واحادیث کے مخالف ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ" (جو ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا اسے بھی دیکھے گا اور جو ذرہ بھر بھی بدی کرے گا اسے بھی دیکھے گا)۔ اور فرمایا ہے "ونضع الموازین القسط لیوم القیمۃ فلا تظلم نفس شیئا۔ وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بھا۔ وکفی بنا حاسبین" (اور قیامت کے روز ہم میزان عدل قایم کریں گے۔ چنانچہ

کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔ اگر وہ بہ قدر رائی کے دانے کے ہوگا ہم اُسے بھی لائیں گے۔ اور ہم کافی حساب لینے والے ہیں)۔ اور فرمایا ہے "انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکرا وانثی" (بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے مرد یا عورت کا عمل ضائع نہ کروں گا)۔ ہر صاحب عقل بدیہی طور پر جانتا ہے کہ زنا سے توبہ کرنا بہت بڑی خیر ہے۔ لیکن یہ جاہل کہتا ہے کہ وہ صاحب خیر نہیں/ یہ مسلم مومن کا ایسا عمل ہے جو اللہ کے نزدیک ضائع ہے۔ ومعاذ اللہ من ہذا۔

اس لعنتی قول کا راز اور اس کی وہ حقیقت جو اس کے قائل کے لیے ضروری ہے یہ ہے کہ ایسے شخص کی نماز و زکوٰۃ ادا کرنے کے کوئی معنے نہیں جو زنا و شراب خواری پر اصرار کرے۔ گویا یہ شخص نماز پنجگانہ و زکوٰۃ و روزۂ رمضان و حج کے ترک کا حکم دیتا ہے۔ لہذا اس قول پر اور اس کے قائل پر پے در پے لعنتیں ہوں جب تک کہ شب و روز کا دور رہے۔

سمنانی نے اپنے شیخ باقلانی کے متعلق تصریح کی ہے کہ وہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کبائر سے پرہیز کرنے کی وجہ سے صغائر کی مغفرت نہیں کرے گا۔

میں نے ان کے ایک بزرگ کو سنا جو گناہوں میں صغائر کا منکر تھا۔ میں نے اُس سے اس آیت سے مناظرہ کیا کہ "ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم" (جن گناہوں سے تمہیں منع کیا جاتا ہے اُن کے کبائر سے بچو تو ہم تمہاری بدیوں کا کفارہ کر دیں گے) میں نے کہا کہ ہر صاحب فہم بہ ضرور جانتا ہے کہ بغیر اپنے سے صغیر (چھوٹے) کی طرف نسبت کیے ہوئے کبائر (بڑے گناہ) ہو ہی نہیں سکتے۔ صغیر وہی گناہ ہیں جو حسب تصریح کلام اللہ کبائر سے پرہیز کرنے کی وجہ سے بخشے جائیں گے۔ تمہارا یہ قول قرآن کے بالکل خلاف ہوا۔ وہ بدحواس ہو گیا اور اُس نے غضب و غصے کی پناہ لی۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تکذیب اور بلا تکلف اُس کے حکم کا رد ہے۔

ان لوگوں کی ہوس آمیز خرابی اور بے حیائی میں سے ان کا یہ قول بھی ہے کہ نہ آگ میں گرمی ہے نہ برف میں سردی۔ نہ شہد میں شیرینی ہے نہ ایلوے میں تلخی۔ یہ کیفیت اللہ تعالیٰ محض چھونے اور چکھنے کے وقت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ وہ قدیم حماقت ہے جس کی طرف ان کے افکار طبائع نے رہنمائی کی ہے۔ ہم نے اس پر ان سے مناظرہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے شیخ با فلانی کا یہ قول بھی ہے کہ "انگور کے چھلکوں میں بو ہے اور شیشے اور کنکریوں میں مزہ اور بو ہے"۔ یہ لوگ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئے کہ انھوں نے کہا کہ فلک میں بھی مزہ و بو ہے۔ اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ انھوں نے کب اُسے چکھا یا سونگھا یا اُس کے متعلق کس نے انھیں خبر دی۔ اسے سوائے اللہ کے اور پھر سوائے اُن ملائکہ کے کہ وہاں ہیں کوئی نہیں جان سکتا۔

جو شیشے کا مزہ چکھے اور اُس کی بو سونگھے تو وہ قابل اعتراض نہیں ہے اگر یہ دعویٰ کرے کہ اُس نے فلک کو دیکھا اور اُسے چھوا سونگھا اور چکھا ہے۔

ان کی خرابیوں میں سے ان کا یہ قول بھی ہے کہ آج جو شخص اخلاص کے ساتھ دین اسلام پر ہے دل سے بھی، زبان سے بھی، اور عبادت میں خوب سرگرم بھی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ وہ کافر ہو کے مرے گا، تو وہ اس وقت بھی اللہ کے نزدیک کافر ہے۔ جو اس وقت کافر ہے، آگ اور صلیب کو سجدہ کرتا ہے، یا یہودی یا زندیق ہے، اور یہ سب کھلم کھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہے کہ وہ مسلم ہو کے مرے گا، تو وہ اس وقت بھی اللہ کے نزدیک مسلم ہے۔

ہشام الفوطی سے پہلے اسے کبھی کسی مسلمان نے نہیں کہا۔ یہ مشاہدے کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی خالص تکذیب ہے۔ گویا انھوں نے کبھی یہ کلام الٰہی نہیں سنا ذٰلک بانھم آمنوا ثم کفروا (یہ اس لیے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر انھوں نے کفر اختیار کیا)۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مومنین فرمایا

اس کے بعد خبر دی کہ یہ لوگ کافر ہو گئے۔

اور نہ یہ کلام الٰہی سُنا کہ "ومن یرتد د منکم عن دینہ فیمت و ھو کافر" اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے پھر وہ کافر ہونے کی حالت میں مرجائے)۔ اُس نے اسلام کو دین قرار دیا اس لیے کہ وہ اُسی دین پر تھا۔ اگرچہ اُس سے پھر گیا۔

اور نہ یہ کلام الٰہی سُنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلم اصحابؓ کے خطاب میں ہے "ولاتقولوا لمن القی الیکم السلام لست مؤمنا۔ تبتغون عرض الحیوۃ الدنیا فعند اللہ مغانم کثیرہ۔ کذلک کنتم من قبل فمن اللہ علیکم فتبینوا" (جو تمھیں سلام کرے اُس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ تم دنیاوی زندگی کا سامان تلاش کرتے ہو۔ تو اللہ کے یہاں بہت سے اموال غنیمت ہیں۔ پہلے تم ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا۔ لہذا خوب غور کرو)۔

مرجیہ کو یہ لازم آتا ہے کہ جس شخص کا باپ اسلام لائے اور وہ خود اسلام نہ لائے اس لیے کہ وہ بالغ تھا، پھر اُس کا باپ مرجائے تو یہ شخص اپنے کفر کی وجہ سے اُس کا وارث نہ ہوگا۔ پھر وہ اسلام لایا تو انھیں لازم ہے کہ یہ اپنے حکم کو فسخ کردیں اور اُسے اُس کے باپ سے میراث دلائیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک جب اس کا باپ مرا ہے تو وہ شخص یعنے بیٹا
۱۶۶ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلم تھا۔ انھیں یہ بھی لازم ہے کہ جو بچہ تھا پھر وہ زندہ رہا یہاں تک کہ بوڑھا ہو گیا تو وہ اللہ کے نزدیک بوڑھا ہی ہو۔ اگر ان کی قابل اعتراض باتیں جمع کی جائیں تو ان سے ایک بڑا دفتر مرتب ہو جائے۔

ان سب نے کہا ہے کہ روئے زمین پر کوئی یہودی یا نصرانی ایسا نہیں ہے جو اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کے حق ہونے کا اقرار کرتا ہو۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں یہ قرآن مجید کی تکذیب اور مشاہدے کی مخالفت ہے اُس لیے کہ ہم لوگ شمار نہیں کرسکتے کہ ان میں سے کتنے اسلام میں داخل ہوئے، ان کا ایمان درست تھا اور وہ عادل

ہو گئے۔ اُن میں سے کوئی بھی اس میں اختلاف نہیں کرتا کہ اپنے اسلام سے قبل اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتا اور اسے جانتا تھا جس طرح اپنے اسلام کے بعد کرتا ہے۔ اُس کی توحید میں کچھ بھی اضافہ نہیں ہوا۔ ان لوگوں نے مشاہدے کی مخالفت اور اپنی حماقت اور بے نظیر بے حیائی سے قرآن کی تکذیب کی۔

باقلانی نے اپنی کتاب "الانتصار فی القرآن" میں کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے ان اقوال کے معنے کہ "لایرضی لعبادہ الکفر" (وہ اپنے بندوں کے لیے کفر سے راضی نہیں) اور "لایحب الفساد" (وہ فساد کو پسند نہیں کرتا) اس کے معنے یہی ہیں کہ وہ اہل صلاح کے لیے فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اپنے مومن بندوں سے راضی نہیں کہ وہ کفر کریں۔ اُس کی مراد یہ نہیں ہے کہ مخلوق میں سے کسی کے کفر سے راضی نہیں اور وہ کسی کا بھی فساد پسند نہیں کرتا۔" اس کے بعد اُس نے کہا ہے کہ "اگرچہ وہ اہل کفر و اہل فساد کے لیے اُس سے راضی ہوا اور اُس نے اسے پسند کیا ہے۔"

یہ اللہ تعالیٰ کی محض تکذیب ہے۔ پھر یہ خبر کہ کفار نے جو کفر کیا وہ ایک ایسا امر ہے جس سے اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہے اور اُس نے اسے اُن سے پسند کیا! اس آیت کے ہوتے ہوئے کسی مسلم کی عقل میں کیسے آسکتا ہے "اتبعوا ما اسخط اللہ وکرھوا رضوانہ فاحبط اعمالھم" (ان لوگوں نے ایسے امور کی پیروی کی جنھوں نے اللہ کو ناراض کر دیا۔ اور انھوں نے اللہ کے راضی ہونے کو ناپسند کیا تو اُس نے اُن کے اعمال ضائع کر دیے)۔

اُس کی ظلمت جہل پر تعجب کرنا چاہیے جو ارادۂ کفر و مشیت کفر میں اور تخلیق کفر اور رضا، و محبت کفر میں فرق نہ کرے۔

اسی میں اُس نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کی سب سے چھوٹی سورۃ بالکل معجزہ نہیں۔ بلکہ اُس کے مثل پر قدرت حاصل ہے۔ کتاب مذکور کے دفتر پنجم میں یہ بھی کہا ہے کہ "اگر کہا جائے کہ تم کیا کہتے ہو۔ آیا اللہ تعالیٰ سے یہ ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرا قرآن تالیف کرے جو اس کے سوا ہو اور

اُس کے مقابلے سے خلق کو عاجز کر دے۔ ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ اس قسم کے بے شمار قرآنوں پر قادر ہے اور ایسی کثیر و بے تعداد مقداروں پر قادر ہے جن کا بجز اُس کے کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ بجز اس کے کہ تالیفِ کلام اور نظمِ الفاظ اس حد و انتہا تک پہنچے کہ کلام میں اُس سے زیادہ کثرت و وسعت کا احتمال نہ ہو اور اُن اعداد کے پیچھے کوئی نص و تصریح نہ باقی رہے۔ وزن ایسی چیز ہے کہ احاطۂ قدرت سے خارج نہیں۔

اس نے کہا ہے کہ اس مسئلے میں ہماری نظر تالیفِ کلام و نظم اجسام و تصویر اشخاص میں ہے کہ آیا ایسی حد ضروری ہے جس سے مولف و مرکب و منظوم میں اُس سے اوپر اور اُس سے زائد کا احتمال نہ رہے، یا نہیں۔

اس مقام پر اس نے اللہ کی قدرت کے بارے میں شک کی تصریح کر دی کہ آیا وہ محدود ہے جیسا کہ اُس کا برادر کفر و گمراہی ابوالہذیل کہتا ہے۔ یا غیر محدود ہے جیسا کہ اُسے اہلِ اسلام کہتے ہیں۔ ونعوذ باللہ من الضلال۔

ایک ایسے شخص نے جس کی اُن لوگوں میں آمد و رفت تھی، ان سے اُس کا زبردست تعلق تھا، وہ صاحبِ فہم و ذکا تھا اور باطن میں اُن لوگوں کو بُرا سمجھتا تھا، مجھے خبر دی ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے زمین کو پیدا کیا ہے تو اُس نے ایک بہت بڑے جسم کو بھی پیدا کیا جو اُسے نیچے گرنے سے روکے۔ مگر جب اُس نے اس جسم کو پیدا کیا تو اُس کو اُس وقت بغیر کسی توقف کے فنا کر کے دوسرے جسم کو پیدا کر دیا جو اُسے روکے، جب اسے پیدا کیا تو پیدا کرنے کے بعد ہی بغیر کسی توقف کے اُسے بھی فنا کر کے ایک اور جسم پیدا کر دیا، اسی طرح وہ ہمیشہ کرتا رہے گا۔“ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا کہ اس وسوسے اور اللہ پر بہتان کے متعلق جس کا ان کے قبل کوئی قائل نہیں ہوا اور جس کی حس و مشاہدہ بھی تکذیب کرتا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ ”زمین کے لیے کسی روکنے والے جسم کی ضرورت ہے ورنہ جھک جائے گی۔ اگر وہ

جسم دو وقت باقی رہے یا بہ قدر پلک جھپکنے کے بھی باقی رہے تو خود بھی زمین کے ساتھ گر پڑے، لہذا وہ پیدا کیا گیا اور اپنی پیدائش کے بعد فوراً فنا کر دیا گیا اور گرا نہیں"۔ اس لیے کہ "جسم ان کے یہاں اپنی ابتدائی خلقت میں نہ ساکن ہے نہ متحرک"۔

یہ استدلال بھی حماقت بالائے حماقت ہے۔ کبھی کسی کی عقل میں ایسا جسم نہ آیا ہوگا جو نہ ساکن ہو نہ متحرک۔ جسم کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو وہ ایسے مکان میں تھا جو اسے اس کے تمام اطراف و جہات سے گھیرے ہوئے تھا اور بلا شک وہ جسم ابتدائے خلقت میں اپنے مکان میں ساکن تھا اس کے بعد متحرک ہوا۔ جیسے ان لوگوں نے یہ کلام الٰہی سنا ہی نہیں "ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا" (بے شک اللہ ہی زمین و آسمان کو ہٹنے سے روکے ہوئے ہے)۔

۱۶۷ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہی بغیر تکلف کے جس طرح اس نے چاہا انھیں روکے ہوئے ہے جس کی اس نے ہمیں خبر نہیں دی اور نہ اس نے عقول میں اس پر کوئی دلیل پیدا کی۔ اگر اس حماقت کا قائل حق سے واقف ہوتا اور علم ہیئت کے دلائل و براہین کا مطالعہ کرتا تو جس حماقت کو لایا ہے اس سے شرمندہ ہوتا۔

ان کی خرابی میں سے اسی باقلانی کا وہ قول ہے جو اس کی کتاب "الانتصار فی القرآن" میں ہے کہ "آیات قرآن کی تقسیم اور سورتوں کے مقامات کی ترتیب وہ چیز ہے جسے لوگوں نے کیا، وہ نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہے"۔

یہ جاہل جھوٹا ہے اور اس نے تہمت لگائی ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اس نے قرآن کی یہ آیت نہ سنی ہوگی "ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا" (ہم کوئی آیت نہ منسوخ کرتے ہیں اور نہ اسے بھلاتے ہیں کہ اس سے بہتر یا برابر آیت نہ لاتے ہوں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیت کرسی و آیت کلالہ (لاولد) کے بارے میں نہ سنا ہوگا اور

یہ حدیث نہ سنی ہوگی کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ کے فلاں مقام میں درج کیا جائے۔ اگر لوگ اس کی سورتوں کو مرتب کرتے تو وہ تین میں سے کسی ایک وجہ سے تجاوز نہ کرتے کہ یا تو نزول کے اعتبار سے اول کو پھر اول کو مرتب کرتے۔ یا اطول پھر اُس سے کم طویل کو مرتب کرتے یا اقصر کو پھر اس سے کچھ زائد کو مرتب کرتے، مگر چونکہ یہ ترتیب اس طرح کی نہیں ہے لہٰذا ثابت ہوگیا کہ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے معارض نہیں ہے۔ اس کے سوا اور کچھ قطعاً ناممکن ہے۔

ان کی خرابیوں میں باقلانی کا وہ قول ہے جو اس کی کتاب فی مذاہب القرامطہ" میں ہے۔ کتاب کے ختم کے قریب ایک باب ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ "دہریہ و فلاسفہ وثنویہ کے مقالات کا اجمالی بیان"۔ اس میں باقلانی نے کہا ہے کہ "اجناس حوادث میں سے جس کا باقی رہنا محال ہے وہ اعراض ہیں۔ کیوں کہ حدوث کے دوسرے حال میں بغیر کسی معدوم کرنے والے کے اُس کا عدم ضروری ہے اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اُسے فنا کرے"۔ یہ اُس کے کلام کی نص و تصریح ہے۔

اسی فصل کے متصل اُس نے کہا ہے کہ "ہم تو کہتے ہیں کہ جواہر فنا ہوتے ہیں۔ ہماری مراد اُن کی ہستی و وجود کے اس طرح منقطع ہونے سے ہے کہ اُن جواہر کا وجود ہی نہ رہے نہ کسی مکان میں نہ کسی ایسی شے میں جس میں مکان کو فرض کیا جاسکے۔ جب اُن جواہر میں وجود میں سے کچھ بھی شامل نہ رہا تو وہ چیز معدوم ہوگئی جس میں اُن میں سے کوئی ایسی چیز پیدا کی جائے کہ ان کے معدوم ہونے کی موجب ہو"۔ یہ اُس کے کلام کی نص ہے۔ اور یہ جواہر و اعراض کے فنا کرنے کا قائل ہونا ہے۔ یہ وہ فنا اور معدوم کرنا ہے جن کا کوئی فاعل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی فنا ہونے والے کو فنا نہیں کیا۔ ہم اس خالص الحاد و گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ان سب نے یہ کہا ہے کہ کفار پر اللہ تعالیٰ کا کوئی دینی انعام

ہرگز نہیں ہے۔ ان کے شیخ اشعری نے کہا ہے کہ کفار پر اللہ کی کوئی دنیوی نعمت بھی نہیں ہے۔ حالانکہ یہ اُس کی اور اُس کے گمراہ پیرووں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے کیوں کہ وہ فرماتا ہے کہ بدلوا نعمة اللہ کفرا واحلوا قومهم دار البوار جهنم یصلونها وبئس القرار" (ان لوگوں نے کفر سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدل دیا اور اپنی قوم کو مقام ہلاکت یعنے جہنم میں اُتار دیا جس میں خود بھی داخل ہوں گے اور جو بہت بُرا ٹھکانا ہے)۔ اور فرماتا ہے" یابنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم و انی فضلتکم علی العٰلمین" (اے بنی اسرائیل میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کیں اور میں نے تمھیں تمام عالموں پر فضیلت دی)۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں کفار کو لاجواب کرنے کے لیے اس آیت میں خطاب فرمایا ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کیا تھا۔

دنیوی نعمتیں بھی بہت ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ" قتل الانسان ما اکفره من ای شیئ خلقه من نطفة خلقه فقدره ثم السبیل یسره ثم اماته فاقبره۔ ثم اذا شاء انشره۔ کلا لما یقض ما امره۔ فلینظر الانسان الی طعامه انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا۔ فانبتنا فیها حبا وعنبا وقضبا وزیتونا ونخلا وحدائق غلبا و فاکهة وابا متاعا لکم ولانعامکم" (آدمی پر خدا کی مار۔ یہ کیسا ناشکرگزار ہے۔ اللہ نے اسے کاہے سے پیدا کیا۔ نطفے سے۔ اسے پیدا کیا پھر اسے اندازے سے بنایا پھر اس کے لیے راستہ سہل کر دیا۔ پھر اسے موت دی پھر اسے قبر میں جگہ دی۔ پھر جب چاہے گا اُسے اُٹھائے گا۔ اس نے اب تک اُس حکم کی بجا آوری نہیں کی جو اس کو دیا تھا۔ پھر انسان کو اپنی خوراک کی طرف نظر ڈالنا چاہیے کہ ہم نے کس طرح پانی برسایا۔ پھر کس طرح زمین کو شق کیا۔ پھر ہم نے کس طرح اس میں غلّے انگور ترکاری زیتون کھجور گھنے ہوئے باغ اور میوہ اور چارہ پیدا کیا۔ جو تمھارے اور تمھارے مویشی کے فائدے کے لیے ہے)۔ اس قسم کا مضمون قرآن میں بہت ہے۔

باقلانی نے اپنی کتاب الانتصار فی القرآن کے اُس باب میں کہا ہے جس میں یہ بیان ہے کہ "قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ ان لوگوں نے ملحدین کا وہ سوال بیان کیا ہے جس میں مسلمانوں سے اس دعوے کی صحت پر دلیل مانگتے ہیں کہ قرآن معجزہ ہے۔ باقلانی نے کہا کہ انھیں جواب دیا جائے کہ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری نشانیوں کے معجزہ کہنے کے کیا معنے ہیں۔ اس کے صرف یہ معنے ہیں کہ یہ ان اشیا میں سے ہے جس پر بندے قادر نہیں اور درحقیقت یہ اُس سے عاجز ہیں۔ لیکن قرآن اور رسولوں کی دوسری نشانیاں مثلاً عصائے موسیٰ اور پتھر سے اونٹنی کا نکلنا۔ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کا شفایاب ہونا اور مُردوں کا زندہ کرنا۔ ان امور کو معجزہ کہنا، اگرچہ کسی عاجز کا عجز ان کے متعلق نہیں ہوا ہے، یہ صرف اُن امور کے نام پر نام رکھ لینا ہے جن سے بندوں کا اور اُن کی قدرت کا عجز ثابت ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ رسولوں کی نشانیوں کا مقابلہ کرنے سے محض اس لیے عاجز رہے کہ انھیں اس پر قدرت نہ تھی۔ ان امور سے عاجز کہنا اُن امور کی مشابہت کی وجہ سے ہے جن سے واقعی عجز ہے۔

۱۲۸ باقلانی نے کہا ہے کہ وہ چیز جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ عرب کا قرآن کے مثل لانے سے عاجز ہونا ممکن نہیں اس لیے کہ یہ درست و ثابت ہے کہ عجز جب ہی ہوتا ہے جب عجز موجود سے ہو۔ اگر یہ لوگ اسی قاعدے پر قرآن و عصائے موسیٰ و احیائے موتیٰ سے اور اجسام کے پیدا کرنے اور سنانے سے اور دکھانے سے اور پریشانی و مصائب کے دور کرنے سے عاجز ہیں تو ضروری ہے کہ یہ مثال ان کے اندر موجود ہو اور ان سے صادر ہو۔ جیسا کہ اگر یہ لوگ اس پر قادر ہوتے تو اس کا صادر ہونا ان سے ضروری تھا۔ جب یہ ایسا نہیں ہے تو ثابت ہو گیا کہ درحقیقت بندوں کا قرآن کے مثل سے عاجز ہونا، باوجودیکہ اُن سے اس کا صدور معدوم ہے، اور اُن کے لیے اس کا موجود نہ ہونا، اور عصائے موسیٰ کے

سانپ بنانے سے اور اس کے مثل سے عاجز ہونا، ممکن نہیں۔
کیا اس کفر کے بعد کسی اور کفر کی تصریح کا انتظار کیا جائے گا کہ بندوں کو اور عربوں کو قرآن جیسا مصحف، عصائے موسیٰ جیسی لاٹھی لانے اور عصا کے سانپ بنانے سے عاجز ہونا غیر ممکن ہے۔ کوئی کمزور بھی یہ کہنے میں دھوکا نہ کھائے گا کہ یہ لوگ ان امور پر قادر نہیں ہیں۔ یہ محض اُس کے اس قول کی بنا پر ہے جو مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا اور جو اُس سے ظاہر ہوا اس کے سوا پر وہ قادر نہ تھا۔ اس فصل میں اس کا یہ قول عظیم الشان محال ہے کہ "عاجز کا عجز صرف اسی چیز سے ممکن ہے جس پر وہ قادر بھی ہو"۔ اس کے ساتھ ہی اس کا یہ کلام اس امر کا موجب ہے کہ اگر عرب اور بندے قرآن کے مثل سے عاجز رہے تو وہ اس پر قادر تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ بلا شک یہ شخص اسلام کو فریب دینے والا ملحد تھا کیوں کہ یہ وہ اقوال ہیں جنھیں کسی مسلمان کی زبان ادا نہیں کر سکتی۔
باقلانی کے کفر اور دین میں مکاری پر برہان اس کا وہ قول ہے جو باب مذکور و فصل مذکور میں ہے کہ جو شخص قرآن کو محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے، اُس پر یہ واجب نہیں کہ فوراً اس کا یقین کرے کہ یہ آپ کا معجزہ ہے یا آپ پر ظاہر ہوا ہے اور آپ ہی کے متعلق ظاہر ہوا ہے، تا وقتیکہ آس پاس والوں اور واقعات کے نقل کرنے والوں سے دریافت نہ کرے اور اطراف کے اس زبان کے بولنے والوں سے حال نہ معلوم کرے، جب تحقیق کے اور غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ آپ سے پہلے اسے کسی نے پیش نہیں کیا تو اس وقت اسے آپ کی نبوت کا اعتقاد لازم ہے۔
اس شخص کو اس کا اندیشہ تھا کہ لوگ اس کو کتے کی طرح پتھر ماریں گے اگر یہ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باطل ہونے کی تصریح کرے گا، اس لیے اُس نے لوگوں سے ایک ایسی چیز بیان کر دی

جو قریب ہی ہے اُنھیں اس امر تک پہنچا دے۔ کیوں کہ اس نے یہ ضروری کر دیا کہ کوئی شخص محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار نہ کرے، نہ اس کا کہ آپ قرآن لائے اور نہ اس کا کہ قرآن آپ کی صحت نبوت کی نشانی ہے تاوقتیکہ وہ اطراف وجوانب کے لوگوں سے دریافت نہ کرلے، خبروں کا انتظار کرے، اور دنیا کے عربی بولنے والوں سے حال دریافت کرلے۔

واللہ، اس نے ایسے کام کا حوالہ دیا ہے جو کبھی ختم ہی نہ ہوگا، اگرچہ انسان کو عمر نوح علیہ السلام دے دی جائے۔ اس لیے کہ اہل اطراف وجوانب کا سوال ایک ہزار برس میں بھی ختم نہ ہوگا اور اخبار کے انتظار کے لیے بھی کوئی حد نہیں ہے۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ پردہ نشین عورت اور طالب معاش انسان اس امر محال کے ایک کنارے تک بھی کب اور کیسے پہنچ سکے گا۔ اہل اطراف وجوانب تو وہ لوگ ہیں جو ابتدائے چین سے آخر اندلس تک، وہاں سے بلاد زنج تک، وہاں سے صقالیہ تک، اور ان ممالک کے درمیان تک ہیں۔ لہٰذا اس جاہل ملحد کا کفر اور اسلام کے لیے اس کی مکاری جیسے ادنیٰ سی حس ہے اُس کے لیے بھی واضح ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اس میں اس کا مکر و کید کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "ان کید الشیطن کان ضعیفا" (بے شک شیطان کا مکر و کید کمزور ہے)۔

اس فصل میں جس کا قائل ملعون ہے، وہ جو حماقت لایا ہے اُس کے لیے یہ کافی ہے کہ جسے اخبار و عربیت کا زبردست علم ہے، اُسے عربوں کا اُس وقت سے لے کے اب تک آپ کے مقابلے سے عاجز رہنے کا تیقن کافی ہے۔ یہ بدیہی بات ہے کیوں کہ قرآن سب کا سب ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا کہ اس باب میں کسی کا دعویٰ مقابلہ ممکن ہوتا۔ قرآن تو ہر واقعے میں فیصلہ کرنے کے لیے نازل کیا گیا جب وہ واقعہ پیش آیا تو اُس کے بارے میں

قرآن نازل ہوتا تھا، یہ وہ بدیہی بات ہے جو ضروری ٹھیراتی ہے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس تھا جو اللہ کی وحی کے ذریعے سے کہ آپ کو بھیجی گئی ظاہر ہوا۔ اور غیب کی اُن پیشین گوئیاں بھی اس میں نہیں جن کی آپ نے اطلاع دی اور وہ ظاہر ہوئیں۔ لیکن جسے لغت واخبار وتاریخ کا علم نہیں اُسے اسی کا خبر دینا کافی ہے جس کے خبر دینے سے علم ویقین ہو جائے کہ عرب اس قرآن کے مثل لانے سے عاجز رہے اور آپ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے لائے جو
۱۶۹ اُن واقعات کے پیش آنے پر اللہ تعالیٰ ایک یا دو آیتوں میں اور قرآن وتوریت کے ایک یا دو کلمات میں نازل فرماتا تھا یہاں تک کہ (تھوڑا تھوڑا) کرکے یہ اس طرح مکمل قرآن ہو گیا جس طرح اب ہے۔ یہی حق ہے اور اس کے سوا محض الحاد اور بیہودہ کلام ہے۔

ان کے خالص کفر میں سے سمنانی کا وہ قول ہے جو اُس نے باقلانی کے متعلق تصریح کی ہے کہ وہ کہتا تھا کہ وہ تمام معاصی جن میں سے ہم کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے اجن کا بخشش دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہو، بجز تبلیغ میں کذب کے، بقیہ تمام گناہوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونا ممکن ہے۔ باقلانی نے کہا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز سے منع کیا جائے، اس کے بعد آپ اُسے کریں، تو آپ کا یہ فعل اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ممانعت منسوخ ہو گئی ہے۔ کیوں کہ آپ اسے اللہ کی نافرمانی کے طور پر بھی کر سکتے ہیں۔

باقلانی نے کہا ہے کہ آپ کے اصحابؓ پر آپ کے اس فعل پر اعتراض کرنا فرض نہیں۔

سمنانی نے کتاب الامامۃ میں کہا ہے کہ اگر اس پر دلالت عقلی نہ ہوتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ میں جھوٹ بولنے سے محفوظ ومعصوم ہیں تو تبلیغ میں بھی آپ کا معصوم ہونا اُسی طرح واجب نہ ہوتا جس طرح علاوہ تبلیغ کے آپ اپنے تمام افعال واقوال میں معصوم نہیں ہیں۔

اسی نے ایک دوسرے مقام پر کہا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ادائے رسالت کے بعد کفر کریں۔

قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ قول کسی ایسے مسلم کا نہیں ہوسکتا جو آپ کا ناصر اور آپ کی طرف داعی ہو اس کا قائل بجز کافر و ملحد کے کوئی نہیں ہوسکتا تمھیں جاننا چاہیے کہ اس نے کفر و زنا و اغلام و حرام کاری و سرقہ و تمام معاصی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جائز رکھا ہے۔ اسلام کے لیے اس سے بڑا اور کونسا مکر ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھی ابن فورک نے رد کیا اور اس کا انکار کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صغائر معاصی کو جائز رکھا ہے، مثلاً عورتوں کی بوسہ بازی، عورتوں کا اپنے تئیں نمایاں کرنا، لڑکوں کا جلق لگانا اور اسی قسم کے گناہ۔

لیکن ان دونوں کے شیخ ابن مجاہد البصری کی پیروی نہیں کی گئی کیوں کہ اُس نے ان سب امور سے منع کیا ہے۔ اس سے اللہ کی پناہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عمداً کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ جائز رکھا جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنۃ" (بے شک تمھارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بہترین نمونہ ہے)۔ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کسی عاصی کی معصیت کو خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ نمونہ بنانے کا حکم دے۔

تمھیں اس ملحد کے دین کو اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے سے تعجب کرنا چاہیے۔ کیوں کہ یہ یہاں یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ پر فرض نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے پروردگار کی نافرمانی پر اور اپنے اُس حکم کی خود ہی مخالفت پر جو آپ نے صحابہؓ کو دیا ہے اعتراض کرتے۔ حالانکہ یہی شخص اپنے مسلک قیاس کی تائید میں یہ کہتا ہے کہ صحابہؓ میں سے جو قیاس کریں، اُن کا قیاس، اور جو اپنے انکار و اعتراض سے سکوت کریں اُن کا سکوت، اس کی دلیل ہے کہ قیاس سے حکم دینا واجب ہے۔ اس لیے کہ وہ حضرات کسی امر منکر کو باقی نہیں رکھتے تھے مگر اس نے معاذ اللہ اُن کے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قابل اعتراض فعل پر قائم رہنے کو ثابت کر دیا۔ اور اُن کے قیاس پر قائم رہنے کا انکار کر دیا اگر وہ منکر ہوتا۔ اُس نے اس میں مناقضہ وکذب کو صحابہؓ پر قیاس کا دعویٰ کرتے ہیں، اور اس دعوے میں کہ یہ سب لوگ صحابہؓ کے قیاس سے واقف تھے، اور اس دعوے میں کہ صحابہؓ نے آپ پر اعتراض نہیں کیا، جمع کر دیا۔ اور جو لوگ کذاب اور دین سے کھیلنے والے ہوتے ہیں اُن کی یہی صفات ہیں۔

ان کے زبردست مصائب میں سے وہ ہے جو سمنانی نے باقلانی سے حکایت کی ہے کہ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اہل زمانہ سے رسالت کی حالت میں اور اس کے بعد وفات تک آپ کا افضل ہونا ضروری ہے۔ کچھ لوگوں نے آپ کے افضل ہونے کو واجب کہا ہے اور کچھ لوگوں نے اس کو غیر ضروری کہا ہے۔ باقلانی نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔

واللہ، یہ تو ایسا کفر ہے جو ذرا بھی مخفی نہیں۔ کیوں کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد کسی اور کا آپ سے افضل ہونا جائز رکھا۔ حالانکہ ہم نے احمد بن خابط پر جس چیز پر اعتراض کیا ہے وہ اس سے کمتر ہے، کیوں کہ اُس نے یہ کہا ہے کہ ابوذرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زہد میں زیادہ تھے۔ باوجودیکہ اسی ذلیل باقلانی کا ایک قول ہے جیسے سمنانی نے اس سے اپنی کتاب "الکبیر" باب الامامۃ میں نقل کیا ہے کہ شرط امامت میں سے ایک یہ ہے کہ امام اپنے زمانے والوں سے افضل ہو۔

دین کے ساتھ کیسی عیاری ہے کہ اس کافر کے نزدیک ایسے لوگوں کا
جو نبی ور رسول نہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونا تو جائز و ۱۶۰
ممکن ہے مگر اس کے نزدیک یہ ناجائز ہے کہ کوئی ایسا شخص والیِ امامت بنے کہ لوگوں میں کوئی اُس سے افضل موجود ہو۔ یہ حماقت بھی کھلی ہوئی حماقت ہے۔ اس لیے کہ یہ تکلیف مالایطاق ہے۔ ایک کے دوسرے سے افضل ہونے کا یقین بجز اللہ تعالیٰ کی جانب سے نص وتصریح کے ناممکن ہے۔

قریش کے سب سے افضل کا کیسے احاطہ کیا جائے حالانکہ یہ لوگ اقصائے سندھ و کابل و مکران سے اشبونہ تک، وہاں سے سواحل بحر محیط تک سواحل بحر یمن سے آرمینیہ کی سرحدوں تک، آذربیجان تک، اور ان ممالک کے درمیان بھی مقیم ہیں۔ اے اللہ اس پر لعنت کر جو نہ شرمائے۔

کمینے باقلانی سے تعجب یہ ہے کہ اس نے خلاف اجماع ابو حنیفہ کے متعلق یہ یقین کر لیا کہ انھوں نے (نماز میں) بزبان فارسی قرأت کی اجازت دی ہے۔ باقلانی یہ بھی تصریح کرتا ہے کہ آیاتِ قرآنی کی ترتیب بر بنائے نص نہیں، بلکہ اجماع پر مبنی ہے۔ امام مالک نے اس شخص کو اس کی اجازت دی ہے کہ جو طلوع و غروب آفتاب کے وقت تلاوت کرے، سجدے کی آیت آجائے تو وہ آیت سجدہ سے پہلے کی آیت کو آیت سجدہ کے بعد کی آیت سے ملا دے۔ اس کے نزدیک امام مالک اجماع کے مخالف ہو گئے۔ اس نے فیصلہ کر دیا ہے کہ امام شافعی اپنے اس قول میں اجماع کے مخالف تھے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔ داؤد نے ابطال قیاس کا قائل ہو کر اجماع کی مخالفت کی ہے۔ یہ جاہل شرماتا نہیں کہ جو صفت جہالت خود اس کی ہے علما کو اس سے موصوف کرتا ہے۔ یہ بھی نہیں جانتا کہ عاصم و ابن کثیر اور دوسرے قراء اور صحابہؓ کا بھی ایک گروہ وہی کہتا ہے جو شافعی کا قول ہے جس کو اس نے خلاف اجماع قرار دیا ہے۔

کبھی کسی صحابیؓ سے کوئی روایت ایسے طریق سے نہیں آئی جو ثابت ہو کہ قیاس سے حکم دینا واجب ہے۔ حالانکہ انکار قیاس کو ابن مسعود و مسروق و شعبی وغیرہم نے کہا ہے۔ لیکن اللہ ہی جسے گمراہ کرے اسے کون ہدایت کر سکتا ہے۔

اس کے عجائب میں سے اس کا یہ قول ہے کہ عامی کو جب کوئی واقعہ پیش آئے تو اس کا فرض ہے کہ اپنے شہر کے سب سے بڑے فقیہ و عالم سے دریافت کرے۔ جب وہ اسے فتوٰی دیدے تو اس پر عمل کرنا اس کا فرض ہے۔ اگر دوبارہ اسے یہی واقعہ پیش آئے تو اسے اس فتوے پر عمل کرنا

جائز نہیں۔ البتہ دوبارہ دریافت کرے۔ خواہ اُسی فقیہ سے یا دوسرے سے۔ اس دوسرے فتوے پر عمل کرنا اس کا فرض ہے۔ اور اسی طرح ہمیشہ کرتا رہے۔

یہ تکلیف مالایطاق ہے کیوں کہ اس نے ہر عامی پر یہ واجب کر دیا ہے کہ وہ ہر ضرورت کو جو نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ نکاح۔ بیع و شراء میں پیش آرہے، ہمیشہ دریافت کرتا رہے اور ہر چیز کو روزانہ بلکہ ہر گھڑی پوچھتا رہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی حماقت ہوگی۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

ان جماعتوں کی شناعت جن کے فرقے معروف نہیں

صوفیہ کے ایک گروہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اولیاء اللہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو تمام انبیاء و رسل علیہم السلام سے افضل ہیں۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ جو شخص ولایت کے انتہائی مرتبے پر پہنچ جاتا ہے اُس سے تمام شرائع ساقط ہو جاتے ہیں، یعنے نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ وغیرہ۔ اُس کے لیے تمام حرام امور حلال ہو جاتے ہیں، یعنے زنا و شراب خواری وغیرہ۔ اسی سے ان لوگوں نے دوسروں کی عورتوں کو مباح کر لیا ہے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہم لوگ اللہ کو دیکھتے ہیں، اُس سے کلام کرتے ہیں، اور جو کچھ ہمارے دلوں میں ڈالا جاتا ہے وہی حق ہوتا ہے۔

میں نے صوفیہ میں سے ایک شخص ابن شمعون کا کلام دیکھا ہے جس کی نص و تصریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم کی ماہیت ہے اور ماہیت کے پورا کرنے والے

چھتیس ۳۶ حرف ہیں جن میں سے ان حروف ہجا دیں صرف ایک حرف ہے۔ اسی ایک حرف سے اہل مقامات حق تک پہنچتے ہیں۔

اس نے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے ایسے شخص نے خبر دی ہے جس کی حق سے ہم نشینی جاری تھی کہ اُس نے ایک روز اپنا پاؤں پھیلایا تو ندا دی گئی کہ بادشاہوں کے ہم نشین ایسے نہیں ہوتے۔ اس کے بعد اُس نے اپنا پاؤں نہیں پھیلایا مطلب یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مجالس میں اُس کا ہم نشین و ندیم تھا۔

ابو حاضر نصیبی باشندۂ نصیبین نے اور ابو الصیاح السمرقندی نے اور ان دونوں کے اصحاب نے کہا ہے کہ مخلوق ازل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

ابو الصیاح نے کہا ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال نہیں۔ اس نے ابوبکرؓ کے قتال مرتدین کے فعل کو غلط کہا ہے اور ان صحابہؓ کے قول کو درست کہا ہے جو مرتدین کی جنگ میں ابوبکرؓ سے پھر گئے تھے۔

ابو شعیب القلّال نے کہا ہے کہ اُس کا رب ایک جسم ہے بصورت انسان ہے۔ گوشت اور خون ہے، خوش و رنجیدہ رہتا ہے اور بیمار و تندرست ہوتا ہے۔

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اُس کا رب گلیوں میں پھرتا ہے، حتیٰ کہ دیوانے کی طرح چلتا ہے، پتھر لیکے بچے اُس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، اور اُس کا پاشنہ خون آلود کر دیتے ہیں۔

تمھیں جاننا چاہیے (اللہ تم پر رحمت کرے) کہ یہ سب خالص کفریات اُس قوم کے اقوال ہیں جو اسلام کے ساتھ مکاری کرتی ہے۔ شاعر نے سچ کہا ہے ؎

اشھدت بان ابن المعلّم ھازلٌ   باصحابہ والباقلانی اھزل

(میں گواہی دیتا ہوں کہ ابن المعلّم اپنے پیرووں سے ہزل کرتا ہے، اور باقلانی اُس سے بھی زیادہ ہزّال ہے)۔

۱۷۱ وما الجعل الملعون فی ذاک دونہ وکلھم فی الافک والکفر منزل

(جعل ملعون بھی اس امر میں باقلانی سے کم نہیں ۔ بہتان وکفر میں یہ سب کے سب اترے ہوئے ہیں) ۔

واللہ، جو انھیں مقبول مانتے ہیں اور ان کی نسبت حسن ظن رکھتے ہیں وہ اسی طرح دھوکے میں ہیں جس طرح دوسرے شاعر نے کہا ہے کہ ؎

وساع مع السلطان یسعی علیھم ومحترس من مثلہ وھو حارس

(وہ چغلخور ہے جو سلطان سے ان لوگوں کی چغلی کھاتا ہے ۔ ایسے ہی لوگوں سے بچنا چاہیے با وصف اس کے کہ خود ہی وہ نگہبان ہیں) ۔

اللہ تم پر رحمت کرے، تمھیں جاننا چاہیے کہ جتنے گمراہ فرقے تھے اللہ نے ان کے ہاتھ سے کوئی خیر نہیں جاری کی، نہ ان کے ذریعے سے کفر کے ممالک میں سے کوئی گاؤں فتح ہوا، اور نہ اسلام کا علم بلند ہوا ۔ یہ لوگ برابر مسلمانوں کے نظام کے بگاڑنے کی سعی کرتے رہے، کلمۂ مومنین میں پھوٹ ڈالتے رہے ۔ اہل دین پر تلوار کھینچتے رہے اور ملک میں فساد پھیلانے کے لیے دوڑتے رہے ۔ خوارج و شیعہ کی حالت اس میں اتنی مشہور ہے کہ اس کے بیان کی تکلیف کی بھی ضرورت نہیں ۔ باطنیہ بھی اسلام سے مکر کرنے اور کمزوروں کے اسلام سے نکال کر کفر میں لے جانے میں اُسی طریقے پر پہنچے جو شیعہ کا تھا ۔ مُرجیۂ بھی اسی طرح رہے ۔ حارث بن سریج نے اپنے گمان کے مطابق ظلم کو بُرا جان کر بغاوت کی پھر وہ ترکوں میں مل گیا اور ملک اسلام تک اُس نے کافر ترکوں کی رہنمائی کی جس کی بنا پر ترکوں نے اسلامی شہروں کو لوٹا اور برباد کیا ۔ معتزلہ کی بھی یہی سبیل تھی ۔ بجز اس کے کہ معتصم و واثق (خلفائے عباسیہ) جہالت کی وجہ سے اور اس گمان کی بنا پر کہ معتزلہ بھی کچھ ہوں گے، ان کے مقلد ہو گئے ۔ معتصم کی بہت اچھی فتوحات تھیں جیسے بابک و مازیار پر اُس کی فتح ۔

رہے دوسرے فرقے، تو اللہ، اللہ، مسلمانو، اپنے دین کی حفاظت کرو۔ ہم نے اللہ کی مدد سے اس میں تمھارے لیے کلام کو جمع کر دیا ہے۔ قرآن کی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی کرو۔ اُن طریقوں پر چلو جن پر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور ہر ہر زمانے کے اہل حدیث تھے کہ حدیث کو تلاش کرتے تھے اور حدیث ہی کی پابندی کرتے تھے۔ اور ہر نئے طریقے کو چھوڑ دیتے تھے جو بدعت ہے۔ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہوگی۔ دباللہ تعالیٰ التوفیق۔ جو کلام بدعتی نفس پرستوں اور گمراہ مذہب والوں کی خرابیوں میں تھا۔ وہ ختم ہوگیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جزو خامس

معانی جنھیں اہل کلام لطائف کہتے ہیں

سحر و معجزات سے کیا طبائع بدل جاتے ہیں؟

غیر انبیا کے لیے یہ ممکن ہے یا نہیں؟

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ سحر اشیاء کا پلٹنا اور طبائع کا بدلنا ہے۔ یہ لوگ آنکھوں کو وہ چیز دکھاتے ہیں جو دراصل دکھائی نہیں دیتی۔ صالحین کے لیے ان لوگوں نے بطور کرامت اشیاء کا پلٹنا، اجسام کا پیدا کرنا، طبائع کا ہر طرح سے بدل جانا، اور انبیاء کا ہر معجزہ جائز رکھا ہے۔

میں نے محمد بن الطیب الباقلانی کا یہ مضمون دیکھا ہے کہ "ساحر درحقیقت پانی اور ہوا پر چلتا ہے، حقیقت میں انسان کو گدھا بنا دیتا ہے اور یہ تمام امور صالحین سے بطور کرامت پائے جاتے ہیں۔ انبیاء کے معجزات ہیں اور جو کچھ بزرگ انسان اور ساحر سے ظاہر ہوتا ہے ان کے درمیان میں صرف تحدی کا فرق ہے (تحدی یہ ہے کہ نبی کوئی نشانی دکھا کے یہ کہے کہ اس کا مقابلہ کرو) کیوں کہ نبی تو لوگوں کو تحدی کرتا ہے کہ جو کچھ وہ لایا ہے یہ لوگ بھی اُس کے مثل لائیں مگر کوئی بھی اُس پر قادر نہیں ہوتا جس چیز کے متعلق نبی تحدی نہ کرے وہ اُس کا معجزہ نہیں ہے۔" باقلانی نے یہ بھی فیصلہ کر دیا کہ "اللہ تعالیٰ جھوٹے مدعی نبوت کی زبان پر کسی معجزے کے ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے۔"

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اپنے انبیاء کے واسطے اور کوئی کسی شئے کو نہ بدل سکتا ہے اور نہ کسی طبیعت کو پھیر سکتا ہے۔ خواہ انبیاء اس کے متعلق تحدی کریں یا نہ کریں۔ یہ سب انبیاء علیہ السلام کی آیات و معجزات ہیں، خواہ وہ ان کے متعلق تحدی کریں یا نہ کریں۔ انبیاء کے علاوہ کسی اور کے لیے تحدی کے کوئی معنے ہی نہیں، نہ صالح کے لیے، نہ ساحر کے لیے، ان میں سے کسی شئے کا وجود ممکن ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ جھوٹے مدعیان نبوت کے ہاتھوں پر بھی معجزات ظاہر کرنے پر قادر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اسے کرتا نہیں، جیسا کہ تمام وہ چیزیں جن پر وہ قادر ہے مگر جن کے کرنے کا وہ ارادہ نہیں کرتا اُنھیں نہیں کرتا۔

یہی وہ حق ہے کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا۔ لا مبدل لکلماتہ" (اور آپ کے رب کا کلمہ صدق و عدل کے اعتبار سے پورا ہو چکا۔ اُس کے کلمات کا بدلنے والا کوئی نہیں)۔ اور فرمایا ہے "وعلم آدم الاسماء کلھا